وہ چلنے سے پہلے اپنا ریوالور اٹھانے کے لیے جھکا تو عابد نے للکار کر اسے روک دیا۔ نریش شرما زیر لب کچھ بڑبڑاتا ہوا ایک طرف بڑھ گیا۔ عابد نے اس کے ریوالور پر قبضہ کرلیا۔ اس اثنا میں' میں اندر آکر دروازہ بند کرچکا تھا۔ ہم دونوں نریش کے پیچھے اس کے ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔

نریش شرما ہم سے پہلے ایک صوفے پر آرام سے پھیل کر بیٹھ چکا تھا۔ اس نے ہمیں بھی بیٹھنے کی پیش کش کی۔ عابد سامنے چلا گیا۔ میں نے دانستہ نریش کے بائیں ہاتھ والا صوفہ سنبھال لیا۔

"تم اس فلم کے لیے اتنے پریشان کیوں ہو؟ میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ اس کے لیے تم میرے گھر تک آنے کی ہمت کرو گے۔" نریش نے مربیانہ انداز میں کہا۔

"فلم کی واپسی ضروری ہے کیونکہ اس کے ذریعے میری شناخت ہوسکتی ہے۔ میں اسے پسند نہیں کرتا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا۔

وہ پھیکے اور بے جان انداز میں ہنس دیا "ایسی بڑی بڑی باتیں نہ کرو۔ میں تمہیں اچھی طرح سمجھ چکا ہوں۔ تم غزالہ سے بہت ڈرتے ہو۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ڈینی کی کوئی تصویر تمہارے ریکارڈ میں نہیں ہے۔ میں اس فلم کو تمہارے ریکارڈ کا حصہ نہیں بننے دوں گا۔"

"ڈینی!" اس نے حیرت سے کہا "اس وقت اس کا ذکر کہاں سے نکل آیا؟ تم اپنی بات کرو۔"

"وہ فلم اس لیے اہم ہے کہ میں ہی ڈینی ہوں۔" سرد لہجے میں یہ انکشاف کرتے ہوئے میں نے اپنی جیب سے بیم گن نکال لی۔

"اوہ!" اس کے ہونٹ سکڑ گئے اور آنکھوں میں بے اعتباری سی سمٹ آئی "مجھے آج صبح تک شبہ تھا کہ تم وہ نہیں ہو جو بننے کی کوشش کررہے ہو مگر انکل نے میری بات سختی سے مسترد کردی۔ تم ڈینی ہو تو پھر غزالہ کے ہاتھوں مری دھر کے پٹنے کا معما بھی حل ہوگیا۔ میں حیران تھا کہ ایک عام عورت فلائنگ کک کیسے لگاسکتی ہے؟"

"فلم..... میں فلم کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔" میں نے اسے گھورتے ہوئے سختی سے کہا۔ میں اس پر زیادہ وقت برباد کرنے کے موڈ میں نہیں تھا۔

وہ اپنی جگہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔ "شاید تم یقین نہ کرو لیکن اس فلم کا کوئی وجود نہیں ہے۔ وہ میرے دفتر کی آگ میں ناگر کے ساتھ جل گئی تھی۔"

فلم کے بارے میں اس نے پہلی بار سچ بولا تھا۔ اس سے مزید گفتگو بے سود تھی۔ میں نے سرسری انداز میں بیم گن کا رخ اس کی طرف کردیا۔

"بند نال والا یہ کون سا ہتھیار ہے؟ اس کا رخ میری طرف سے ہٹالو۔" اس نے گھبرائے ہوئے لہجے میں کہا۔

میں نے اس کے بائیں پہلو کا نشانہ لے کر بیم گن کا ٹریگر دبادیا۔ نیلگوں شعلوں کی پتلی سی دھار فضا میں تیرتی ہوئی نریش شرما کی جلد' پسلیوں اور دل کو چیرتی ہوئی نکل گئی۔ وہ جس حالت میں بیٹھا ہوا تھا' اسی حال میں بیٹھا رہ گیا۔ آخری لمحوں کی گھبراہٹ اس کے چہرے پر منجمد ہوکر رہ گئی تھی۔

"تم نے اس پر اپنا بہت قیمتی وار ضائع کیا۔ یہ حرام زادہ ایسی سہل موت کا مستحق نہیں تھا۔" عابد علی نے افسردگی سے کہا۔

"شور شرابے اور وقت کے ضیاع سے بچنے کے لیے ایسا کرنا ضروری تھا میں راولوں سے اکتا گیا ہوں۔ یہاں سے جلد از جلد نکلنا چاہتا تھا۔" میں نے اپنی جگہ چھوڑ دی۔

عابد علی نے ڈرائنگ کی ساری روشنیاں گل کردیں۔ نریش شرما کی لاش کو اندھیرے میں چھوڑ کر ہم دونوں باہر آگئے۔

انل بسواس کے مقابلے میں نریش شرما کے گھر کا ماحول مختلف تھا۔ مجھے توقع تھی کہ اس کے گھر والوں یا ملازمین میں سے کوئی بھی صبح کا اجالا پھیلنے سے پہلے بیدار نہیں ہوگا مگر ہم اس سلسلے میں کوئی خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ مشن شروع کرنے سے پہلے ہمیں یہ خوف لاحق تھا کہ انل کی موت کی خبر ذرا سی دیر میں پھیل جائے گی۔ وہ کام پورا ہوا تو ہمیں اس طرف سے صبح تک کے لیے بے فکری ہوگئی۔ میں اس بات کو یقینی بنانا چاہتا تھا کہ نریش شرما کی موت کی خبر بھی ہمارے امرتسر کے لیے روانگی تک دبی رہے۔

نریش کی خواب گاہ کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ اس کی بیوی بے حجابی سے اپنے بستر پر سو رہی تھی۔ وہ بلاشبہ بہت خوب صورت اور متناسب الاعضا عورت تھی۔ اسے دیکھ کر یہ اندازہ لگانا دشوار تھا کہ وہ ایک جوان بیٹے کی ماں ہوگی۔ وہ سوئی تو نریش کی بیوی تھی' بیدار ہونے پر یہ انکشاف اس کے لیے دل دوز ہوتا کہ وہ بیوہ ہوچکی تھی مگر وہ مقدرات تھے جو انل ہوتے ہیں۔ نریش نے میرے اور غزالہ کے ساتھ مخاصمانہ اور ہتک آمیز رویہ اختیار کرکے خود کو اس انجام کا سزاوار بنایا تھا۔

عابد علی کی خواہش پر میں نے انگوٹھی اپنی انگلی سے اتار کر اسے دے دی۔ اس نے انگوٹھی انگلی میں پہنے بغیر' اس کا نگینہ نریش کی بیوی کے بازو پر رکھ کردیا اور اس عورت کا

Downloaded from https://paksociety.com

بدن پھڑکتے ہی اس نے انگوٹھی اٹھالی۔ اس عورت کی نیند کم از کم چار گھنٹوں کے لیے گہری ہو چکی تھی۔

"واقعی یہ نایاب انگوٹھی ہے۔" اس نے انگوٹھی کی بناوٹ کا جائزہ لیتے ہوئے کہا "آئیڈیا مل گیا ہے۔ میں بات کروں گا۔ شاید یہ انگوٹھیاں بنوائی جاسکیں۔"

"میں غیر یقینی حالات سے نہ گزر رہا ہوتا تو یہ انگوٹھی اسی وقت تمہاری نذر کردیتا۔ پتا نہیں مجھے کب اور کہاں اس کی ضرورت پڑجائے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں تھا' اس نے بوکھلا کر انگوٹھی فوراً مجھے لوٹادی "ہر اچھی چیز کی تعریف کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ وہ مانگی جارہی ہے۔"

"ابھی اوپر چار شکار اور باقی ہیں۔" میں نے مسکراتے ہوئے کہا "چاہو تو ان پر آزمانے کے بعد مجھے واپس دے دینا۔"

"ہاں!" اس نے اثبات میں سرہلاتے ہوئے انگوٹھی واپس لے لی "اس کا استعمال میرے لیے ایک سنسنی خیز تجربہ ہے۔"

جب تک نریش شرما زندہ تھا' میں شدید ذہنی دباؤ کا شکار تھا۔ اس خبیث نے عین وقت پر عابد علی کو رنگے ہاتھوں پکڑ کر مجھے مزید ذہنی اذیت میں مبتلا کردیا تھا۔ اس کے قتل کے بعد میں خود کو بالکل ہلکا اور تروتازہ محسوس کررہا تھا۔ یہ معلوم نہیں ہورہا تھا کہ اس چھت کے نیچے میرا ایک مقتول بھی موجود تھا۔ عابد علی کی باتوں سے بھی ایسا ہی ظاہر ہورہا تھا۔

وہ دہلی میں ہماری آخری اور بہترین رات تھی۔ میں نے جلال کے دیے ہوئے ہدف سے کہیں زیادہ مقاصد حاصل کرلیے تھے۔ نریش شرما کے قتل میں بیم گن کے استعمال کے سوا میں نے کہیں ایسا کوئی ثبوت نہیں چھوڑا تھا جس کی بنا پر یہ واقعات میری ذات سے منسوب کیے جاسکیں۔ یہ اور بات تھی کہ انل اور نریش کے جانشین محض میری بھارت سے روانگی کی بنا پر ان دونوں کا خون میرے کھاتے میں ڈال دیتے۔ ان کی وہ ساری کارروائیاں مظہر خان کے نام پر ہوتیں۔ انہیں دہلی میں میری یعنی ڈینی کی موجودگی کا سراغ اس صورت میں مل سکتا تھا جب ان کے ماہرین نریش شرما کے دل پر بیم گن کے مہلک وار کا فیصلہ صادر کرنے میں کامیاب ہوجاتے۔ ہر دو صورتوں میری صحت اور سلامتی پر کوئی فرق نہیں پڑتا تھا کیونکہ ان فیصلوں سے بہت پہلے میں پاکستان کی آزاد فضاؤں میں پہنچ چکا ہوتا۔

نریش شرما نے اوپر کی منزل پر بہت قرینے سے چار کمرے بنوائے تھے۔ ان میں سب سے کشادہ اور آراستہ کمرا اس کے بیٹے کے استعمال میں تھا جو اس وقت وہاں گہری نیند سویا ہوا تھا۔

اس لڑکے کی عمر کسی طرح اٹھارہ' بیس سال سے زیادہ نہیں تھی۔ اس کی ماں کی طرح مجھے اس پر بھی ملال ہوا کہ وہ اپنے باپ کی ناپاک حرکتوں کی وجہ سے کم عمری میں ہی یتیم ہوچکا تھا۔ وہ عالمی اور علاقائی رقابتوں کا بھیانک کھیل تھا جس میں انفرادی جذبوں اور ہمدردیوں کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ جس کو جہاں موقع ملتا تھا' وہ اپنے حریف کو پیس ڈالنے پر تل جاتا تھا۔

عابد علی نے اس لڑکے کے بعد تینوں ملازموں کی نیند کو بھی گہری بے ہوشی میں بدل دیا۔ نریش شرما کا نام عمل کی دنیا سے نکل کر ایک بھولا ہوا خواب بن چکا تھا۔ عیاشی' مکاری' آوارگی اور بے غیرتی کا وہ سدا بہار پیکر اپنے دن پورے کرچکا تھا۔ اس کے گھر میں ہمارا کوئی کام باقی نہیں رہا تھا۔ ہم وہاں سے واپس چل دیے۔

عابد کا ابتدائی اندازہ یہ تھا کہ ہمیں قرول باغ میں بدترین معرکے پیش آنے والے تھے جن میں ہمارا نقصان بھی ہوسکتا تھا۔ ان دونوں معرکوں سے نمٹنے کے بعد شاید ہمیں افراتفری کے عالم میں ائرپورٹ کی طرف بھاگنا پڑتا۔ اس کی تیاریوں میں ایسے امکانات کو ملحوظ رکھا گیا تھا لیکن نتائج اس کی بلکہ میری توقعات کے بھی برعکس نکلے تھے۔

ہر کام خوش اسلوبی سے پایہ تکمیل تک پہنچایا جاچکا تھا۔ ہمارے پاس کافی وقت تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ ہم دونوں کو ایک جلوس کی صورت میں ائرپورٹ پہنچایا جائے۔ اس بارے میں عابد نے میری رائے طلب کی تو میں پوری طرح اس کا ہم خیال تھا۔ اس نے قرول باغ سے نکلنے کے بعد گاڑی ایک ایسے راستے پر ڈال دی جہاں ہمیں رک کر سامان اور سواریوں میں ردوبدل کرنے کا موقع مل سکتا تھا۔

اس وقت صبح کے پونے چار بجے کا عمل تھا۔ شہر کی ساری سڑکیں تقریباً ویران اور سونی پڑی ہوئی تھیں۔ آبادی سے باہر واقع سڑک پر کچھ دور نکلنے کے بعد عابد علی نے اپنی گاڑی روک کر انجن بند کیا اور پھر گاڑی کا بونٹ اوپر اٹھادیا۔ چند منٹ بعد دوسری گاڑی بھی ذرا دور آکر رکی تو عابد نے اشارہ دے کر اسے قریب بلالیا۔ گاڑی کا بونٹ دیکھ کر وہ تینوں یہ سمجھے کہ عابد کی گاڑی میں کوئی خرابی ہوگئی تھی۔

"گاڑی ٹھیک ہے اور اس سے بھی بڑی خوش خبری یہ ہے کہ آج کے دونوں مشن مکمل کامیابی سے ہمکنار ہوئے

Downloaded from https://paksociety.com

ں۔" عابد نے انہیں بتایا۔

"وہ دونوں بہت آسانی سے مار کھا گئے۔" غزالہ نے حیرت سے کہا "مجھے تو ہر لمحہ پُر شور تصادم کا دھڑکا لگا ہوا تھا۔"

"قسمت ہم دونوں کا ساتھ دے رہی تھی۔" عابد علی نے خوش دلی سے کہا "نریش نے مجھے چوہے دان میں پھانس لیا تھا۔ مظہر کی حاضر دماغی کی وجہ سے میں عین وقت پر اس کے چنگل سے نکلنے میں کامیاب ہوگیا ورنہ اس وقت تک وہاں پولیس کی بھاری نفری پہنچ چکی ہوتی۔"

"کیا اسے انل کے قتل کی خبر مل گئی تھی؟" عبداللہ نے انتظاری لہجے میں پوچھا۔

"نہیں۔ دونوں خبریں ابھی تک دبی ہوئی ہیں۔ صبح ہونے سے پہلے کسی کو پتا نہیں چل سکے گا کہ وہاں کیا ہوا ہے۔" ان تینوں کو جواب دینے کی ذمے داری عابد نے سنبھالی ہوئی تھی۔ میں اس کے قریب کھڑا اطمینان سے سگریٹ نوشی کا لطف لے رہا تھا۔

وہ تینوں اصل معاملات اور واقعات سے بالکل الگ تھلگ رہے تھے اس لیے ان کے ذہنوں میں بہت سے سوالات مچل رہے تھے۔ عابد نے انہیں مختصر الفاظ میں خلاصہ بتانے کے بعد یہ بھی بتادیا کہ وہ دونوں ائرپورٹ کے بجائے اپنے ٹھکانوں پر واپس جائیں گے اور وہ خود مجھے اور غزالہ کو ائرپورٹ چھوڑے گا۔ ان تبدیلیوں پر عمل کرنے کے لیے راستے میں رکنے کی ضرورت پیش آئی تھی۔ غزالہ مجھ سے الگ ہو کر پریشان تھی۔ وہ خبر سنتے ہی وہ سرخ گاڑی سے میرا سوٹ کیس اور اپنا سفری تھیلا نکال لائی اور میں ان دونوں سے تشکر آمیز الوداعی ملاقات میں مصروف ہوگیا۔

اس پڑاؤ میں غزالہ کی منتقلی ..... سب سے زیادہ اہم تھی۔ اس فرض سے سبکدوش ہونے کے بعد عابد کے دونوں ساتھی گاڑی گھما کر واپس روانہ ہوگئے۔ کچھ دیر بعد عابد نے بھی بونٹ گرادیا اور ہماری گاڑی ایک مرتبہ پھر حرکت میں آئی۔

"یہ یاد رکھنا کہ اب پاکستان پہنچنے تک تم انل بسواس یا نریش شرما کا نام نہیں لوگی۔" میں نے غزالہ پر واضح کیا "اس گاڑی سے اترنے کے بعد ہم ان ناموں کو بھول جائیں گے۔"

"مرنے والوں کو بھولنا پڑتا ہے مگر میں حیران ہوں کہ یہ سیاہیاں اتنی آسانی سے کیسے مل گئیں۔" غزالہ نے تعجب کا اظہار کیا۔

"کوئی آسانی نہیں تھی۔ افسانہ طرازی کے لیے بہت کچھ کہا جاسکتا ہے لیکن تمہیں یہ اطمینان ہونا چاہئے کہ ان دونوں سے تمہاری توہین کا بدلا لے لیا گیا ہے۔"

"یہ احسان جتانا ضروری نہیں ہے۔" عابد نے ہنستے ہوئے کہا "انل روز اول سے تمہارا ہدف تھا۔ ہاں' نریش کا نام تم نے پچھلی رات کو شامل کیا تھا۔"

"یوں ہی سہی۔ تجویز جس کسی کی رہی ہو' مری دھرکو بھیجنے والا نریش کمار ہی تھا۔"

ہم آپس میں باتیں کرتے رہے۔ عابد علی بہت اطمینان سے گاڑی چلا رہا تھا۔ اس نے بتایا کہ وقت ہونے کی وجہ سے وہ ایک لمبا راستہ طے کرکے ائرپورٹ جارہا تھا۔ صبح کے ٹھیک پانچ بجے اس کی گاڑی ائرپورٹ پر پہنچ چکی تھی۔ اس دوران میں' میں بیم گن کو اپنے بریف کیس میں منتقل کرچکا تھا۔

غزالہ سے اس نے رسمی سلام دعا کی مگر مجھ سے وہ بہت تپاک سے بغل گیر ہوا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا "وطن کی قدر یہاں رہ کر ہورہی ہے۔ ہم وہاں کی ہوا کو ترس گئے ہیں۔ تمہاری ذات میں وطن کی خوشبو ملی تھی لیکن تم بھی ساتھ چھوڑ کر جارہے ہو۔ اپنی دعاؤں میں ہم لوگوں کو کبھی نہ بھولنا۔"

"میں نے تمہیں اور تمہاری پُر خطر زندگی کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ میں نے یہاں ایک ایک لمحہ اس یقین کے سہارے گزارا ہے کہ تم تینوں کی مخلص ٹیم میری طرف سے کسی وقت غافل نہیں رہی۔ میں تمہیں کبھی نہیں بھول سکوں گا۔"

"میری عمران ہی کاموں میں گزری ہے مگر میں نے تم سے بہت کچھ سیکھا ہے۔ دشمن پر سبقت حاصل کرنے کے لیے تیزی سے بروقت اور صحیح فیصلے کرکے تم نے ہمیشہ مجھے حیران کیا ہے۔" وہ گرمجوشی سے میرا ہاتھ دباتے ہوئے بولا۔

"انسان اپنے کام سے مخلص ہو اور اس کے دل میں کچھ نہ کچھ سیکھنے کی جوت روشن ہو تو وہ زندگی بھر ہر ایک سے سیکھتا رہتا ہے۔ دنیا کا کاروبار اسی طرح چل رہا ہے کہ لوگ ہر لمحے ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ سیکھتے رہتے ہیں۔" میرے لیے پُرجوش جوابی رویے کا اظہار ضروری ہوگیا تھا۔

اس نے ہمیں ائرپورٹ کے لاؤنج کے سامنے اتارنے کے بجائے اپنی گاڑی پارکنگ ایریا کے سرے پر روکی تھی جہاں ہماری گفتگو سننے والا کوئی نفس نہیں تھا۔ ہم تینوں نے کچھ دیر تک وہیں کھڑے آپس میں باتیں کیں۔ اس نے غزالہ سے ان زحمتوں کے لیے معذرت چاہی جو اسے دہلی

Downloaded from https://paksociety.com

میں قیام کے دوران کسی نہ کسی سبب سے جھیلنا پڑی تھیں۔ ان مسائل میں آئی بی والوں کا کوئی ہاتھ تھا' نہ ان کی کسی کوتاہی کے نتیجے میں وہ واقعات رونما ہوئے تھے پھر بھی عابد اخلاقی طور پر نادم نظر آرہا تھا۔ وہ دوبارہ مجھ سے بغل گیر ہوا اور پھر افسردہ انداز میں اپنی گاڑی میں بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوگیا۔

میں غزالہ کے ساتھ وہیں کھڑا' اسے جاتا ہوا دیکھتا رہا۔ ہم دونوں کے پاس سامان نہ ہونے کے برابر تھا اور پرواز میں خاصا وقت بھی باقی تھا۔ ہم وہاں سے ٹہلتے ہوئے ملکی پروازوں کی روانگی والے لاؤنج کی طرف چل دیے۔

وہ محفوظ فضائی سفر کا زمانہ تھا مسافروں کے دستی سامان کو مشینوں سے گزار کر جانچا جاتا تھا لیکن چیک ان کاؤنٹر پر ائر لائن کے عملے کے حوالے کیے جانے والے اسباب کو جوں کا توں آگے بھیج دیا جاتا تھا۔ اس عمل میں اتنی احتیاط ضرور کی جاتی تھی کہ پرواز سے کوئی ایسا مسافر غائب نہ ہونے پائے جس کا سامان جہاز پر بھیجا جاچکا ہو۔ اگر بورڈنگ کارڈ کے اجرا کے بعد کسی وجہ سے کوئی مسافر رہ جاتا تو پھر تفصیلی پڑتال کی نوبت آتی تھی اور جہاز سے ایسے گمشدہ مسافر کا سامان اتار لیا جاتا تھا۔

میں اس وقت بھارت کی ایک اندرون ملک پرواز سے سفر کرنے والا تھا۔ میرے بریف کیس میں کاغذات وغیرہ کے ساتھ بیم گن بھی موجود تھی اس لیے مجھے اپنے ذہن میں ان باتوں کو تازہ کرنے کی ضرورت تھی۔

بیم گن میرے لیے ایک بیش قیمت ہتھیار کا درجہ رکھتی تھی۔ اس سے میں کسی بھی قیمت پر رضاکارانہ طور پر دستبردار نہیں ہوسکتا تھا۔ یہ بات عابد علی اچھی طرح جانتا تھا۔ اس نے بیم گن پہلی مرتبہ دیکھی تھی لیکن وہ لیزر گن اور اس کے استعمال کے بارے میں بہت کچھ پڑھ چکا تھا۔ اس نے کسی مرحلے پر مجھے یہ یاد دلانے کی کوشش نہیں کی تھی کہ ہوائی سفر میں مجھے اس کی طرف سے محتاط رہنے کی ضرورت تھی۔ شاید اس نے یہ سوچ کر اس بارے میں کوئی بات نہیں چھیڑی تھی کہ میں اس کے مشورے پر اس غلط فہمی میں مبتلا ہوجاؤں کہ وہ احتیاط کے بہانے مجھے بیم گن دہلی میں چھوڑنے کا مشورہ دے رہا ہے۔

ہم پاکستان سے بھارت کے لیے روانہ ہوئے تو بیم گن میرے قیمتی اثاثے میں شامل تھی۔ یہ بات میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی کہ بھارت میں قیام کے دوران مجھے کسی مرحلے پر فضائی سفر کی ناگزیر ضرورت پیش آئے گی۔ اس بسواس اور شرما کے دہرے قتل کے بعد وہ ناگزیر صورتِ حال رونما ہوچکی تھی اپنے تحفظ کے لیے جلد از جلد دہلی سے دور نکل جانے کے لیے فضائی سفر کرنا میری مجبوری بن چکا تھا۔

میں بیم گن والے بریف کیس کو دستی سامان کے طور پر اپنے ساتھ لے کر سفر کرنے کی کوشش کرتا تو مشینی جانچ پڑتال کے دوران بیم گن اسکرین پر نظر آجاتی اور میں مشکل میں پڑجاتا۔ میں فیصلہ کرچکا تھا کہ بورڈنگ کاؤنٹر پر اپنا مقفل بریف کیس ائرلائن کے عملے کو سونپ دوں گا تاکہ وہ حفاظت سے امرتسر تک پہنچ سکے۔ اس وقت اس میں بیم گن کے ساتھ سی ایس ڈی جیسی اہم اور کارآمد چیز بھی موجود تھی۔

یہ بات ذرا عجیب سی ہوتی کہ کوئی مسافر اپنے بریف کیس کو بھی اپنے ساتھ جہاز کے کیبن میں نہ لے جانا چاہے لیکن بالکل انوکھی اور نرالی نہیں تھی۔ دنیا کے مختلف حصوں کے فضائی سفر کے دوران میں نے ایسے خبطی لوگ بھی دیکھے تھے جو محض کوئی بھاری کتاب بھی اپنے سامان کے طور پر ہاتھ میں لے جانے سے گریز کرتے تھے۔ میری وہ تدبیر قدرے غیر معمولی مگر بالکل محفوظ تھی۔

لاؤنج میں ائرانڈیا کے تین کاؤنٹرز پر میری امرتسر کی پرواز کا نمبر روشن تھا لیکن کاؤنٹر بند تھے۔ میں غزالہ کے ساتھ قریبی اسنیک بار کی طرف چل دیا۔

پچھلی رات میں نے غزالہ پر نظر رکھنے کے لیے ڈنر کے نام پر محض دہی بڑے کھانے پر اکتفا کیا تھا۔ دہی بڑے کب کے ہضم ہوچکے تھے۔ میرا خالی معدہ احتجاج کررہا تھا جب کہ پرواز کی روانگی میں کم از کم دو گھنٹے باقی تھے۔ اس وقت کا بہترین استعمال یہی تھا کہ کچھ پیٹ پوجا کرلی جائے۔

ائرپورٹ کی پوری عمارت روشنیوں میں نہائی ہوئی تھی لیکن وہاں مسافروں وغیرہ کی تعداد نہ ہونے کے برابر تھی۔ ماحول میں عجیب اور خواب ناک سی اداسی تیر رہی تھی رونق جہاں بھی ہو' انسانوں کے دم قدم سے ہوتی ہے۔ جہاں انسانوں کے سوا سب کچھ ہو' وہ جگہ ویرانے سے زیادہ نہیں ہوتی۔ یہ آدم بیزاروں کا میراث ہوتا ہے کہ وہ ایسی جگہوں کو پُرسکون اور رومان پرور قرار دے کر وہاں ڈیرے ڈال دیتے ہیں۔

ہم دونوں نے صاف ستھرے اسنیک بار میں کافی کے ساتھ اچھا خاصا ناشتا کرڈالا۔ دہلی سے اپنی روانگی کے اس آخری مرحلے پر مجھے یاد آیا کہ دہلی میں اپنے قیام کے دوران ہم کسی بھی دن حلوہ پوری کے روایتی مقامی ناشتے سے لطف

Downloaded from https://paksociety.com

اندوز نہیں ہو سکے تھے۔ بھارت کے اس تاریخی شہر میں ہمارا سارا وقت بے یقینی کی سولی پر گزرا تھا۔ حالات ہر لمحے ایسی خطرناک کروٹیں لیتے رہے تھے کہ میرا ذہن ایسی کسی تفریح، تبدیلی یا عیاشی کی طرف نہیں بھٹک سکا تھا۔

نریش شرما اور انل بسواس روز اول سے میرے لیے مسئلہ بنے ہوئے تھے۔ بھارت میں پاکستانی دہشت گردوں کے داخلے کی خبر نما افواہ کے بعد بھارتی پولیس نے جس چھان بین کی ابتدا کی تھی، اس کے نتیجے میں راوالے میری طرف متوجہ ہوئے تھے پھر انہوں نے مجھے ایک دن کے لیے بھی سکھ کا سانس نہیں لینے دیا تھا۔ یہ عجیب اتفاق تھا کہ میں پاکستان سے را کے ایک ونگ کے سربراہ کو ٹھکانے لگانے کا منصوبہ لے کر دہلی میں وارد ہوا تھا۔ اس سے پہلے کہ میں دہلی میں مامور را کے ایجنٹوں کے تعاون سے اپنی مہم کا آغاز کرتا، راوالے خود میری طرف متوجہ ہو گئے۔

ابتدا سے آخری لمحات تک میرے اور ان کے درمیان بلی اور چوہے کا کھیل ہوتا رہا۔ کبھی مجھے یہ شبہ ہوتا کہ وہ منظم انداز میں مجھے گھیرنے کی کوششیں کر رہے ہیں اور کبھی یہ خوش فہمی ہونے لگتی تھی کہ میں کامیابی سے انہیں بے وقوف بنا رہا تھا۔ تذبذب اور بے یقینی کی وہ کیفیت اس رات تک قائم رہی تھی۔ ان دونوں کے کامیاب قتل نے یہ ثابت کر دیا تھا کہ ان کے بارے میں میرے شبہات بے بنیاد تھے مگر خوش فہمیاں بے بنیاد نہیں تھیں۔

ہم ناشتا کر کے اسنیک بار سے دوبارہ لاؤنج میں پہنچے تو اجڑے اجڑے کاؤنٹر آباد ہو چکے تھے مگر مسافروں کی آمد کا سلسلہ شروع نہیں ہوا تھا۔

میں نے ایک خالی کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ہوئی لڑکی کو اپنی طرف متوجہ پا کر اسی کی طرف جانے کا فیصلہ کر لیا۔ اس کاؤنٹر پر ہماری پرواز کا نمبر موجود تھا۔

لڑکی نے دلکش مشینی مسکراہٹ کے ساتھ ہمارا استقبال کیا اور دونوں ٹکٹ کھول کر بورڈ پر بورڈنگ کوائف ڈالنے میں مصروف ہو گئی۔ میں نے خاموشی سے اپنا بریف کیس سامان کا وزن کرنے والی مشین پر رکھ دیا۔ مسافروں کا سامان مشینی پٹے پر منتقل کرنے والے لوڈر نے استفسار طلب نظروں سے میری طرف دیکھا۔ وہ تصدیق کرنا چاہ رہا تھا کہ میں نے اپنا بریف کیس یوں ہی مشین پر رکھ دیا تھا یا میں اسے جہاز کے کارگو ہولڈ میں بھجوانا چاہتا تھا۔ میں نے انگلی سے اشارہ کیا کہ بریف کیس بھیج دیا جائے۔

لوڈر نے بریف کیس کے ہینڈل کے ساتھ ٹیگ باندھا اور اس کا نچلا حصہ الگ کر کے لڑکی کے سامنے رکھ دیا جو میرا بورڈنگ کارڈ تیار کرنے میں مصروف تھی۔ ذرا سے انتظار کے بعد بریف کیس کے ٹیگ کے ساتھ دونوں بورڈنگ کارڈز مل گئے۔ میرا بریف کیس متحرک پٹے پر آگے بڑھتا چلا گیا۔

بظاہر وہ ایک معمولی سا مرحلہ تھا مگر میں اس کی طرف سے بہت فکر مند تھا۔ ہمارے ساتھ کوئی سوٹ کیس وغیرہ ہوتا تو بیم گن اور سی ایس ڈی کو آسانی سے اس میں چھپایا جا سکتا تھا۔ محض بریف کیس کی وجہ سے ائرلائن کے عملے میں کسی کو شک ہو سکتا تھا۔ مجھے امید تھی کہ کاؤنٹر سے گزر جانے کے بعد میرے بریف کیس کو نہیں چھیڑا جائے گا اور وہ پوری حفاظت سے ہمارے ساتھ امرتسر پہنچ جائے گا۔

ساڑھے پانچ بجے اس پرواز کے لیے بورڈنگ کے آغاز کا اعلان ہوا تھا۔ اس وقت تک لاؤنج میں خاصے مسافر آ چکے تھے مگر وہ تعداد تسلی بخش نہیں تھی۔

میں اس مرحلے کے لیے دیر سے پا بہ رکاب بیٹھا ہوا تھا۔ بورڈنگ کا اعلان ہوتے ہی مسافروں کی پہلی کھیپ کے ساتھ ائر انڈیا کے طیارے میں سوار ہو گیا۔ ٹرالی سے دو انگریزی اخبارات لیتے ہوئے ہم دونوں اپنی جڑی ہوئی نشستوں پر پہنچ گئے۔

پچھلے کئی دن سے مجھے دہلی کے اخباروں کا تفصیلی معائنہ کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ طیارے میں آرام سے بیٹھ کر میں نے ورق گردانی کی تو اخبار کے اندرونی صفحات پر کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے حوالے سے ایک تفصیلی مضمون موجود تھا۔

کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کی مذموم سرگرمیوں کے بارے میں بھارتی اخباری نمائندوں کی مہم جوئی عابد علی کی کوششوں کی مرہون منت تھی۔ میں نے اس مضمون کا سرسری جائزہ لے کر اندازہ لگایا کہ مضمون کا لب و لہجہ بہت تلخ، تنقیدی اور جارحانہ تھا۔

بھارت میں اپنے مشن کے دوران میں میری بے یقینی کا خاتمہ ہو چکا تھا۔ شکوک و شبہات کی دھند چھٹ جانے کے بعد ہر بات واضح سیاق و سباق کے ساتھ سمجھ میں آ رہی تھی اور میرے دل میں فخر و انبساط کے جذبات امڈ رہے تھے۔

میں دہلی میں اپنے مشن سے بہت کامیاب و کامران ہو کر لوٹ رہا تھا۔ میری آمد را والوں کے لیے بہت بھاری ثابت ہوئی تھی۔ ہر طرف ان کے ستارے گردش میں آئے ہوئے تھے۔ پہلے ان کے پاکستانی ونگ میں آتش زنی کی سنگین واردات ہوئی جس کے نتیجے میں وہ اپنے بہت سے ریکارڈ اور

Downloaded from https://paksociety.com

ناگر جیسے کامیاب افسر سے محروم ہوگئے۔ وہ اس چوٹ سے سنبھلنے نہ پائے تھے کہ چانکیہ پوری کے سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کی لاش برآمد ہونے کی خبر آگئی۔

اس محاذ کے سرد ہونے سے پہلے کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کا سویا ہوا فتنہ بیدار ہوگیا اور را کا گھناؤنا کردار زبردست تنقید کی زد میں آگیا۔ ان لوگوں کے پوشیدہ زخم عام بھارتیوں اور اخباری دنیا کی نظروں سے پوشیدہ تھے۔

وہ را کی بدبختیوں کی پرانی داستان تھی۔ اس کے دو نئے باب پچھلی رات کی تاریکی میں لکھے گئے تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ انل بسواس اور نریش شرما کے قتل کا انکشاف را کے ساتھ بھارتی حکومت کو بھی ہلا کر رکھ دے گا اور را کی کارکردگی بھارتیوں کے لیے ایک بہت بڑا سوالیہ نشان بن جائے گی۔

میری رسٹ واچ پونے سات بجا رہی تھی۔ جہاز تیزی سے بھرتا جا رہا تھا۔ کیبن میں مردوں' عورتوں اور بچوں کی ملی جلی' ہیجان انگیز سرگوشیاں اور آوازیں گونج رہی تھیں مگر میرا ذہن قرول باغ کے دو مکانوں اور ان کے بدنصیب مکینوں میں الجھا ہوا تھا۔

ان دونوں گھروں کے ناہنجار سربراہ اپنے کیے کے انجام کو پہنچ چکے تھے۔ میرا خیال تھا کہ ان گھروں میں بے ہوش ہونے والے نفوس میں سے چند کو ضرور ہوش آچکا ہوگا۔ گھنٹوں سے دبی ہوئی خبر ایک آتشین بگولے کی طرح پھیلتی جا رہی ہوگی۔ جب تک را کے بڑے اس واردات کے بارے میں کچھ سمجھنے میں کامیاب ہوتے' ہمارا جہاز دہلی کی سرزمین کو چھوڑ کر فضا میں بہت اوپر جا چکا ہوتا۔

میں ایک ایک لمحہ گن گن کر گزار رہا تھا۔ خدا خدا کر کے جہاز کے دروازے بند ہوئے۔ بورڈنگ کے ریکارڈ کے مطابق ہر مسافر طیارے میں آچکا تھا اور جہاز میں لادے جانے والے اسباب کی دوبارہ زمینی جانچ پڑتال کا خطرہ ٹل چکا تھا۔

جہاز کے انجن چل پڑے۔ اپنے شیڈول کے مطابق طیارہ بروقت حرکت میں آیا اور کسی بڑے مشینی عفریت کی طرح ٹارمک پر مست خرامی کرتا ہوا اس رن وے کی طرف بڑھنے لگا جہاں سے دوڑ لگا کر اسے فضا میں بلند ہونا تھا۔ دہلی میں نئی صبح طلوع ہو چکی تھی۔ مشرقی افق سے کافی اوپر چمکتے ہوئے سورج کی کرنیں جہاز کی کھلی ہوئی کھڑکیوں سے براہِ راست کیبن میں بیٹھے ہوئے مسافروں پر پڑ رہی تھیں۔ میرے لیے وہ سب بہت روح پرور اور اطمینان بخش ثابت ہو رہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد کنٹرول ٹاور سے اجازت ملنے کے بعد' رن وے کے سرے پر رکے ہوئے طیارے نے جھرجھری لے کر دوڑنا شروع کر دیا۔ دیکھتے ہی دیکھتے جہاز نے زمین چھوڑ دی اور فضا میں تیزی سے اوپر اٹھتا چلا گیا۔ دہلی کا مطلع صاف تھا لیکن کہیں کہیں ہلکے سرمئی بادلوں کے پرے تیرتے پھر رہے تھے۔ چند ثانیوں بعد طیارہ ان بادلوں کو چیرتا ہوا اوپر نکل گیا۔

دہلی کا قیام میرے لیے زندگی کا ایک بھیانک اور روح فرسا تجربہ تھا۔ زمین سے رشتہ ٹوٹنے کے بعد مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ میں ان حالات سے بخیر و خوبی نکل آنے میں کامیاب ہو چکا تھا۔

جہاز میں کچن کی سرگرمیوں کا آغاز ہو چکا تھا۔ دہلی سے امرتسر کی پرواز زیادہ طویل نہیں تھی اس لیے جہاز کے مقررہ بلندی پر پہنچتے ہی فضائی میزبانوں نے اپنا کام شروع کر دیا۔ سینڈوچ' پیسٹریز اور چائے یا کافی پر مشتمل ہلکا پھلکا ناشتا فراہم کیا جا رہا تھا۔

وہ مختصر سا دور تھا جو جلد ہی ختم ہوگیا۔ برتن وغیرہ تیزی سے سمیٹے گئے۔ کچھ دیر بعد لینڈنگ کا اعلان ہونے لگا۔

دہلی کی ہلچل میں ڈوبی ہوئی سنسنی خیز فضاؤں سے دور' وہ شہر میرے لیے امان کا باعث تھا۔ گزرے ہوئے تلخ دنوں کی صرف یادیں باقی رہ گئی تھیں۔ مجھے امید تھی کہ امرتسر میں بنگو معقول آمدنی کے لالچ میں مجھ سے پورا تعاون کرے گا اور ہم جلد ہی سرحدی لکیر عبور کر کے پاکستان میں داخل ہو جائیں گے۔

امرتسر کا ایئرپورٹ زیادہ بڑا نہیں تھا۔ دہلی سے روانگی کے بعد وہاں اترتے ہی یہ احساس ہوا تھا جیسے ہم شہر سے کسی گاؤں میں آگئے ہوں۔ طیارے سے اترنے کے بعد مجھے اپنے بریف کیس کے انتظار میں عمارت کے اس حصے میں رکنا پڑا جہاں سامان کی آمد متوقع تھی۔

سامان کی پہلی کھیپ میں میرا بریف کیس شامل نہیں تھا۔ مجھے بے چینی سی ہونے لگی۔ بظاہر کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن ذہن میں عجیب سے وسوسے سر ابھار رہے تھے۔

"ہمیں آرام سے بیٹھ جانا چاہیے۔" غزالہ نے مشورہ دیا "ہم جہاز کے ابتدائی مسافروں میں شامل تھے اس لیے آپ کا بریف کیس سب سے آخر میں آئے گا۔"

وہ سیدھی سی بات کئی بار میرے تجربے میں آچکی تھی مگر ذہنی دباؤ کی وجہ سے میں اس نکتے پر غور نہیں کر سکا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

مسافروں کا سامان جس ترتیب سے جہازوں میں لادا جاتا ہے' عام طور پر سفر کے اختتام پر اس سے الٹی ترتیب میں اترتا ہے۔ میں سگریٹ سلگا کر غزالہ کے ساتھ ٹہلتا ہوا ایک طرف ہولیا۔

تاخیر کا سبب سمجھ میں آجانے کے بعد میری پریشانی میں خاصی کمی ہوگئی تھی۔ میری نگاہیں طیارے سے آنے والے سامان پر جمی ہوئی تھیں۔ خدا خدا کر کے میرا بریف کیس نظر آیا اور میں نے اپنی جگہ چھوڑ کر اسے حاصل کرلیا۔ بریف کیس صحیح حالت میں تھا اور اس کا قفل بدستور لگا ہوا تھا۔

ایئرپورٹ سے نکل کر ہم نے ٹیکسی لی اور ڈرائیور کو گرانڈ ہوٹل کا پتا بتادیا۔ وہ ہوٹل میرا دیکھا ہوا تھا۔ میرا اندازہ تھا کہ ہم سکون سے وہاں اپنا وقت گزار لیں گے۔

ٹیکسی ڈرائیور ایک نوجوان سردار تھا جس کی زبان ٹیکسی سے زیادہ تیز چل رہی تھی۔ فائدہ یہ ہوا کہ وہ راستے بھر مسلسل بولتا اور امرتسر کے بارے میں اپنی معلومات کے گن گاتا رہا۔ ہمیں اس نے ہوں ہاں کرنے سے زیادہ بولنے کی مہلت نہیں دی۔

گرانڈ ہوٹل پہنچنے پر ہمیں بولنے کی اس مشین سے نجات ملی اور ہم ٹیکسی سے اتر کر ہوٹل میں داخل ہوگئے۔

ہوٹل کے کاؤنٹر پر پہنچنے سے پہلے میں دو فیصلے کرچکا تھا۔ سب سے ضروری یہ تھا کہ مجھے اپنے اور غزالہ کے لیے الگ الگ کمرے لینے تھے تاکہ دہلی جیسے کسی تلخ تجربے کا اعادہ ہونے کی نوبت نہ آئے دوسری ضروری بات یہ تھی کہ ہوٹل کے عملے کو اپنے اصل عزائم سے بے خبر رکھنے کے لیے دو تین دن قیام کرنے کا ارادہ ظاہر کیا جائے۔

دہلی سے نکل آنے کے بعد میں جلد از جلد پاکستان پہنچ جانا چاہتا تھا لیکن امرتسر سے آگے کا سفر میرے اختیار میں نہیں تھا۔ اپنے خلاف راہ والوں کا نیٹ ورک متحرک ہونے کے اندیشے کی وجہ سے میں اپنے پاسپورٹ کے ذریعے پاکستان لوٹنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتا تھا۔ ہماری روانگی کا تمام تر دارومدار میری اور بنگو کی پہلی ملاقات کے نتائج پر تھا۔

کاؤنٹر کلرک نے بہت خوش دلی سے ہمارا استقبال کیا۔ ہوٹل میں کئی کمرے خالی تھے۔ اس کے مشورے پر ہم نے دوسری منزل کے ایک دوسرے سے ملحق دو کمروں کے لیے آمادگی ظاہر کردی۔

ہم دونوں نے دہلی سے امرتسر تک کا سفر فرضی ناموں سے کیا تھا تاکہ ہماری دہلی سے روانگی کی فوری تصدیق نہ ہوسکے لیکن ہوٹل کے ریکارڈ میں اندراج کے لیے جو کوائف درکار تھے' وہ ہم فرضی ناموں کے ساتھ فراہم نہیں کرسکتے تھے۔ میں نے اطمینان سے دونوں پاسپورٹ کاؤنٹر پر رکھ دیے۔

میرے دل میں یہ چور تھا کہ ہم کسی قابل ذکر سامان کے بغیر سفر کررہے تھے۔ اس پر کسی کو بھی شک ہوسکتا تھا۔ ہوٹل کے رجسٹر کے اندراجات کے دوران میں نے باتوں میں کاؤنٹر والے کو یہ جتادیا کہ ہم پاکستان واپسی سے پہلے اپنی ساری خریداری امرتسر سے کرنے کا ارادہ رکھتے تھے کیونکہ اگرہ سے دہلی روانگی کے دوران ہمارے سامان سے بھرا ہوا سوٹ کیس بس کے کارگو ہولڈ سے کہیں غائب ہوگیا تھا۔

کاؤنٹر والے سردار جی نے ہماری ہمدردی میں بھارتی چوروں کو خاصا بُرا بھلا کہا۔ جوشِ خطابت اور روانی میں وہ غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر دو تین گالیاں بھی دے گئے۔ وہ ان کی طرف سے ہمدردی کے اظہار کا فطری اور روایتی طریقہ تھا جس پر اعتراض کرنے کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔

ہمارے پاس کوئی سامان نہ ہونے کے باوجود ہوٹل کا پورٹر ہمیں کمرے دکھانے کے لیے دوسری منزل تک گیا۔ غزالہ نے اسے دس روپے دے کر خوش کردیا۔

ہم دونوں پچھلی رات آٹھ بجے سے دربدر تھے۔ دہلی کا ہوٹل چھوڑنے کے بعد ہمیں کہیں رکنے یا آرام کرنے کا موقع نہیں ملا تھا۔ غزالہ اپنے کمرے میں چلی گئی تاکہ نہا دھوکر تازہ دم ہوسکے۔ میں نے اپنی جیب سے عابد کا دیا ہوا رقعہ نکالا اور کمرے میں موجود انسٹرومنٹ پر براہِ راست فون لائن لے کر بنگو کا نمبر ملانا شروع کردیا۔

پہلی کوشش میں ہی نمبر مل گیا۔ میں ریسیور کان سے لگائے' جواب کے انتظار میں گھنٹیاں گنتا رہا۔ تیسری گھنٹی کے بعد میرے کانوں میں ایک تھکی ہوئی اور بیزار سی مردانہ آواز آئی۔ "ارے' صبح صبح کون ہے؟ کیا کام ہے؟"

"بنگو کو بلادیں۔ اس سے ضروری کام ہے۔" میں نے نرم بلکہ خوشامدانہ لہجے میں کہا۔

"بنگو سالا دو دن سے غائب ہے۔ پتا نہیں کب آئے گا۔ شاید اسے پولیس والوں نے پکڑ لیا ہے۔" دوسری طرف سے اسی لہجے میں جواب آیا اور میرے پیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ اگر بنگو کسی چکر میں پکڑا گیا تھا تو امرتسر ہمارے لیے نخدوش ہوچکا تھا۔

مجھے یوں محسوس ہوا جیسے ہم آسمان سے گر کر اچانک کھجور میں اٹک گئے ہوں۔ (جاری ہے)

Downloaded from https://paksociety.com

گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کو لگ فوٹامی ایک چینی بدمعاش کے ہاتھوں شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آسڑک بیل نامی ایک قسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثرورسوخ کی بنا پر فی کے بے اندازہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انیس ہنڈرڈ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بیعت چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد ازک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی اہم شخصیات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا کر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہم دن کی کوششوں سے اس کی برباد یوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوڈ سمارٹ زاور امریکی حکومت کے ماتحت ہونے والے خفیہ معاہدے کیپ کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظریں معتوب ٹھہرا۔ اپنے مشن کو کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں سے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اوبرائن ڈنک ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹ تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' طلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس سے خود کشی کروا دی۔ اس کی خود کشی پر فریم انٹر نیشنل کے غیر معمولی دلچسپی لینے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریم انٹر نیشنل کے دفتر میں مقید پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عمدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد خریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کائیاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا تھے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرالیا۔ مراد خریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا پھور کے علاقے میں مسیح ترتیبی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت جا چکا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو ہیرو تباہ دے غزال اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا مگر اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر بہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو سکا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی مارونی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض جیسں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار روا مریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری پند تک پہنچایا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود رائے پاکستانی ونگ کے سربراہ اعلیٰ ہوا اس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ نہ کچھ علم ہو گیا تھا' لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا نون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ ہم انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئے۔ وہاں بھی این جی او زکی سرگرمیاں اپنے عروج پر تھیں۔ ان ہی میں ایک این جی او "یوہن سوسائٹی" فلاہی کاموں کی آڑ میں ہیروئن سازی میں استعمال ہونے والے کیمیکل لا رہی تھی۔ ہم نے اس کے غیر قانونی اسکلیٹ اور ہیروئن بھیجا نے کے مذموم کاروبار میں ہوش تھی۔ اس کا کرتا دھرتا جنا فیکر کامران چوہدری عظمت تھا۔ آئی ای کے جلال اور ایس پی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد سے ہیومن سوسائٹی کا قلع قمع کر دیا گیا۔ ویرا بھی انڈیا جانے کے لیے لاہور پہنچ گئی تھی۔ ہم نے جلال کے آدمیوں کے ذریعے بھارتی سرحد عبور کی اور امرتسر میں ایک روز قیام کے بعد دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں' میں نے سب سے پہلے جلال کے آدمیوں سے رابطہ کیا۔ اس کے مشورے کے مطابق ویرا ہم سے الگ ہو کر دوسرے ہوٹل میں قیام پذیر ہو گئی۔ کراچی میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم جان اسمتھ بھی دہلی پہنچ چکا تھا۔ آئی بی کے پاکستانی ایجنٹ دہلی میں گرین کو برا فائل کی تلاش میں تھے۔ اسی اثنا میں را کی خوب روایجنٹ ریتا ایجت رائے مجھ سے ٹکرائی اور بے باک تعارفی میں مجھے بتایا کہ وہ مجھے اغل بسواس سے ملوا سکتی ہے۔ پاکستان سے اول خان نے مجھے آگاہ کیا کہ وہاں مظہر خان کے پاسپورٹ پر درج مندرجات کی تصدیق کی گئی تھی۔ ریتا سے میری ہر ملاقات ہنی ٹریپ کی شکار ہو گئی۔ اس کی ابتدا میں ہی را کے تبدخواہ سفاک ایجنٹ ناگر نے میری انگلیوں کے نشانات حاصل کیے اور پھر بعد میں ریتا نے مجھے بتایا کہ میری اور اس کی پہلی رنگین ملاقات ویڈیو فلم کے ہیئے پر محفوظ کی جا چکی تھی۔ اب مجھے ہر قیمت پر را کے لیے کام کرنا تھا۔ ویرا جان اسمتھ کے چکر میں تھی مگر میں نے اسے محتاط روی کا مشورہ دیا اور وہ فی الحال اپنی سرگرمیوں کو معطل کرنے پر رضامند ہو گئی۔ میں نے را کے دفتر میں اغل بسواس اور شرما دونوں سے ملاقات کی اور دیگر امور کے علاوہ انہوں نے مجھے میری تلاش کا پرانا کام سونپ دیا۔ شرما کے دفتر میں مجھے گرین کو برا فائل نظر آگئی۔ را کے دفتر سے میری تخریبت واپسی نے میرے ہوسلوں کو سمیزی اور میں نے اسی رات را کے دفتر میں نقب لگا کر تمام ضروری مواد نکال لینے کا فیصلہ کر لیا۔ کو پالی میرا ہم نوا تھا میں نے اس سے پہلے غزالہ کو جان اسمتھ کا کام تمام کرنے روانہ کر دیا۔ ہوٹل سمراٹ میں غزالہ نے ورا کرائی۔ اس کے مشورے کے مطابق غزالہ نے باآسانی جان اسمتھ کو شکار کر لیا اور دونوں وہاں سے روانہ ہو گئیں۔ اس کی واپسی کے بعد میں آئی ای کی ٹیم کے ساتھ را کے دفتر روانہ ہو گیا۔ وہاں معاملات ہماری توقع کے مطابق بڑی تیزی سے نمٹتے گئے۔ تاہم ایک موقع پر را کے ناگر نے اپنی ڈرامائی آمد کے سبب ہمارے منصوبے کو ناکام بنا دیا تھا مگر وہ خوشنا پند اور انا پرست جلد ہی میرے ہاتھ میں موجود انگوٹھی کا شکار ہو گیا۔ ہم وہاں سے مال تجسیت میں بہت سی فائلیں لے کر نکل آئے مگر اس سے پہلے میں نے اپنی ویڈیو فلم اور فنگر پرنٹس کو ضائع کر دیا تھا۔ ناگر کی پتنا شرما کے دفتر میں موجود کاغذوں سے تیار کی گئی اور ہمارا واپسی کا سفر شروع ہو گیا۔ وہاں ہماری پے در پے کامیابیوں قابل فخر تھیں مگر ہمارے دشمن کی خاموشی مجھے کسی بڑے طوفان کا پتا دے رہی تھی۔ میں غزالہ کے ہمراہ دہلی میں رک گیا اور فائلیں ویرا کے ذریعے پاکستان روانہ کر دیں۔ مجھے اپنی کارروائی کے بعد رائن یونین میں ہونے والے بھونچال کا اندازہ تھا۔ انہوں نے مجھ سے بھی کڑی پوچھ گچھ کی مگر میری حاضر دماغی کے باعث انہیں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ میری اور ریتا کی فلم ضائع ہو چکی تھی' جس کے بعد بلاشبہ ناگی تحفظ کو میرے پیچھے لگایا گیا مگر اس کی ناکامی کے بعد مجھے اور غزالہ ہوٹل سے دور رکھنے کے لیے نریش اور اتل بسواس نے اپنے دفتر میں ہم سے ملاقات کی اور اس عرصے میں ہمارے گروں میں خفیہ کیمرے لگا دیے گئے۔ ریتا کی مہربانی کے باعث را کا یہ وار بھی ناکام ہو گیا۔ نریش بری طرح جھنجلایا ہوا تھا مگر بے بس تھا۔ اس نے آخری کوشش کے طور پر ایک غنڈے کے ذریعے غزالہ کی بے حرمتی کی مگر غزالہ نے اپنی شاطی و مہارت سے اس غنڈے کو زمین چاٹنے پر مجبور کر دیا۔ نریش کے اس اقدام نے میری اس سے نفرت میں اضافہ کر دیا۔ اسی وقت اغل بسواس نے مجھے فون کر کے میری آزادی کا مژدہ سنایا اور میں نے آخری شکار کھیلنے کی تیاریاں مکمل کر لیں۔ اب میں صرف اغل بسواس کو نہیں بلکہ نریش شرما کو بھی نرک بھجوانے کا خواہش مند تھا۔ ہمارے ستارے یاور تھے اور دہلی میں ہمارے قیام کی آخری رات کو دونوں کا قصہ پاک کر دیا گیا۔ ہم دہلی سے امرتسر پہنچے اور میں نے بنگو سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تو مجھے بتایا گیا کہ وہ گزشتہ دو دنوں سے غائب تھا اور شبہ تھا کہ اسے پولیس نے پکڑ لیا ہو گا۔ میرے قدموں تلے زمین نکلنے لگی۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

دوسری طرف سے پولیس کے ہاتھوں بنگو کی گرفتاری کا امکان ظاہر ہوتے ہی میں سناٹے میں آگیا۔ چند ثانیوں کے لیے میرے سوچنے سمجھنے کی ہر صلاحیت معدوم ہو گئی۔ ذہن کی گہرائیوں میں بس ایک ہی خیال جم کر رہ گیا تھا

Downloaded from https://paksociety.com

کہ دہلی سے کسی نہ کسی طرح نکل آنے کے باوجود ہم دونوں امرتسر میں پھنس گئے تھے۔

میرے مخاطب نے فون بند نہیں کیا تھا۔ میں بھی سکتے کے عالم میں ریسیور اپنے کان سے لگائے کھڑا تھا۔ مجھے اچانک احساس ہوا کہ میری خاموشی سے اکتا کر وہ بیزار صفت شخص فون بند کرسکتا تھا۔ میں نے ذہنی جھٹکے سے سنبھالا لے کر فوراً ہی بولنا شروع کردیا۔ "بنگو کے بارے میں تم کو کچھ تو معلوم ہوگا؟"

میں روانی میں وہ سوال کر بیٹھا تھا مگر مجھے اندازہ تھا کہ اس کا کوئی معقول جواب نہیں مل سکے گا۔ گھپلے کے کام کرنے والے ہر قیمت پر رازداری برقرار رکھتے ہیں اور غیر ضروری طور پر کسی کو اعتماد میں نہیں لیتے۔ دہلی میں انٹیلی جنس بیورو کے تینوں ایجنٹ سرلا کے گیسٹ ہاؤس میں مقیم تھے' اس کا فون استعمال کرتے تھے اور دہلی پہنچنے کے بعد میں نے اپنا پہلا پیغام اسی کے ذریعے عابد علی تک پہنچایا تھا مگر پھر بھی سرلا آئی بی والوں کی اصلیت اور ان کے اصل کام سے بے خبر تھی۔ شاید بنگو بھی اس شخص کو درمیانی رابطے کے لیے استعمال کررہا تھا۔ یہ ضروری نہیں تھا کہ وہ بنگو کی ساری مصروفیات سے باخبر رہا ہو۔

"وہ سالا پکّا چار سو بیس ہے۔ اپنے باپ کو بھی کچھ بتانے والا نہیں ہے....."

"میرا یہ مطلب نہیں تھا۔" میں نے جلدی سے اس کی بات درمیان سے اچکتے ہوئے وضاحت کی "وہ تمہارے علاقے کا آدمی ہے۔ اسے پولیس نے پکڑا ہے تو وہ آس پاس کے کسی تھانے میں ہوگا۔ کیا تم پتا نہیں چلا سکتے کہ وہ کہاں بند ہے۔"

"وہ مجھے سکا سکا کر مہینے میں پانچ سو روپلّی دیتا ہے۔ اتنے پیسوں میں یہ کام نہیں ہوسکتا۔" اس کے لہجے میں بیزاری بدستور موجود تھی لیکن میں نے محسوس کیا کہ بنگو کے بارے میں اضطراب محسوس کرکے وہ پیسوں کے لالچ میں مبتلا ہوگیا تھا۔

"تم فکر نہ کرو۔ اس کا پتا چلا سکو تو میں تمہیں معقول انعام دوں گا۔" میں نے اسے دانہ ڈالا۔

"نہیں!" اس کی آواز میں بیزاری کے بجائے خوف عود کر آیا "بنگو بہت ظالم اور دست دراز آدمی ہے۔ وہ اپنے گاہکوں سے کسی قسم کا لین دین پسند نہیں کرتا۔"

"اسے ہوا بھی نہیں لگے گی کہ میں نے تم کو کچھ دیا ہے۔"

"یہ نہیں ہوسکتا' میں تم کو پہچانتا ہوں۔ تم نے مجھے دیکھا ہے۔ بنگو ہم دونوں کی پہچان کا آدمی ہے۔ اس کے بغیر کوئی بات نہیں بنے گی۔"

"تم اپنا پتا بتا دو۔ میں تھوڑی دیر میں وہاں آجاتا ہوں۔"

"کیا پتا کہ اس وقت تک وہ بھی آجائے۔ اس نے تم کو میرے پاس دیکھ لیا تو میری کھال کرا دے گا۔" وہ بنگو سے کچھ زیادہ ہی خوف زدہ تھا۔

"وہ کہاں سے آجائے گا؟ ابھی تو تم نے کہا ہے کہ اسے پولیس نے پکڑ لیا ہے۔" میں نے تنک کر کہا۔

"یہ میرا خیال تھا۔ ہوسکتا ہے کہ وہ کسی اور چکر میں لگا ہوا ہو۔ تم اپنا پیغام دے دو۔ وہ آئے گا تو میں بتا دوں گا۔"

"اور وہ آج بھی نہ آیا تو کیا ہوگا؟" میں نے اپنی جھنجھلاہٹ پر قابو پاتے ہوئے پوچھا۔

"رام جانے..... میں کیا کہہ سکتا ہوں۔" اس کی آواز میں بے بسی تھی۔

"رگھو بیر..... گرانڈ ہوٹل۔ اس کو یہ دو باتیں بتا دینا۔ میں بے چینی سے اس کا انتظار کررہا ہوں۔"

"تم فکر نہ کرو۔ میں اپنا کام پورا کرتا ہوں۔ اس کے آتے ہی تمہارا پیغام اسے مل جائے گا۔"

میں نے فون بند کیا اور کرسی پر بیٹھ کر سگریٹ سلگالی۔

ہم نے دہلی میں اپنا کام بہت مہارت اور صفائی سے انجام دیا تھا۔ ہماری کامیابی میں دہلی کے سماجی اور معاشرتی حالات کا گہرا دخل رہا تھا۔ دہلی کے شہری ماحول میں بہت سی تبدیلیاں آجانے کے باوجود' شہر کی پرانی آبادیوں میں تحفظ کا گہرا احساس جاگزیں تھا۔ ایسی آبادیوں میں رہنے والے امرا اور بڑے افسران بھی اپنے گھروں کے دروازوں پر مسلح نگہبانوں کی موجودگی ضروری نہیں سمجھتے تھے۔ میں نے غزالہ کے ساتھ ایک روز پہلے اس آبادی کا چکر لگا کر یہ اندازہ لگالیا تھا۔ انل بسواس کے گھر پر ایک دو مسلح محافظ ہوتے تو شاید ہمارا کام اتنا آسان ثابت نہ ہوتا۔ ان سے تصادم کی صورت میں ہماری ناکامی کا خطرہ بھی پیدا ہوسکتا تھا۔

نریش شرما' انل بسواس سے بہت نچلے درجے کا آدمی تھا اس لیے اس کا گھر زیادہ بڑا نہ تھا نہ وہاں کسی چوکیدار وغیرہ کی تعیناتی کی کوئی گنجائش یا ضرورت تھی۔ ہم نے ان دونوں گھروں میں پوری بے فکری سے اپنا کام کیا تھا۔ اپنا شکار کھیلتے ہوئے میں نے پوری احتیاط رکھی تھی کہ دونوں متقولین کے اہل خانہ میں سے کسی کو زبردستی یا زیادتی کا نشانہ نہ بنایا جائے۔ میں نے عابد کے ساتھ مل کر صرف اتنا اہتمام کیا تھا کہ انہیں بے ہوش کردیا تھا۔ انل بسواس کے گھر میں وہ

Downloaded from https://paksociety.com

کارروائی بھی پوری طرح نہیں کی گئی تھی کیونکہ اس کے ملازم گھر سے الگ تھلگ بنے ہوئے کمرے میں سوئے ہوئے تھے۔

ان سب کی بے ہوشی صبح کے اجالے کے ساتھ ختم ہوجانی تھی۔ میرا اندازہ تھا کہ سب سے پہلے انل بسواس کے ملازم نیند سے بیدار ہوئے ہوں گے اور گھر میں آنے پر ان کو علم ہوا ہوگا کہ ان کا آقا ان کا ساتھ چھوڑ کر نرک کی دہکتی ہوئی آگ اور سسکارتی ہوئی دلدلوں میں اتر چکا ہے۔

ان دونوں کی موت کی خبر جب تک شہر میں پھیلتی' ہماری پرواز دہلی سے دور نکل گئی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ دہرے قتل کی وہ وارداتیں را کے ساتھ دہلی کی انتظامیہ کو ہلا کر رکھ دیں گی اور تمام تر وسائل دستیاب ہونے کے باوجود وہ فوری طور پر یہ اندازہ نہیں لگاسکیں گے کہ انل اور نریش کی بدقسمتی کے کیا محرکات تھے۔

ان لوگوں کی وہ بے یقینی زیادہ دیر تک قائم رہنے والی نہیں تھی۔ جوں ہی بعض نکات واضح ہوتے' وہ اپنی ساری توجہ میری تلاش پر مرکوز کردیتے۔

دہلی میں چند روز کے دوران میں بہت سے ہولناک واقعات رونما ہوئے تھے جن میں کچھ یکسانیت تھی۔ وجوہ کچھ بھی رہی ہوں مگر یہ بات یقینی تھی کہ را والے اپنی ساری مغز زنی کے باوجود اسی یکسانیت کا سراغ لگانے میں ناکام رہے تھے۔

ویرا کے ہاتھوں انسپکٹر ڈیوڈ کی موت زہریلے نگینے والی انگوٹھی کے استعمال کے نتیجے میں ہوئی تھی پھر ناگر کو ٹھکانے لگانے کے لیے میں نے اسی قسم کی دوسری انگوٹھی استعمال کی۔ یہ اور بات تھی کہ ناگر کی مجروح لاش آخر کار بھیانک شعلوں میں جھلس گئی اور شاید اس کے پوسٹ مارٹم کی رپورٹ بھی اس کی موت کے صحیح سبب کا تعین نہیں کرسکی۔ اسی رات غزالہ نے سی آئی اے کے زونل چیف پر تیسری انگوٹھی آزمائی۔ سمراٹ ہوٹل کے بند کمرے میں پائی جانے والی جان اسمتھ کی لاش کے بارے میں صحیح کہانی اخبارات میں آچکی تھی کہ وہ جلد کے ذریعے بدن میں اترنے والے زہر کے اثرات سے مرا تھا۔

را والوں کے لیے یہ بات سنسنی خیز اور خاصی بھیانک ہوتی کہ انل بسواس کو بالکل اسی طریقے سے مارا گیا تھا جس سے جان اسمتھ اور ڈیوڈ کو ہلاک کیا گیا تھا۔ محض وہ ایک نکتہ ان تمام واقعات کی کڑیوں کو یک جا کرنے کے لیے کافی تھا۔ بس ایک نریش ایسا تھا جو بیم گن کا نشانہ بنا تھا ورنہ ان دونوں گھروں میں بے ہوش کیے جانے والوں پر بھی ہولناک انگوٹھیوں کے کھوکھلے نگینوں میں چھپے ہوئے غیر مسلک زہر استعمال کیے گئے تھے۔

بیم گن کے بارے میں یہ بات تمام عالمی ایجنسیوں کے علم میں آچکی تھی کہ شمالی کے بڑوں کا وہ ہتھیار میرے اور ویرا کے قبضے میں تھا۔ محض بیم گن کے استعمال کی بنا پر را اور سی آئی اے والے کئی بار میری اور ویرا کی جارحانہ کوششوں کے بارے میں صحیح اندازے لگا چکے تھے۔

اس بار نریش کی لاش دہلی میں ڈینی کی موجودگی کا کھلا اعلان ثابت ہوتی اور میری تلاش میں ہر طرف تھلبلی مچ جاتی۔ ان کے لیے یہ انکشاف حیرت ناک ہوتا کہ بھارت کی سرزمین پر میں صرف بیم گن سے نہیں بلکہ ہلاک کردینے اور طویل بے ہوشی طاری کردینے والے زہروں سے بھی لیس تھا۔

اس وقت ان لوگوں کے سامنے کوئی واضح سراغ نہیں تھا۔ میں ان کی نظروں میں کبھی زیادہ مشتبہ نہیں رہا تھا لیکن اپنے دو اہم افسروں کو خاموشی سے گنوا دینے کے بعد را کے ذمے دار یہ سوچ سکتے تھے کہ ان کا وہ مقام اور وہ شخصیات بدترین انجام سے دوچار ہوئیں جن سے مظہر خان نامی پاکستانی کا رابطہ تھا۔

مجھے رینا اجیت رائے اور ناگر کے ذریعے را کے پاکستانی ونگ میں بلایا گیا اور قلیل سی مدت میں اس عمارت کا اہم ترین حصہ پراسرار آتش زدگی کا شکار ہوگیا۔ اس آگ میں را والوں نے اہم ریکارڈ کے ساتھ ناگر جیسا کامیاب ایجنٹ بھی کھو دیا۔ انل اور نریش' مظہر خان کے معاملے پیش پیش تھے اور وہ دونوں بھی مارے گئے۔

ان واضح امکانات پر توجہ مبذول ہوتے ہی را والے مظہر خان کی تلاش میں انٹرکانٹی نینٹل ہوٹل کی طرف دوڑ پڑتے جہاں سے میں پچھلی شام نکل چکا تھا۔ ہمارا وہ خاموش ترین فرار ہمارے دشمنوں کے شبہات کو مزید تقویت پہنچاتا۔ ڈینی اور مظہر خان کے دہرے ناموں کا راز فاش ہوجاتا اور ہر طرف ڈینی کی تلاش کا ایک کہرام برپا ہوجاتا۔

میری منصوبہ بندی میں راز داری کو ابتدا سے اولین اہمیت حاصل رہی تھی۔ ہوٹل والوں کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ میں وہاں سے نکل کر کس طرف گیا تھا۔ دہلی میں اپنے قیام کے دوران میں بار بار اس بات کا اظہار کرتا رہا تھا کہ غزالہ تاج محل دیکھنے کے لیے آگرہ جانا چاہتی ہے۔ اگر وہ بات نریش کے ذریعے اس کے دفتری ساتھیوں کے علم میں بھی آچکی تھی تو مجھے ہوٹل اور دہلی سے غائب پاکر وہ براہِ راست آگرہ کا رخ کرتے۔

Downloaded from https://paksociety.com

عابد علی نے ہم دونوں کے لیے دہلی سے امرتسر کے فضائی سفر کے لیے ٹکٹ بنوانے میں انتہائی ہوش مندی سے کام لیا تھا۔ وہ ٹکٹ مظہر خان اور غزالہ کے بجائے دو مقامی اور فرضی ناموں پر بنوائے گئے تھے۔ دہلی سے روانہ ہونے والی پروازوں کے ریکارڈ سے کوئی سراغ نہ ملنے کے باوجود را کے ہیجان زدہ افسران سرحد پر بھی اپنی توجہ مرکوز کردیتے۔ میرا اندازہ تھا کہ وہ ساری کارروائیاں بہت تیزی سے عمل میں آتا تھیں۔

ہمارے لہو کے پیاسے ہمارے بچ نکلنے کی ہر راہ مسدود کرنے کی کوشش کرتے۔ ہمارے لیے بس اتنا ہی کافی تھا کہ ہم ان کے ہوش میں آنے سے پہلے کھلے بندوں فضائی سفر کرکے دہلی سے سیکڑوں میل دور آچکے تھے۔

دشمن کو سوچنے، سمجھنے اور اپنی صف بندی کرنے کی کچھ نہ کچھ مہلت مل چکی تھی۔ اس امر کے سارے واضح امکانات موجود تھے کہ ڈینی اور کسی بھیانک قاتل کی تلاش میں کوئی سرا ہاتھ میں نہ ہونے کے باوجود انہوں نے مظہر خان کا نام سرِ فہرست رکھ لیا ہو۔ را تیسرے درجے کی کوئی گئی گزری تنظیم نہیں تھی۔ وہ لوگ پیشہ ور اور اپنے کاموں میں ماہر تھے۔ یہ اور بات تھی کہ میرے مقابلے میں ان کے ستاروں نے ان کی یاوری نہیں کی تھی اور کچھ سمجھنے سے پہلے ہی، چند روز کی قلیل سی مدت میں وہ میرے ہاتھوں مار پر مار کھاتے چلے گئے تھے۔ یہ بات ان میں سے کسی کے گمان میں بھی نہیں آسکی تھی کہ مظہر خان جیسا دل پھینک اور ڈرپوک پاکستانی ایک خونخوار بھیڑیا بن کر ان کے اہم آدمیوں کو جہنم واصل کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

وہ جب تک غافل تھے، میری زنجیر لمبی تھی لیکن ایک بار میری طرف سے شکوک و شبہات میں مبتلا ہونے کے بعد وہ بہت تیزی کے ساتھ، میرے بچ نکلنے کی ہر راہ مسدود کرنے کی طاقت رکھتے تھے۔ ان کا پہلا قدم یہ ہوتا کہ وہ بھارت کی سرحدوں سے نکلنے والے ہر زمینی اور فضائی راستے پر مامور عملے کو مظہر خان اور غزالہ کے کوائف سے آگاہ کردیتے تاکہ ہم ان کی آنکھوں میں مزید دھول جھونک کر بھارت سے فرار نہ ہوسکیں۔

وہ نتائج اخذ کرنے کے لیے کسی غیر معمولی بصیرت کی ضرورت نہیں تھی۔ وہ دو اور دو چار جیسی سیدھی باتیں تھیں جو سامنے نظر آرہی تھیں۔ ایسے وقت میں جب را اور بھارت کی دوسری تمام ایجنسیوں کی نگاہیں سرحدوں کی کڑی نگرانی پر مرکوز ہوچکی ہوں، ہم اپنی سفری دستاویزات کے سہارے قانونی طریقے سے سرحد پار کرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے تھے۔ ہمارے لیے وہ سراسر موت اور تباہی کا راستہ ہوتا۔

میرے ذہن میں وہ خدشات پہلے سے موجود تھے جو ہمارے امرتسر پہنچنے کے بعد مستحکم ہوچکے تھے۔ اسی بنا پر میں نے بھارت کی سرزمین سے نکل کر پاکستان پہنچنے کے مشن میں بنگو سے مدد لینے کا فیصلہ کیا تھا لیکن یہ ہماری بدقسمتی تھی کہ بنگو دو روز سے اپنے ٹھکانے سے غائب تھا۔

اس نئی صورتِ حال نے مجھے ذہنی طور پر بُری طرح الجھا کر رکھ دیا تھا۔ مجھے اس کے سوا کوئی راہ نظر نہیں آرہی تھی کہ ہم امرتسر کے گرانڈ ہوٹل میں تن بہ تقدیر ہوکر پڑے رہیں اور بنگو کی واپسی کے لیے دعائیں کرتے رہیں۔

میں اسی گہری فکر میں غلطاں تھا کہ غزالہ تازہ دم ہونے کے بعد اپنے کمرے میں لوٹ آئی۔

وہ نئی افتاد سے بے خبر تھی اس لیے اس کے بشرے سے مسرت اور تازگی جھلک رہی تھی۔ اس نے میرے کمرے میں آتے ہی کہا "خدا کا شکر ہے کہ ہم نے اپنے سب کام پورے کرلیے لیکن اب مجھے یہاں رکنے کے تصور سے وحشت ہورہی ہے۔ اگر بنگو راضی ہوجاتا ہے تو ہمیں اسی وقت اگلے سفر پر نکل جانا چاہیے۔"

میں نے اداس اور ہمدردانہ نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور جواب میں سہلاتے ہوئے بولا "بنگو غائب ہے۔ میں نے تمہارے جاتے ہی اس سے رابطہ کرنے کی کوشش کی تھی مگر وہ دو دنوں سے کہیں نکلا ہوا ہے۔ اس کے آدمی کو خدشہ ہے کہ کہیں اسے پولیس نے نہ دھرلیا ہو۔"

میری زبان سے وہ بری خبر سنتے ہی غزالہ کا چہرہ دھواں ہوگیا "یہ کیا بری خبر سنا رہے ہیں آپ!" اس کی آواز سے بے یقینی مترشح تھی۔

"ضروری نہیں کہ خوش نصیبی ہر قدم پر ہمارا ساتھ دیتی رہے۔ سب کچھ جتنی آسانی سے ہوتا چلا آرہا تھا اس سے

حیرانی

مفتوحہ علاقے کی ایک لڑکی اپنی سہیلی کو بتا رہی تھی "کل دشمن کا ایک فوجی میرے گھر میں گھسا..... اس نے تلوار ڈھال اور زرہ بکتر اتار کر خاموشی سے ایک طرف رکھی..... میری عزت لوٹی... پھر اسی طرح ایک لفظ کہے بغیر رخصت ہوگیا۔ خدا ہی بہتر جانے وہ چاہتا کیا تھا؟"

Downloaded from https://paksociety.com

میری چھٹی حس جاگ اٹھی تھی۔ میرے ذہن کے کسی گوشے میں کسی ناگہانی رکاوٹ کا خدشہ پچھلی رات سے چکرا رہا تھا۔"

"مگر یہ کوئی رکاوٹ نہیں ہے۔ ہمارے لیے اب تک سرحدیں بند ہو چکی ہوں گی اور جگہ جگہ چوبی دان لگا دیے گئے ہوں گے۔ ہمیں ہر قیمت پر چوری چھپے یہاں سے نکلنا ہوگا۔ یہ کام جلد از جلد ہونا ضروری ہے ورنہ امرتسر ہمارے لیے مقبرہ بن جائے گا۔" وہ بہت زیادہ ہراساں نظر آنے لگی تھی۔

"پاکستان اور بھارت کی سرحد کے دونوں طرف کڑا پہرا رہتا ہے۔ بنگو جیسے کسی جانے پہچانے شخص کی رہنمائی کے بغیر ہم ادھر کا رخ بھی نہیں کر سکتے۔" میں نے کہا۔

"تو آپ یہاں رک کر اس کی واپسی کا انتظار کریں گے؟" اس نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ تمہیں کوئی متبادل راہ سوجھ رہی ہے تو وہ بتا دو۔" میں نے بے بسی سے کہا۔

"میرا بھی دماغ کام نہیں کر رہا لیکن میرا دل کہہ رہا ہے کہ ہوٹل ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوگا۔ وہ سرحدیں بند کرنے پر اکتفا نہیں کریں گے۔ ہمارے بارے میں سرحدی حکام کو بریف کرنے کے ساتھ ہی شہروں میں چھاپے مارنے شروع کر دیں گے۔ ہم یہاں ہر لمحہ سولی پر لٹکے ہوئے ہیں۔"

غزالہ نے درست بات کہی تھی۔ اس نے صحیح خطرے کی نشان دہی نہیں کی مگر صحیح سمت کی نشان دہی ضرور کی تھی۔ ہم نے دہلی سے امرتسر تک کا سفر فرضی ناموں سے کر کے بہت ہوشیاری کا مظاہرہ کیا تھا مگر گرانڈ ہوٹل میں کمروں کے حصول کے لیے جو کوائف درکار تھے' ان کا مہیا کرنا دشوار تھا۔ میں نے فرضی ناموں کی الجھن میں پڑے بغیر دونوں پاسپورٹوں کی مدد سے کمرے بک کرا لیے تھے۔

غزالہ کی زبان سے آخری فقرہ ادا ہوتے ہی مجھے اپنی گردن سولی کے حلقے میں جاتی ہوئی نظر آنے لگی۔ یہ نچلی سطح سے اوپر تک کا اصول ہے کہ تفتیش کے دوران کسی مجرم کا سراغ نہ مل رہا ہو تو ہر کمزور اور مشتبہ شخص کو گھیرے میں لے کر پکڑ لو۔ اسی اصول کے تحت میرے خلاف را کی کارروائی کا آغاز ہو چکا تھا۔ ان کے لیے میں سب سے بڑا مشتبہ ملزم ہو سکتا تھا جسے پکڑنے کے لیے سارے وسائل کو بروئے کار لانا ضروری تھا۔

مجھے یقین ہو رہا تھا کہ انہوں نے مظہر خان اور غزالہ کے بارے میں صرف سرحدی اہلکاروں کو ہدایات دینے پر اکتفا نہیں کیا ہوگا۔ وہ ہمارے خلاف اخباروں میں خبریں اور اشتہار چھپوا سکتے تھے۔ ان خبروں اور اشتہاروں کی اشاعت میں تاخیر ہونے کا امکان تھا اس لیے غالب خطرہ یہ تھا کہ ہمارے بارے میں بھارتی شہریوں کا نیٹ ورک استعمال کرنے کے لیے وہ ریڈیو اور ٹیلی وژن پر اعلان کرا دیں گے۔

وہ دونوں بہت موثر اور طاقت ور ذرائع تھے۔ ذرا سی دیر میں پورے بھارت میں ہمارے خلاف ایک محاذ کھڑا کیا جا سکتا تھا۔ ریڈیو اور ٹی وی کی رسائی ہر گھر' دفتر اور ہوٹل تک تھی۔ وہ اعلان سننے کے بعد گرانڈ ہوٹل کا بکنگ کلرک خاموشی سے پولیس کو مطلع کر دیتا کہ مطلوبہ مجرم اس کے ہوٹل میں مقیم تھے۔

اس مخبری کے بعد ہمارا انجام کیا ہوتا۔ اس کا تصور ہی لرزہ خیز تھا۔

"بنگو کا انتظار کرنے سے بہتر ہوگا کہ ہم اپنے طور پر کوئی کام کا آدمی تلاش کرنے کی کوشش کریں۔" غزالہ نے کچھ دیر کے سکوت کے بعد کہا۔ وہ میرے ذہن میں اٹھنے والی آندھی کی نئی لہر سے بالکل بے خبر تھی۔

وہ ہمارے پورے حالات پر غور کیے بغیر مشورہ دے رہی تھی۔ یہ ٹھیک تھا کہ دنیا کے بیشتر سرحدی شہروں میں ایسے پیشہ ور اسمگلر موجود ہوتے ہیں جو بھاری معاوضہ لے کر انسانوں اور سازو سامان کو خفیہ راستوں سے سرحد پار پہنچا دیتے ہیں۔ عام آدمی تو انہیں تلاش کرنے کا خطرہ مول لے سکتا تھا مگر ہم پہلے ہی مخدوش حالات میں گھرے ہوئے تھے۔ امرتسر جیسے اجنبی شہر میں اپنی بے خبری کی بنا پر کسی غلط آدمی سے ٹکرا جاتے تو آن واحد میں ہمارا کام تمام ہو سکتا تھا۔

بنگو کی پراسرار گمشدگی نے ہمیں اچانک ایک بند گلی میں دھکیل دیا تھا جہاں سے نکاس کی کوئی راہ نہیں تھی۔

میں نے خاموشی سے غزالہ کی بات سنی اور اپنی جگہ چھوڑ دی "کمرے سے اپنا سامان اٹھاؤ اور یہاں سے بھاگ نکلنے کی تیاری کرو۔"

میری سرگوشیانہ آواز سن کر وہ سراسیمہ ہو گئی "کیوں....؟ بیٹھے بیٹھے آپ کو اچانک کیا ہو گیا؟"

"ہوٹل میں ہم نے اپنے پاسپورٹ دکھا کر کمرے لیے ہیں۔ کسی بھی وقت دور درشن سے اعلان ہوگا کہ مظہر خان اور غزالہ نامی ایک پاکستانی جوڑا دہلی میں اہم افسروں کو قتل کر کے بھاگا ہے۔ بھارتی شہری ان کی طرف سے ہوشیار رہیں اور جہاں بھی انہیں دیکھیں' پولیس کو مطلع کر دیں۔ صحیح خبر دینے والے کو اتنا انعام دیا جائے گا۔ ذرا تصور کرو کہ ہم

Downloaded from https://paksociety.com

یہاں بے خبر بیٹھے ہیں۔ یہ اعلان نشر ہوا تو ہم کہاں ہوں گے؟" میں نے چیخی آواز میں اسے بتایا۔

غزالہ نے گھبرا کر اپنی جگہ چھوڑ دی "ہمیں یہ بات پہلے سوچ لینی چاہیے تھی۔ ہم سے بڑی سنگین غلطی ہوئی ہے۔"

"شدید دباؤ میں بہت سی اہم باتیں توجہ سے محروم رہ جاتی ہیں۔" میں نے متاسفانہ انداز میں اپنا سر ہلاتے ہوئے جواب دیا "اس وقت یہ معلوم نہیں تھا کہ بنگو اچانک غائب ہو جائے گا۔ میں اسے ایک فضول اور کاہل شخص سمجھ رہا تھا جو صرف آئی بی کے لیے کام کرتا ہے۔ میرے ذہن میں اس خطرے نے بھی سر نہیں ابھارا تھا کہ انل اور نریش کی موت کا راز کھلتے ہی را والے میرے اور تمہارے فرضی ناموں پر اپنی ساری توجہ مرکوز کر دیں گے۔"

"مجھے اب بھی شبہ ہے کہ وہ اتنی سرعت سے ہمیں اتنی زیادہ اہمیت دیں گے۔ جن دونوں سے آپ کا براہِ راست رابطہ تھا وہ اب اس دنیا میں نہیں ہیں۔ دوسروں کے لیے فیصلے کرنا اتنا آسان نہیں ہوگا۔ ہمارے ناموں کی باری ضرور آئے گی مگر میرا خیال ہے کہ اس میں وقت لگے گا۔"

"پھر ہمیں گھبرا کر ہوٹل سے بھاگنے کی ضرورت نہیں۔" میں نے پورے خلوص سے اس کی رائے سے اتفاق کرتے ہوئے کہا "اگر بنگو لوٹ آیا تو ہمارے لیے پریشان ہوتا پھرے گا۔ میں نے اس کے آدمی کو یہیں کا پتا دیا ہے۔"

"نہیں!" وہ بوکھلا کر بولی "میرا یہ مطلب نہیں تھا۔ بس ہمیں امید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ آپ کے ذہن میں ایک اندیشہ جنم لے چکا ہے تو اب ہم یہاں ٹھہرنے کا خطرہ مول نہیں لے سکتے۔ فیصلے کی ذرا سی لغزش ہماری موت کا سبب بن جائے گی۔"

وہ میری زندگی کا بہت سنگین اور نازک موڑ تھا۔ میں نے ہمیشہ خطرات کا ڈٹ کر مقابلہ کیا تھا اور کبھی حالات کے سامنے سپر نہیں ڈالی تھی لیکن اس وقت مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میری خود اعتمادی ریزہ ریزہ ہو گئی ہو اور میں یکایک بہت کمزور ہو گیا ہوں۔

غزالہ نے بڑے فیصلے میں وقت لگنے کی امید دلائی تو میں ہوٹل سے فرار کا ارادہ ملتوی کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اس نے کوئی خطرہ مول نہ لینے کا ارادہ ظاہر کر کے مجھے دوبارہ تذبذب میں ڈال دیا تھا۔ میں نے اندر کی ٹوٹ پھوٹ پر قابو پانے کی کوشش کرتے ہوئے دونوں امکانات کا موازنہ کرنا شروع کر دیا۔

میری کمان سے ایک تیر نکل چکا تھا جسے واپس لانا

سدا بہار فلمی گیتوں کا نوٹیشن

سُر سنگ گیت

موسیقی کے دیوانوں کے لئے ایک منفرد تحفہ!
اس کتاب میں دیئے گئے گیتوں کا نوٹیشن ایسا ہے جس پر عمل کر کے گلوکاروں کی گائیکی کے مخصوص انداز بھی اپنائے جا سکتے ہیں۔ "سرنوٹیشن" میں نئی علامات اختراع کر کے گلوکاروں کے ہر انداز کو اجاگر کرنے کی پوری پوری کوشش کی گئی ہے۔ اپنی طرز کی ایسی کتاب پہلے کبھی شائع نہیں ہوئی۔

صفحات 208 | ڈاک خرچ 25 روپے | قیمت 200/-

کتاب کی قیمت۔ بمعہ ڈاک خرچ
بذریعہ منی آرڈر پیشگی روانہ کریں

کتابیات پبلی کیشنز
پوسٹ بکس 23 رضوان چیمبرز طوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com

Downloaded from https://paksociety.com

میرے بس سے باہر تھا۔ گرانڈ ہوٹل کے رجسٹر پر یہ حقیقت ریکارڈ ہو چکی تھی کہ مظہر خان اور غزالہ اس ہوٹل میں پہنچ چکے ہیں۔ اس رجسٹر کے نذر آتش ہونے کے بعد بھی یہ بات ہوٹل کے کلرک کے دماغ میں جمی رہتی کہ پاکستانی پاسپورٹ رکھنے والا ایک مسلمان جوڑا اس کے ہوٹل میں ٹھہرا تھا۔ شاید اسے نام بھی یاد رہ جاتے کیونکہ اس سے میری کچھ ذاتی گفتگو بھی ہوئی تھی جو آگرہ سے دہلی تک بس کے سفر کے دوران ہمارے اسباب کی فرضی گمشدگی سے متعلق تھی۔

ہم ہوٹل میں رکے رہتے تو ایک بھیانک خطرہ ہر لمحے میرے اعصاب پر سوار رہتا۔ ہماری لاعلمی میں ٹی وی وغیرہ پر ہمارے خلاف کوئی اعلان نشر ہوتا اور مقامی پولیس ہوٹل کے عملے سے اطلاع ملتے ہی وہاں دھاوا بول کر ہمیں رنگے ہاتھوں دھر لیتی کیونکہ بیم گن اور سی ایس ڈی جیسی دو نایاب چیزیں میری تحویل میں تھیں جن سے میں دستبردار ہو سکتا تھا اور نہ ان کی موجودگی کے بارے میں بھارتی پولیس کو کوئی قابل قبول کہانی سنا سکتا تھا۔

ہم پاکستانی تھے۔ بھارتی پولیس کے مغلوب کیے ہوئے مجرموں کی حیثیت میں ہمارے ساتھ جو بھی بدسلوکی ہوتی وہ ناقابل برداشت ہوتی۔ میں تصور کر سکتا تھا کہ میرے مقابلے میں غزالہ کی جو تذلیل ہوتی اسے سہنا میرے یا اس کے لیے ہرگز ممکن نہ ہوتا۔ شاید وہ اس سے پہلے خود اپنی زندگی کا خاتمہ کر لیتی۔

دوسری راہ ہوٹل سے فرار کی تھی۔ میں ہوٹل کا رجسٹر چرا سکتا تھا نہ کلرک کے دماغ سے اپنا نام کھرچ سکتا تھا۔ اعلان کے نتیجے میں مخبری ہوتی تو امرتسر کی پولیس ہماری واپسی کی گھات میں ہوٹل کا محاصرہ کر کے بیٹھ جاتی اور دن بھر بیٹھی رہتی۔ جب ہم رات گئے تک واپس نہ لوٹتے تو ان کے کان کھڑے ہوتے اور شہر میں ہماری تلاش کی مہم شروع ہو جاتی۔ جس کی کامیابی اور ناکامی کے امکانات مساوی تھے۔

ہوٹل سے فوری فرار کے نتیجے میں ہمیں دس بارہ گھنٹوں کی مہلت مل سکتی تھی جو مقامی پولیس ہمارے انتظار میں گزار چکی ہوتی۔ اس کے بعد یہ بات پورے بھارت میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل جاتی کہ دہلی کی خوں ریزیوں میں مطلوب جوڑا امرتسر میں کہیں روپوش ہے۔ اس کے بعد وہ متوسط درجے کا سرحدی شہر ساری توجہات کا مرکز بن جاتا۔ اگر ہم بدقسمتی سے اس شہر میں پھنسے رہ جاتے تو پھر ہمارا نکلنا محال ہو جاتا۔

فرار میں ایک نقصان یہ ہوتا کہ بنگو سے رابطے کی امید کمزور پڑ جاتی۔ میں نے کمرے میں چہل قدمی کرتے ہوئے' چند سگریٹیں پھونکنے کے بعد یہ سوچا کہ ہوٹل چھوڑنے کے بعد میں کہیں سے دوبارہ فون کر کے بنگو کے بیزار صفت ساتھی کو صرف اتنا بتا دوں کہ میں ہوٹل چھوڑ کر خریداری کے لیے بازار میں نکلا ہوا تھا۔ بنگو لوٹ آئے تو اسے روک لیا جائے۔ میں تھوڑے تھوڑے وقفے سے وہ رابطہ برقرار رکھ سکتا تھا۔

میں جتنا غور کرتا گیا' خطرات کے مہیب سائے اسی قدر گمبھیر ہوتے چلے گئے۔ ہوٹل میں رکنا ہر صورت میں مضر تھا۔ وہاں سے نکل جانے میں بھی کئی خطرے مضمر تھے لیکن پھر بھی وہ ہمارے لیے عافیت کی ایک بہتر راہ تھی۔

ہم دونوں نے اپنے مختصر اثاثے سمیٹے' غزالہ نے اپنے کمرے کا چکر لگایا اور پھر ہم دونوں دوسری منزل سے نیچے چل دیے۔ کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے سردار جی نے شناسائی کے انداز میں دور ہی سے مسکرا کر ہمارا استقبال کیا مگر میں اس مردود سے غافل نہیں تھا۔ اس کی غلیظ نگاہیں غزالہ پر زیادہ مرکوز تھیں۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میرا نام بھولے تو بھول جائے' غزالہ جیسی پرکشش خاتون کا نام مہینوں نہیں بھول سکتا تھا۔

میں نے دونوں کمروں کی چابیاں اس کے سامنے ڈالیں اور پھر ہم دونوں اپنے مختصر دستی سامان کے ساتھ باہر نکل گئے۔

"خیر سے تم دونوں کی واپسی کب تک ہوگی؟" پیچھے سے اس کی آواز آئی۔

"بازار سے دیر سے آئیں گے۔" میں نے پلٹ کر جواب دیا اور آگے بڑھ گیا۔

امرتسر بڑے شہروں کی طرح دیر سے بیدار ہونے والوں کا شہر نہیں تھا مگر پھر بھی وہ وقت وہاں کے بازاروں کے لیے نامناسب تھا۔ کچھ دکانیں کھلی ہوئی تھیں مگر بیشتر بازار بند تھا۔

میں نے گرانڈ ہوٹل چھوڑ دیا تھا جہاں ہم دونوں کے مختصر قیام کا ریکارڈ موجود تھا۔ میں اس ہوٹل اور اس سڑک سے جلد از جلد دور نکل جانا چاہتا تھا تاکہ ہمارا کوئی سراغ حاصل کرنے کا امکان باقی نہ رہے لیکن راستے میں ایک فون بوتھ پر نظر پڑتے ہی میرے قدم رک گئے۔

قریبی دکان سے فون کارڈ خرید کر میں نے بوتھ سے بنگو کا نمبر ملایا۔ دوسری طرف سے وہی پرانی آواز سنائی دی۔

"میں رگھویر بول رہا ہوں۔ بنگو آیا؟" میں نے اس کی آواز پہچان کر براہ راست سوال کیا۔

"نہیں۔ ابھی تک وہ آیا نہ اس کی کوئی خبر آئی۔ تم فکر نہ کرو۔ تمہارا پیغام مجھے یاد ہے۔"

"میں اس کے انتظار میں بندھ کر نہیں بیٹھ سکتا۔ اب

Downloaded from https://paksociety.com

بازار جارہا ہوں۔"

"پھر میں اس سے کیا کہوں؟" میرے جواب پر وہ شاید الجھ گیا۔

"بس اسے روک لینا۔ میں ایک گھنٹے بعد پھر فون کروں گا۔" میں نے نرمی سے جواب دیا۔

"اگیا تو ضرور روک لوں گا۔ ہمیشہ وہ کام کے انتظار میں رہتا ہے۔ آج پہلی بار ایسا ہوا ہے کہ کام آیا ہے تو وہ غائب ہے۔"

"ہاں! یہ تو ہے۔" میں نے مختصر سا جواب دے کر فون بند کردیا۔

اس بار میں نے محسوس کیا کہ وہ بلاوجہ بات بڑھانے کی کوشش کررہا تھا۔ شاید کسی موٹی رقم کا لالچ ایک مرتبہ پھر اس کی نیت پر غالب آرہا تھا مگر میں نے پچھلی گفتگو میں یہ اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بہت ڈرپوک اور کم از کم میرے لیے ناقابلِ اعتبار آدمی تھا۔ وہ بنگو سے اس قدر ڈرتا تھا کہ اس کی ذرا سی ڈانٹ ڈپٹ پر میری اور اپنی گفتگو اس کے سامنے دہرا دیتا اور بنگو میری طرف سے بدظن ہو کر شاید میرا ساتھ دینے سے بھی انکار کردیتا۔

میرے لیے بنگو کی سب سے بڑی افادیت یہ تھی کہ وہ بھارتی سرزمین پر شاید پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کا واحد غیر مسلم ایجنٹ تھا۔ بظاہر وہ آئی بی کا تنخواہ دار نہیں تھا۔ اسے ہر کام کا ایک لگا بندھا معاوضہ دیا جاتا تھا۔ اس نے پوری حفاظت اور ذمے داری کے ساتھ ہمیں لاہور کے مضافات سے اپنی تحویل میں لینے کے بعد امرتسر پہنچایا تھا۔ اس کے پاس آئی بی والوں کا دیا ہوا ایک طاقت ور ٹرانسمیٹر موجود تھا جس پر وہ ضرورت کے وقت جلال یا اس کے کسی آدمی سے بات کرسکتا تھا۔ اس سے رابطہ ہونے کے بعد مجھے یہ تسلی ہوجاتی کہ جلال کو فوری طور پر یہ معلوم ہوجاتا کہ دہلی میں کہرام برپا ہونے سے پہلے ہم دونوں بحفاظت امرتسر پہنچنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

امرتسر اور لاہور کے درمیانی راستوں کے بارے میں اس کی واقفیت مستند تھی۔ وہ ایسے کسی خفیہ راستے سے ہمیں نکال لے جانے کے بارے میں بہترین مشورہ دے سکتا تھا۔ سفر کے وقت کے تعین کے لیے اس کی صوابدید پر آنکھیں بند کرکے بھروسا کیا جاسکتا تھا۔

ہم دونوں کافی دیر تک امرتسر کی سڑکوں اور رفٹ پاتھوں

حسین سے حسین تر بننے کیلئے

گلیسی فیشل کریم

چہرے کے فاضل بالوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کرتی ہے

برسہابرس کے تجربے اور تحقیق کے بعد ۲۰ قیمتی جڑی بوٹیوں کے اجزاء اور عرقیات سے تیار کردہ بے نظیر دھبوں، مہاسوں کو بھی صاف کر کے چہرے کی رنگت نکھارتی ہے۔

اسٹاکسٹ:

- خواجہ اسٹور ایجنسیز مارکیٹ صدر کراچی
- صدر میڈیکل اسٹور ایجنسیز مارکیٹ صدر کراچی
- مسلم جنرل اسٹور لیاقت مارکیٹ میر کراچی
- ابراہیم سن لیاقت مارکیٹ لیمر کراچی
- قمری دواخانہ ایجنسیز مارکیٹ صدر کراچی
- قمری اسٹار جنرل اسٹور مدینہ چوک رحیم یار خان بازار حیدرآباد
- نور دوائی دواخانہ کوئٹہ یہ روڈ سکھر
- پیر زادہ میڈیکل اسٹور پیر ان روڈ سکھر
- ظاہر شاپنگ سینٹر بل بازار فیصل آباد
- جی وی میڈیسٹور ایجنسی موزنگ لاہور
- امین اے جی وی اسٹور ریلوے روڈ لاہور
- راحیہ لوورز شمیلی بازار سیالکوٹ
- پاکستان جنرل اسٹور پیپر منڈی بازار گوجرانوالہ
- نظیم ہوٹل سینٹر مدینہ مارکیٹ سٹیشن روڈ فیصل آباد
- شہنائی جنرل دواخانہ پیپلز بازار فیصل آباد
- پنجاب جنرل اسٹور پیپر منڈی روڈ گوجرانوالہ
- شہباز جنرل اسٹور مدینہ مارکیٹ سٹیشن روڈ فیصل آباد
- رمضان پنساری گرشالہ روڈ چیچہ وطنی
- علی میڈیسٹور شہر گجرات
- نئی میڈیسٹور اقبال روڈ کمیٹی چوک راولپنڈی
- لطیف کیمسٹ چاندنی چوک راولپنڈی
- مشتاق دواخانہ پاک کیمسٹ ملتان
- سبز میڈیسٹور مزمل چوک سابنوال
- احمدیہ جنرل اسٹور ایم اے جی روڈ راولپنڈی
- ایس جنرل اسٹور گھنٹہ گھر بازار پرہ فاروق خان
- شالی دواخانہ اندرون لوہاری گیٹ شاہی بازار بہاولپور
- محمد صالحین اینڈ سنز مومن والے چوک بازار ملتان
- حق القیوم جنرل اسٹور ہسپتال روڈ چکوال
- بادشاہ دی ہٹی ڈھوک کھبہ راولپنڈی
- خالد دواخانہ صدر الفلاح بازار ایبٹ آباد
- احسن محمود میڈیکل سپلائی محمود روڈ پیر پور
- عوامی دواخانہ مین بازار مظفر آباد آزاد کشمیر
- پولی پشاور اسٹور مرزا نشی روڈ کوئٹہ
- دکھی پشاور اسٹور مرزا نشی روڈ کوئٹہ
- انعام کیمسٹ شمسی روڈ مرد ان
- عید گنجی اسٹور اندرون لنگے گیٹ کوہاٹ
- دارالشفاء پیلا بازار منگورہ سوات
- ملت دواخانہ گھنٹہ گھر پشاور

ڈسٹری بیوٹر: ریاضی محمود ۲۹ نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور۔ فون نمبر 7686268 محمد علی دواخانہ ۱۹ لبرٹی شاپنگ سینٹر آبپارہ اسلام آباد فون نمبر 5502903 محمد صالحین اینڈ سنز موٹی والے چوک بازار ملتان فون نمبر 542173 شاہی طبی دواخانہ بوہڑ بازار روالپنڈی فون نمبر 5505519

گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی پارسل منگوانے کے لئے

حکیم اینڈ سنز۔ پوسٹ بکس 2159 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

پر پیدل چلتے رہے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ شہر زیادہ وسیع نہیں تھا۔ گرانڈ ہوٹل سے بہت زیادہ دور نکلنا شاید ممکن نہیں تھا لیکن تنگ راستوں اور گنجان بازاروں کا سلسلہ میری توقع سے زیادہ طویل ثابت ہوا۔

گرانڈ ہوٹل سے زیادہ سے زیادہ دور نکلنے کی کوششوں میں، میں نے یہ احتیاط رکھی تھی کہ میں ان بھرے پرے اور بارونق راستوں سے دور نہ بھٹکوں جہاں دو سروں کے درمیان ہماری انفرادیت نمایاں نہ ہو اور ہم کسی کی مخصوص توجہ سے بچے رہیں۔ اس کوشش میں ہمیں کئی بار پیچ در پیچ گلیوں میں بھی بھٹکنا پڑا۔ کچھ دیر بعد لسی کی ایک اونچی اور بڑی سی دکان کو تیسری بار اپنی نگاہوں کے سامنے پایا تو میں چونک پڑا۔ مجھے احساس ہوا کہ امرتسر کی اس کوچہ نوردی میں بھٹک کر میں سمتوں کا احساس کھو بیٹھا تھا اور بار بار ایک ہی بھول بھلیاں میں چکراتا پھر رہا تھا۔

بھٹکنے کی وجہ سے مجھے امرتسر کی وسعت کی خوش فہمی ہو رہی تھی لیکن لسی کی ایک ہی دکان کے سامنے سے تیسری بار گزرنے کے بعد میری یہ خوش فہمی دور ہو گئی۔ امرتسر میرے ابتدائی اندازے کے مطابق زیادہ بڑا شہر نہیں تھا۔ میں نے اپنی غلطی سے اس شہر کو بڑا بنا دیا تھا۔

اس مٹر گشت یا کوچہ نوردی میں، میں یہ دیکھ چکا تھا کہ تقریباً تمام ہی ہوٹل مردانہ تھے لیکن خریداری کے لیے اپنی سگھنیوں کے ساتھ نکلنے والے سرداروں کی سہولت کے لیے کئی ہوٹلوں کے باہر واضح طور پر لکھا ہوا تھا کہ وہاں فیملی کیبن دستیاب تھے۔ ہندی میں لکھی ہوئی تحریریں میرے لیے ناقابل فہم تھیں۔ بھارت سے اردو کو مدت پہلے دیس نکالا مل چکا تھا لیکن امرتسر آنے والے غیر ملکیوں اور خصوصاً عیال دار پاکستانیوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے بہت سی دکانوں اور ہوٹلوں کے بورڈ انگریزی میں بھی لکھے ہوئے تھے۔ میرا سارا مشاہدہ ان انگریزی تحریروں تک محدود تھا۔

بازار میں بے مقصد بھٹکنے کا احساس ہوتے ہی مجھے اپنے آپ پر غصہ آنے لگا اور یکایک تکان بھی محسوس ہونے لگی۔ میں سب سے پہلے نظر آنے والے اس ہوٹل میں گھس گیا۔ جہاں فیملی کیبن کی موجودگی کا اشتہار نمایاں تھا۔

وہ ہوٹل بس واجبی سا تھا۔ ہوٹل میں رکھے ہوئے ڈیک کے ذریعے اسپیکروں پر جگجیت سنگھ کا مشہور پنجابی گانا گونج رہا تھا جس میں منہ زور جوانی کے سامنے ململ کی کرتی کے چار دن میں بول جانے کا بازاری تذکرہ موجود تھا۔ شاید غزالہ کے احترام میں وہ گانا روک کر کیسٹ فوراً آگے بڑھا دیا گیا۔ میں میزوں کے درمیان سے گزرتا ہوا ان نام نہاد کیبنوں کی طرف بڑھ گیا جن کے ادھورے پارٹیشن فرش سے کم از کم ایک فٹ بلند تھے۔

پردے کے نام پر ایک میلے چیتھڑے سے گزر کر ہم اندر پڑی ہوئی چار میں سے دو کرسیوں پر آمنے سامنے بیٹھ گئے۔ گرانڈ ہوٹل سے افراتفری میں فرار کے بعد اس وقت وہ کیبن غنیمت نظر آرہا تھا۔ ہمارے بیٹھتے ہی کیسوں اور غزالی آنکھوں والے ایک نوخیز سکھ لڑکے نے پانی سے بھرا ہوا اسٹیل کا جگ اور دو گلاس میز پر رکھے اور ہمہ تن سوال بن کر ایک طرف کھڑا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں پر خواجہ سراؤں والی پھیکی سی مسکراہٹ جمی ہوئی تھی۔

گرانڈ ہوٹل والے سکھ کلرک کے مقابلے میں وہ لڑکا قطعی بے ضرر نظر آرہا تھا بلکہ خود نقصان اٹھانے کے موڈ میں تھا۔ میں نے بس ایک بار اس کی طرف دیکھا اور شرمندہ ہو کر اپنی نظریں جھکا لیں۔ غلطی میں مجھے کچھ اور نہ سوجھ سکا۔ میں نے چائے اور بسکٹوں کا آرڈر دے کر اسے ٹال دیا۔

لڑکا چلا گیا تو مجھے بے اختیار سلطان شاہ یاد آگیا۔ مجھے را کے چنگل میں پھنسوانے والے آدمی کی تلاش میں خود غائب ہو کر اس نے مجھے فکر اور تشویش میں مبتلا کر دیا تھا مگر غنیمت یہ ہوا کہ اول خان کے آدمیوں نے بروقت اسے تلاش کر کے اسٹیشن فور پہنچا دیا تھا جہاں وہ خیریت سے اور پر سکون تھا۔ وہ را اور بھارتیوں کے معاملے میں بہت زیادہ جذباتی بلکہ انتہا پسند واقع ہوا تھا۔ وہ ان کی توہین اور تذلیل کے ہر موقع سے استفادہ کرنا اپنا حق تصور کرتا تھا۔ غزالہ کے بجائے وہ امرتسر کے اس ہوٹل میں میرے ساتھ ہوتا تو ویٹر کے فرائض انجام دینے والا سکھ لونڈا اپنا مطلوب نقصان اور اس سے منسلک فوائد اٹھانے میں ضرور کامیاب ہو جاتا۔

میرا خیال تھا کہ ویرا کے پاکستان پہنچ جانے کے بعد سلطان شاہ کی وحشت اور تنہائی کے احساس میں کمی آچکی ہوگی۔ جب تک ہم اپنا سفر مکمل کر کے کراچی پہنچیں گے، وہ اور اعتدال پر آچکا ہوگا۔

چائے نوشی کے دوران میں میرا ذہن بار بار دہلی اور اسلام آباد کے درمیان بھٹکتا رہا۔ مجھے بتا دیا گیا تھا اور بعد میں یہ بات میرے تجربے میں بھی آچکی تھی کہ دہلی میں مامور، آئی بی کے ایجنٹ پاکستانی سفارت کاروں سے دور بلکہ بالکل الگ تھلگ رہ کر اپنے فرائض انجام دیتے تھے کیونکہ پاکستانی مشن کے تمام چھوٹے بڑے اراکین ہمہ وقت بھارتیوں کی کڑی نگرانی میں رہتے تھے۔ ان سے میل جول رکھنے میں یہ خطرہ

Downloaded from https://paksociety.com

تھا کہ آئی بی والے دشمنوں کے سامنے بے نقاب ہوجاتے اور کوئی سفارتی مراعت حاصل نہ ہونے کی وجہ سے ناقابلِ تصور صعوبتوں کا نشانہ بن جاتے۔

آئی بی والوں کی محتاط روی کی انتہا یہ تھی کہ وہ اپنی رپورٹوں کی ترسیل اور ہدایات کی وصولی کے لیے اپنے انتہائی خفیہ مگر آزاد ذرائع استعمال کرتے تھے۔ ان ٹھوس زمینی حقائق کے باوجود مجھے پورا یقین تھا کہ ہمارا سفارت خانہ ان کی سرگرمیوں سے بے خبر نہیں رہا ہوگا۔ دہلی میں اتل اور نریش کی موت کی خبر سنتے ہی انہوں نے اندازہ لگالیا ہوگا کہ وہ کارروائی کس سمت سے کی گئی تھی۔

وہ ہر لحاظ سے ایک بہت بڑا واقعہ تھا جس کی خبری اہمیت بھی تھی۔ اس پر رپورٹ لکھنے کا انداز مختلف اور رازدارانہ ہوسکتا تھا لیکن دوسروں کی طرح پاکستانی سفارت کاروں کو وہ خبر اپنے ملک تک پہنچانے کا حق حاصل تھا جسے استعمال کیا گیا ہوگا۔

وہ کسی بھی طرح رکنے والی خبر نہیں تھی۔ صرف جلال کو معلوم تھا کہ میں اتل بسواس کی موت کا اہم ترین مقصد اپنے ساتھ لے کر گیا تھا۔ خبر سنتے ہی وہ سمجھ لیتا کہ میں نے کسی نہ کسی طرح اپنا ہدف حاصل کرلیا ہے۔ اس خبر کے ساتھ ہی اسے میری اور غزالہ کی فکر ہوجاتی۔ اس کے پاس ایسا کوئی ذریعہ نہیں تھا جو اسے ہم دونوں کی تازہ ترین پوزیشن سے آگاہ کرسکے۔ اپنے پاس موجود ٹرانسمیٹر کی وجہ سے صرف بنگو وہ خبر آگے بڑھانے کی صلاحیت رکھتا تھا۔

میں نے اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی تو مجھے بنگو کے لیے دوسرا فون کیے ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت گزر چکا تھا۔ میں نے چائے کی اپنی پیالی خالی کرکے غور سے غزالہ کی طرف دیکھا اور پوچھا "میں کچھ دیر کے لیے تمہیں اکیلا چھوڑ دوں تو تمہیں ڈر تو نہیں لگے گا؟"

"کھلے ہوٹل میں ڈرنے کی کوئی بات نہیں ہے۔ کسی نے میری تنہائی سے فائدہ اٹھا کر بے تکلف ہونے کی کوشش کی تو مجھے کوفت ہوگی۔ اس نازک وقت میں، میں کوئی ہنگامہ کھڑا کرکے اپنی ذات کو تماشا اور دوسروں کی توجہ کا مرکز نہیں بنانا چاہتی۔" اس نے مسکراتے ہوئے جواب دیا۔

میں نے اطمینان سے کرسی چھوڑ دی "مجھے خوشی ہے کہ تمہیں حالات کی نزاکت کا گہرا ادراک ہے۔ مجھے تمہارے خوف اور کوفت کی کوئی پروا نہیں ہے۔ میں اپنے آدمی کو فون کرکے ذرا سی دیر میں واپس آتا ہوں۔" دھیمی آواز میں اسے مطلع کرنے کے بعد میں ہوٹل کے کیبن سے نکل گیا۔

اس ہوٹل میں داخل ہونے کا فیصلہ کرنے سے پہلے میں یہ دیکھ چکا تھا کہ اس کے قریب ہی ایک پبلک بوتھ موجود تھا۔ دوسری طرف فون کی پہلی گھنٹی بجی اور ریسیور اٹھالیا گیا۔ اس بار وہ پرانی اور بیزار آواز نہیں سنائی دی۔ بولنے والا کوئی پُرجوش اور جوان آدمی تھا۔ وہ آواز سن کر میں لمحے بھر کے لیے تذبذب میں پڑگیا۔ کہیں وہ کوئی غلط آدمی نہ ہو۔ اس سے بنگو کے بارے میں سوال کرنے سے کوئی گڑبڑ نہ ہوجائے۔

میں بیزار آواز والے کے نام سے بھی واقف نہیں۔ مجھے بنگو سے رابطے کے لیے صرف فون نمبر دیا گیا تھا۔ آدمی کی کوئی اہمیت ہوتی تو عابد علی نے اس کے بارے میں مجھے ضرور بریف کیا ہوتا۔ اس نے اس بارے میں ایک لفظ نہیں کہا تھا۔ اگر گڑبڑ ہونی تھی تو یہ بھی ہوسکتا تھا کہ پرانی اور بیزار آواز والا آدمی غلط رہا ہو۔ فون پر رابطہ برقرار تھا۔ میرے پاس سوچنے کے لیے زیادہ وقت نہیں تھا۔ میں نے دھڑکتے ہوئے دل کے ساتھ اپنا مدعا ظاہر کردیا "بنگو کو بلا دو!"

وہ اپنے کام کو سمجھنے والا ہوشیار آدمی تھا۔ مجھ سے کوئی جرح کرنے سے پہلے اس نے اپنا تعارف کرانا ضروری سمجھا "میں بنگو ہی بول رہا ہوں۔ تم کون ہو؟" اس کی آواز جذبات سے یکسر عاری مگر محتاط تھی۔

میرے لیے وہ بہت بڑی خوش خبری تھی کہ ہماری پاکستان واپسی کی سب سے مضبوط کڑی مل چکی تھی۔ میں نے بے ساختہ کہا "میں رگھوبیر ہوں۔ تم دو دن سے کہاں تھے؟ تمہاری آواز کو کیا ہوا؟ فون پر میں پہچان ہی نہیں سکا کہ تم بول رہے ہو۔"

عابد نے مجھے بتایا تھا کہ بنگو کے لیے رگھوبیر کوئی نام نہیں تھا۔ اس ظاہری نام میں ایک مکمل خفیہ پیغام پنہاں تھا کہ اس کے دوستوں سے تعلق رکھنے والا کوئی آدمی بھارت کے کسی اور شہر سے امرتسر آیا ہوا تھا اور اس سے جلد از جلد ملنے کا خواہاں تھا۔

"صبح سے تم دو بار فون کرچکے ہو۔ دونوں بار تمہارے پیغام الگ الگ تھے۔ اس وقت تم کہاں ہو؟" اس نے میرے سوالوں کو نظرانداز کرکے پوچھا۔

"میں یہاں کے علاقوں اور بازاروں سے واقف نہیں ہوں۔ بس یہ معلوم ہے کہ جس ہوٹل میں ہوں، اس کے بورڈ پر پروپرائٹر کا نام سردار گلاب سنگھ لکھا ہوا ہے....."

بنگو نے میری بات کاٹ دی اور جلدی سے بولا

Downloaded from https://paksociety.com

"گلابے کا ہوٹل میرا دیکھا ہوا ہے۔ تم وہیں ٹھہرو۔ میں تھوڑی دیر میں پہنچتا ہوں... مگر سنو! میں تمہیں کیسے پہچانوں گا؟ کیا میں نے کبھی تم کو دیکھا ہوا ہے؟"

"یہ فون کی خرابی ہے۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر جواب دیا "میں تمہاری آواز پہچان سکا نہ تم نے میری آواز پہچانی۔ چند روز پہلے تم ہی مجھے دو عورتوں کے ساتھ لائے تھے اور راستے میں ایک صوبے دار کو..."

"بس بس۔ مجھے یاد آگیا۔" اس نے میری بات کاٹتے ہوئے تیزی سے کہا "میں آدھے گھنٹے میں آرہا ہوں۔ تم بھی خیال رکھنا۔ اس وقت میرا دماغ کچھ سنکا ہوا ہے۔ ایک لمبے بکھیڑے سے نمٹ کر آیا ہوں۔ تمہارا پیغام نہ ملا ہوتا تو اب تک لمبی تان کر سو گیا ہوتا۔"

میں نے اسے ملنے کی یقین دہانی کرائی اور فون بند کردیا۔

درمیانی آدمی نے بنگو کے بارے میں جن خدشات کا اظہار کیا تھا وہ میرے لیے بہت ہولناک تھے کیونکہ اٹل اور نریش کے قتل کے بعد بنگو ہمارے فرار کا اکلوتا وسیلہ تھا۔ اگر وہ کسی ناگہانی مصیبت میں مبتلا ہوگیا ہوتا تو ہم دونوں ناقابلِ بیان مشکلات میں گھر جاتے۔ اس وقت فون پر بنگو سے بات کرکے مجھے یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے میرے سر سے بہت بڑا بوجھ اتر گیا ہو۔ ذہن سے ناامیدی کے بادل چھٹ گئے تھے اور میں اپنی مہم کے آخری مرحلے کے بارے میں ایک مرتبہ پھر اپنے دل کی گہرائیوں میں نیا جوش اور ولولہ ابھرتا محسوس کر رہا تھا۔

اس وقت تک مجھے کہیں ایسی کوئی علامت نظر نہیں آئی تھی جس سے یہ پتا چلتا کہ راوالوں نے میرے بارے میں ریڈیو اور ٹی وی وغیرہ پر کوئی ہمہ گیر مہم شروع کردی ہے۔ دہلی میں جو کچھ ہو رہا تھا، غالباً روایتی سرکاری انداز میں ہو رہا تھا۔

بنگو سے رابطہ ہونے کے بعد مجھے کسی بات کی کوئی فکر نہیں رہی تھی۔ اگر راوالے مظہر خان اور غزالہ کے خلاف کوئی اعلان کر بھی ڈالتے تو کم از کم آنے والی رات تک ہم بالکل محفوظ رہتے۔ بات گرانڈ ہوٹل کے عملے تک پہنچ جاتی اور انہیں پتا چل جاتا کہ را کے مطلوب قاتل اور پاکستانی دہشت گرد اسی صبح ان کے ہوٹل میں ٹھہرے ہیں تو وہ خالی اور مقفل کمروں میں کوئی تیر نہیں مار سکتے تھے۔ وہ ہر حال میں رات گئے تک ہماری واپسی کا انتظار کرتے۔ یوں ہمارے پاس بھارت کی منحوس سرزمین چھوڑنے کے لیے کافی وقت تھا۔ جب تک ہوٹل والے ہماری واپسی سے مایوس ہو کر یہ خبر پھیلاتے کہ پاکستانی دہشت گرد کچھ دیر کے لیے ان کے ہوٹل کے الگ الگ کمروں میں قیام کرنے کے بعد امرتسر کے پُرہجوم بازاروں میں کہیں گم ہو چکے تھے، ہم شاید پوری حفاظت سے پاکستان واپس پہنچ چکے ہوتے۔

بنگو نے مجھ سمیت کسی کو بھی اپنی غیر معمولی صلاحیتوں سے مرعوب نہیں کیا تھا۔ وہ جسیم اور قد آور ضرور تھا لیکن ذہانت اسے چھو کر بھی نہیں گزری تھی وہ محض اپنی فرماں برداری کے سہارے آئی بی کے مضبوط نیٹ ورک کا ایک پرزہ بنا ہوا تھا۔ ابتدا میں اسے ہمارے مشن میں ایک معمولی مہرے سے زیادہ وقعت حاصل نہیں تھی لیکن ہماری واپسی کے منصوبے میں اس نے یک بیک کلیدی اور ناگزیر حیثیت اختیار کرلی تھی۔

ہوٹل کے کیبن میں میرے کچھ بولنے سے پہلے غزالہ نے بھانپ لیا کہ مجھے کوئی اہم کامیابی حاصل ہو چکی تھی۔ مجھے دیکھتے ہی وہ نیچی آواز میں بول پڑی "آپ کا چہرہ تر و تازہ نظر آرہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ بنگو کا کوئی سراغ مل گیا ہے۔"

"اس کی گرفتاری کے خدشے سے میری جان نکلی ہوئی تھی۔ وہ کسی لمبے چکر میں الجھا ہوا تھا۔ اب لوٹ آیا ہے اور آدھے گھنٹے میں یہاں پہنچ رہا ہے۔" میں نے کرسی سنبھالتے ہوئے اسے بتایا "میں فون پر اسی سے بات کرکے آرہا ہوں۔"

"اپنے بارے میں کیا بات ہوئی؟ راوالے کیا سوچ رہے ہیں؟" غزالہ نے پوچھا۔

"فون پر زیادہ بات نہیں ہو سکتی تھی۔ وہ آئے گا تو کچھ پتا چلے گا۔"

ہم نے گرانڈ ہوٹل چھوڑنے کے بعد امرتسر میں بے مقصد آوارہ گردی کرتے ہوئے کئی گھنٹے گزار دیے تھے اور وقت کا پتا نہیں چلا تھا لیکن بنگو کے انتظار میں ایک ایک لمحہ رینگ رینگ کر گزر رہا تھا۔ یوں محسوس ہو رہا تھا جیسے وقت کی رفتار اچانک سست ہوگئی ہو۔

اس پارٹیشن کے داخلی راستے پر پڑا ہوا پردہ برائے نام تھا۔ غزالہ نے اپنی پشت اس طرف کرکے رسمی سے پردے کا اہتمام کرلیا تھا مگر میں نے اپنی کرسی دانستہ ایسے رخ سے رکھی تھی کہ ہوٹل میں آنے جانے والے میری نظروں میں رہیں۔

خدا خدا کرکے وہ وقت گزر ہی گیا۔ بنگو اپنے دیے ہوئے وقت سے چند منٹ پہلے ہی گلابے کے ہوٹل میں آپہنچا تھا۔

"وہ آگیا!" میں نے زیرلب اضطراری سرگوشی میں

Downloaded from https://paksociety.com

غزالہ کو مطلع کیا۔ اس کے چہرے پر جوش کی ہلکی سی سرخی پھیل گئی مگر اس نے مڑ کر اپنے پیچھے دیکھنے کی حماقت نہیں کی۔

بنگو اس وقت آدھی آستین والی' سیاہ رنگ کی چست ٹی شرٹ اور جینز میں ملبوس تھا۔ اس کے سر پر پی کیپ جمی ہوئی تھی اور آنکھوں پر تاریک شیشوں والی دھوپ کی عینک جمی ہوئی تھی۔ اس حلیے میں اس نے خود کو بلاوجہ ہی نمایاں کیا ہوا تھا۔

بنگو اس ہوٹل کے لیے اجنبی نہیں تھا۔ اس کے اندر گھستے ہی کئی افراد نے گرم جوشی سے اس کا استقبال کیا۔ اس خبیث کی آنکھوں پر سیاہ عینک منڈھی ہوئی ہونے کی وجہ سے مجھے یہ اندازہ نہیں ہو رہا تھا کہ وہ کس طرف دیکھ رہا تھا۔ میں نے اپنی جگہ بیٹھے بیٹھے ہاتھ لہرایا۔ غنیمت ہوا کہ اس نے دیکھ لیا اور سر کی خفیف سی جنبش سے جوابی اشارہ کرکے کاؤنٹر کی طرف چلا گیا۔ مجھے شبہ ہوا کہ شاید اس نے مجھے نہیں دیکھا تھا۔ دیکھ لیا ہوتا تو وہ باہر رکنے کے بجائے ہمارے کیبن کی طرف آتا۔

اس کے تیوروں سے ایسا ظاہر ہو رہا تھا جیسے وہ کاؤنٹر والے سے ہی بات کرکے واپس لوٹ جائے گا۔

"وہ شاید یہاں اپنی رونمائی کے لیے آیا ہے۔" غزالہ نے دھیمی آواز میں کہا "ہمیں اس کے پیچھے نکلنے کے لیے تیار رہنا چاہیے۔"

میں پہلے ہی اپنی جیب ٹٹول رہا تھا اور ہوٹل سے اٹھنے کا ارادہ کرچکا تھا۔ میں نے اس سے کہا "تم اس کے پیچھے چلو۔ میں بل ادا کرکے آتا ہوں۔"

بنگو ہاتھ لہرا کر ہوٹل سے فٹ پاتھ پر اتر گیا۔ غزالہ کسی عجلت کا مظاہرہ کیے بغیر ہموار رفتار سے ہوٹل سے نکلتی چلی گئی۔ میں کاؤنٹر پر رک گیا۔ شاید کسی کو اندازہ نہیں ہوسکا تھا کہ بنگو کی آمد اور روانگی سے ہمارا کوئی تعلق تھا۔

میں ہوٹل سے نکل کر داہنی طرف ہولیا۔ اس وقت تک بازار کی رونق اپنے شباب پر آچکی تھی۔ اس بھیڑ میں دراز قامت بنگو نمایاں نظر آرہا تھا۔ غزالہ اس سے چند قدم پیچھے چل رہی تھی۔ میں نے اپنی رفتار قدرے تیز کردی پھر درمیان سے غزالہ کو اپنے ساتھ لیتا ہوا بنگو کے پہلو میں پہنچ گیا۔

"گڈ! بس یوں ہی میرے ساتھ چلے آؤ۔" بنگو نے

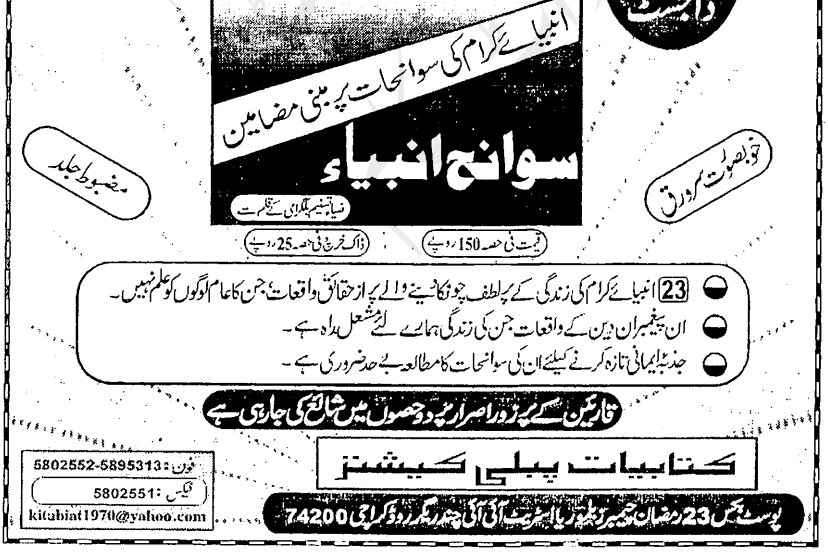
سسپنس ڈائجسٹ
کا معروف سلسلہ اب کتابی شکل میں
انبیائے کرام کی سوانحات پر مبنی مضامین
سوانح انبیاء
نیاتھیسر پبلکیشنز کا تحفہ ہے
مضبوط جلد
خوبصورت کوریج
قیمت فی حصہ 150 روپے
ڈاک خرچ فی حصہ 25 روپے
23 انبیائے کرام کی زندگی کے پرلطف چونکا دینے والے پر از حقائق واقعات، جن کا عام لوگوں کو علم نہیں۔
ان پیغمبران دین کے واقعات جن کی زندگی ہمارے لئے مشعل راہ ہے۔
جذبۂ ایمانی تازہ کرنے کیلئے ان کی سوانحات کا مطالعہ بے حد ضروری ہے۔
قارئین کے پرزور اصرار پر دو حصوں میں شائع کی جارہی ہے
کتابیات پبلی کیشنز
فون: 5802552-5895313
فیکس: 5802551
kitabiat1970@yahoo.com
پوسٹ بکس 23 رمضان میمبر ز ملیر ریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

Downloaded from https://paksociety.com

فوراً کہا۔ وہ بھیڑ میں چلنے کے باوجود اپنے گردوپیش سے پوری طرح باخبر تھا۔

مزید کچھ دور چلنے کے بعد وہ ایک قریبی گلی میں مڑ کر ایک صاف ستھری اور مقفل گاڑی کے قریب رک گیا جو پچھلی بار مجھے اس کی تحویل میں نظر نہیں آئی تھی۔ اس نے اپنی گاڑی کی ڈرائیونگ سیٹ سنبھال لی' میں اس کے برابر میں بیٹھا۔ غزالہ پیچھے سوار ہوگئی۔ گاڑی کا انجن بیدار ہوا اور وہ آگے چل پڑی۔

"ہمارا ہوٹل میں ملنا مناسب نہیں تھا۔ اچھا ہوا کہ تم نے میرا اشارہ سمجھ لیا ورنہ مشکل ہوجاتی۔ وہاں کوتوال کے دو ٹاؤٹ بیٹھے ہوئے تھے۔" گاڑی کے حرکت میں آنے کے ساتھ بنگو کی زبان چل پڑی "یہ سالے بہت حرامی اور کائیاں ہوتے ہیں۔ انہیں معلوم ہے کہ میں پولیس سے بچ بچا کر کچھ ہیر پھیر کرتا رہتا ہوں۔ تم دونوں کو میرا گاہک سمجھ کر زبردستی ہزار' پانچ سو روپے لے مرتے۔ انہیں دیکھ کر میں نے تم سے ملنے کا پروگرام تبدیل کردیا تھا۔"

"میں نے اسے یہ جتانا ضروری نہیں سمجھا کہ اس سے ملنا ہماری مجبوری تھی۔ وہ اگر پولیس کے ٹاؤٹوں کو دیکھ کر بگٹٹ دوڑ پڑتا تو اس تک پہنچنے کے لیے ہم بھی دوڑ لگانے پر مجبور ہوجاتے۔ میں بردباری کے ساتھ سر ہلا کر بولا "تم نے یہ نہیں بتایا کہ تم کہاں غائب تھے؟"

"وہ میرے اپنے دھندے تھے۔ تم اپنے کام سے کام رکھو۔" اس نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے مجھے کورا جواب دے دیا۔

"ہمارا فوری طور پر واپسی کا ارادہ ہے۔ اسی سلسلے میں تمہاری تلاش تھی۔" میں نے قدرے توقف کے بعد کہا۔

وہ سوچ میں پڑگیا۔ گاڑی ڈرائیو کرتے ہوئے وہ سڑک پر نظریں جمائے ہوئے تھا۔ آخر اس نے زبان کھولی "اس کام میں دو چار دن لگیں گے۔ پرسوں میری گاڑی مال سمیت پکڑی گئی تھی۔ میں اسی کو چھڑانے کے چکر میں لگا ہوا تھا۔ اب میں نے بہت زور لگایا تو بارڈر سیکیورٹی فورس والوں سے کل تک پیچھا چھوٹ سکے گا۔"

وہ ایک نئی اور بری خبر تھی۔ میں نے قدرے حیرت سے پوچھا "بارڈر سیکیورٹی فورس تو کشمیر میں ہوتی ہے۔ تم اپنی گاڑی میں وہاں کیسے پہنچ گئے؟"

"کشمیر میں ان کے لیے بہت کام ہے لیکن ان کے کچھ دستے مشرقی پنجاب میں بھی ہیں۔ گاڑی میں دو ڈھائی لاکھ کا مال لدا ہوا ہے۔ میں اس بارے میں بہت پریشان ہوں۔"

"یہ کیسے ہوا کہ گاڑی پکڑی گئی اور تم آزاد ہو۔"

میرے لیے سرحدی اسمگلنگ کا وہ واقعہ نیا تھا۔

"میں گاڑی سمیت پکڑا گیا تھا۔ دس ہزار دے کر نکلا ہوں۔ گاڑی کا معاملہ طے نہ ہوا تو بی ایس ایف والے اپنے ریکارڈ میں یہ دکھادیں گے کہ اسمگلر زبردست فائرنگ کے بعد رات کے اندھیرے میں گاڑی چھوڑ کر بھاگ گیا۔"

"تم اتنی مال دار اسامی نہیں ہو پھر تمہارے پاس دو ڈھائی لاکھ کا مال کہاں سے آگیا؟" پیچھے سے غزالہ نے چبھتا ہوا سوال کیا۔

"وہ میرا نہیں' پارٹی کا مال ہے۔ جو نقصان ہوگا وہ پارٹی کے سر جائے گا۔"

"پھر اس بارے میں تم کیوں پریشان ہو؟" میں نے تحمل سے کام لیتے ہوئے پوچھا۔ اس وقت ہمارے مسئلے کا حل اس کی پریشانی سے منسلک ہو کر رہ گیا تھا۔ میں نہ چاہتے ہوئے بھی اس کے مجرمانہ مسائل میں دلچسپی لینے پر مجبور تھا۔

"یہ اس دھندے کا بنیادی اصول ہے۔ پکڑے جانے والے مال پر کسی کا کوئی دعویٰ نہیں ہوتا۔ بات نہیں بنتی تو سمجھو کہ پارٹی کا مال گیا' میری پک اپ گئی۔ اپنی رہائی کے لیے دس ہزار پلے سے دینے پڑے۔ اس سے میری ساکھ خراب ہوگی۔ آگے کام ملنا بند ہوجائے گا۔ میں بھوکوں مرجاؤں گا۔"

"بی ایس ایف سے تمہاری کیا سودے بازی چل رہی ہے؟" میں نے دریافت کیا۔

"وہ پچیس ہزار مانگ رہے ہیں۔ پارٹی بیس پر اٹک گئی ہے۔ دونوں اپنی اپنی جگہ اڑے ہوئے ہیں۔"

"پانچ ہزار اپنی کمرہ سے ڈال دو۔ تمہاری پک اپ کسی طرح ساٹھ ستر ہزار سے کم کی نہیں ہوگی۔ سمجھ لینا کہ پانچ ہزار اس کے دے دیے!"

"اپنی رہائی کے دس ہزار میں نے قرض ادھار لے کر پورے کیے ہیں۔ میں بالکل کنگال ہوچکا ہوں۔ میری جیب میں ذرا سی بھی گنجائش ہوتی تو میں اب تک یہ قصہ صاف کرچکا ہوتا۔" وہ ایک گہرا سانس لے کر حسرت زدہ لہجے میں بولا "تم یہ بتاؤ کہ کس ہوٹل میں ٹھہرے ہوئے ہو۔ شاید تم نے گرانڈ ہوٹل کا نام بتایا تھا۔ میں تمہیں وہاں اتار دیتا ہوں۔ تم آرام کرو۔ میں کوئی جگاڑ کرتا ہوں۔ تمہیں پہنچانے کے بعد ماسٹر سے جو مال ملے گا' میں اس میں سے اپنا قرضہ ادا کردوں گا۔"

میں نے ذرا سی دیر کے لیے خاموشی اختیار کرکے اس کے کہے ہوئے الفاظ اپنے ذہن میں گھمائے اور اس نتیجے پر پہنچا کہ ماسٹر کا لقب اس نے جلال کے لیے استعمال کیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ہمیں لاہور کے مضافات سے امرتسر تک پہنچانے کا معاوضہ اسے جلال سے ملا تھا۔ اس لیے وہ یہ بات فرض کرچکا تھا کہ ہمیں واپس پہنچانے کا معاوضہ اسے کام کی تکمیل ہونے پر' پاکستانی سرزمین پر ادا کیا جائے گا۔ تیسری اور اہم بات یہ تھی کہ وہ گرانڈ ہوٹل کو ہماری عارضی قیام گاہ سمجھے بیٹھا تھا جب کہ میں اس عمارت کے قرب وجوار میں جانے کا بھی روادار نہیں تھا۔

"ہم ہوٹل چھوڑ چکے ہیں۔ ہم سے کچھ دیر کے لیے اپنا پیچھا چھڑانا چاہتے ہو تو ہمیں بھینسوں والے باڑے میں یا کسی اور ٹھکانے پر پہنچادو۔"

"اس ٹھکانے پر بھینسوں کے گوبر کی تیز بدبو واقعی کبھی کبھی ناقابلِ برداشت ہوجاتی ہے۔" اس نے میرے استہزائیہ تبصرے کا برا منائے بغیر کہا "اپنی ایک کشمیری رکھیل بھی ہے۔ اس کا گھر بہت صاف ستھرا ہے مگر جب سے مفلسی نے میرا گھر دیکھا ہے' میری رانی نے مجھے منہ لگانا چھوڑ دیا ہے۔ تم کو پرانے ٹھکانے پر ہی چلنا ہوگا۔"

اس وقت امرتسر میں ہمیں کسی محفوظ ٹھکانے کی شدید ترین ضرورت تھی۔ اس تحفظ کے لیے میں ہر سمجھوتا کرسکتا تھا "اسی طرف رخ موڑلو۔ وہاں بیٹھ کر ہم زیادہ سہولت کے ساتھ بات کرسکیں گے۔" میں نے اس سے کھل کر کوئی بات نہیں کی۔ اس سے ہونے والی پچھلی ملاقات میں' میں نے اندازہ لگالیا تھا کہ وہ بہت حریص اور لالچی شخص تھا۔ اپنی شاہ خرچیاں پوری کرنے کے لیے اسے ہر وقت پیسے کی ضرورت رہتی تھی۔

میں کھل کر اس سے بات کرتا تو وہ اپنا تمام خسارہ پورا کرنے کے لیے مجھے لمبا چونا لگا سکتا تھا۔ جلال اس کا مستقل گاہک تھا۔ بنگو اس کا لحاظ کرتا تھا اور شاید اس سے دبتا بھی تھا۔ اسے یاد رکھنا چاہیے تھا کہ مجھ سے ہونے والے لین دین کا فائنل حساب جلال ہی کرے گا۔

"تم دہلی سے یہاں صبح ہی کو پہنچے ہوگے۔ وہاں سے کس وقت چلے تھے؟" چند ثانیوں کے توقف کے بعد بنگو نے پوچھا۔

وہ ایک نازک سوال تھا۔ میں نے ایک لمحے کے ہزارویں حصے میں سوچا اور فیصلہ کرتے ہوئے کہا "وہاں سے ہم پرسوں نکلے تھے مگر راستے میں انبالہ میں رک گئے تھے۔ صبح کی ٹرین سے یہاں پہنچے ہیں۔"

"تم گرانڈ ہوٹل میں کمرا لے چکے ہو۔ وہ ایک رات کا کرایہ لیتے ہیں۔ تم آرام سے وہاں رہ سکتے تھے۔ ادھر کیوں نہیں جارہے؟"

اس بار بنگو جیسے قابلِ اعتماد آدمی سے جھوٹ بولنا مناسب نہیں تھا۔ وہ امرتسر کا پرانا شہری تھا۔ لوگوں سے اس کے روابط بہت وسیع تھے۔ وہ ذرا سی کوشش کرکے گرانڈ ہوٹل کے عملے سے ہمارا سارا کچا چٹھا معلوم کرسکتا تھا۔ میں نے کہا "بس ایک چوک ہوگئی جس کی وجہ سے وہاں لوٹنا مناسب نہیں ہے۔ یہاں آتے ہوئے ہمیں کوئی فکر نہیں تھی لیکن واپسی میں ہمیں احتیاط سے کام لے کر اپنی شناخت چھپانی تھی تاکہ کسی کو یہ پتا نہ چل سکے کہ ہم امرتسر سے گزرے ہیں۔ سفر کی تکان میں یہ بات میرے دماغ سے نکل گئی اور ہم نے ہوٹل والوں کو اپنے پاسپورٹ دکھادیے۔ تھوڑی دیر بعد مجھے اپنی غلطی کا اندازہ ہوا تو میں نے بوکھلا کر ہوٹل چھوڑ دیا۔"

"کام میں کچے ہو۔" اس نے مربیانہ انداز میں کہا "تمہارا نام اور پاسپورٹ نمبر ہوٹل کے رجسٹر پر آگیا ہے۔ اب تم وہاں رہو یا نہ رہو' یہ بات معلوم کی جاسکتی ہے کہ تم امرتسر آئے تھے۔ ایسے کاموں میں بہت سمجھ اور ہوشیاری کی ضرورت ہوتی ہے ورنہ نانی یاد آجاتی ہے۔"

میں فدویانہ انداز میں ہنس کر رہ گیا "بس ہونے والی

آشنائی

اداکار افضل خان عرف جان ریمبو جہاز میں سفر کررہے تھے۔ ایک صاحب بہت دیر سے انہیں گھور رہے تھے۔ آخر بولے "آپ جان ریمبو ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

"آپ فلموں میں کام کرتے ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

"آپ لاہور میں رہتے ہیں نا؟"

"جی ہاں۔"

تب وہ صاحب خوشی سے تقریباً چلاتے ہوئے بولے "اوہو.... اب میں نے آپ کو پہچان لیا.... آپ وہی ہیں جن کی شادی صاحبہ سے ہوئی ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

بات تھی جو ہو گئی۔"

میں نے اسے یہ بتانا ضروری نہیں سمجھا کہ گرانڈ ہوٹل میں قیام کے بعد میری سوچ میں اچانک تبدیلی رونما ہوئی تھی اور مجھے را کی کسی اشتہاری مہم کے نتیجے میں اپنے پکڑے جانے کا خطرہ سامنے نظر آنے لگا تھا۔ میرے کوائف گرانڈ ہوٹل کے ریکارڈ پر ضرور باقی رہ گئے تھے لیکن وہاں سے بھاگ نکلنے کے بعد میں بے خبری میں گرفتاری کے کسی خوفناک خطرے سے محفوظ ہو چکا تھا۔ میرے لیے وہ اطمینان ہی کافی تھا۔

"تم چاہو تو میں ہوٹل کے رجسٹر سے تمہارا نام اڑوا سکتا ہوں۔" بنگو نے سوچتے ہوئے کہا۔

"یہ بہت بڑا کام ہوگا۔ میرے سر پر سے ایک بوجھ اتر جائے گا۔" میں نے خوش ہو کر جواب دیا۔

"مگر ہوٹل سے ملنے والی آدھی رقم میری ہوگی۔" اس نے شرط عاید کر دی اور پوچھا "تم نے وہاں کتنے پیسے جمع کرائے تھے؟"

"تین ہزار۔" میں نے بے یقینی سے کہا "یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ نام اڑانے کے ساتھ وہ تمہیں آدھی رقم بھی لوٹا دیں۔"

"ہوٹل والوں کو اپنے کرایے پر بھاری ٹیکس دینا پڑتا ہے۔ گرانڈ ہوٹل میں میرے جاننے والے ہیں۔ تمہیں چھوڑنے کے بعد میں ہوٹل جا کر بکنگ کینسل کرا دوں گا۔ آدھی رقم مجھے مل جائے گی۔ آدھی ہوٹل والوں کی جیب میں چلی جائے گی۔ رجسٹر پر تمہارے نام اور پاسپورٹ وغیرہ پر سفیدہ پھیر دیا جائے گا۔ اس پر وہ کسی نئے گاہک کا نام چڑھا لیں گے۔ ہوٹلوں کے ریکارڈ میں ایسی بھول چوک اور غلطیاں چلتی رہتی ہیں۔"

فوری طور پر مجھے اس کی تجویز ہر اعتبار سے بے داغ اور قابل عمل نظر آئی۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں ہیر پھیر کے ذریعے ٹیکس بچانے کی کوشش کر کے ہوٹل والے ایک جرم میں ملوث ہو جاتے۔ میرا اور غزالہ کا نام منظر عام پر آنے کے بعد انہیں یاد آتا کہ ہم دونوں ان کے ہوٹل میں کچھ دیر تک قیام کے بعد خاموشی سے فرار ہو گئے تھے تو ان کے ہاتھ پیر کٹ چکے ہوتے۔ ہوٹل کے ریکارڈ میں مشتبہ انداز میں ردوبدل کر کے وہ شریک جرم ہو چکے ہوتے۔ اپنی گردن بچانے کے لیے وہ بھول کر بھی یہ بات اپنی زبانوں پر نہ لاتے کہ بھارتی سرکار کو مطلوب پاکستانی دہشت گرد جوڑا ان کے ہوٹل میں بھی دیکھا گیا تھا۔

میری وہ خوش امیدی زیادہ دیر تک قائم نہیں رہ سکی۔ بنگو کی تجویز کی پُرزور تائید کرنے سے پہلے ہی مجھے اس تجویز کا تاریک ترین پہلو نظر آ گیا۔

اس وقت کی صورتِ حال جوں کی توں برقرار رہتی تو صرف ایک خطرہ تھا۔ یہ بات ہر طرف پھیل جاتی کہ ہم دونوں گرانڈ ہوٹل گئے تھے لیکن اس کے بعد کہاں غائب ہو گئے۔ یہ سراغ کسی کو نہیں مل سکتا تھا۔ بنگو کی تجویز پر عمل کرنے کے بعد صورت حال بالکل برعکس ہو جاتی۔ ہوٹل سے باہر کسی کو علم نہ ہو پاتا کہ ہم نے کچھ دیر کے لیے وہاں پناہ لی تھی مگر ہوٹل والوں کو یہ معلوم ہوتا کہ بنگو ہمارے ساتھ ملا ہوا تھا۔ ہوٹل چھوڑ دینے کے بعد بھی ہم اس کے رابطے میں تھے۔ امرتسر میں اس کی مشکوک سرگرمیاں بہت زیادہ ڈھکی چھپی نہیں تھیں۔ اس کی گردن دبوچ کر اسے تیسرے درجے کے بہیمانہ تشدد کا نشانہ بنایا جاتا تو وہ کھایا پیا تک اگل دیتا۔

اس کے سینے میں صرف ہمارا راز پوشیدہ نہیں تھا۔ وہ آئی بی اور جلالی کے بہت سے رازوں کا امین تھا۔ ان کے اہم ترین آپریشنز میں مُدل مین کا کردار ادا کر چکا تھا۔ سب سے اہم بات یہ تھی کہ اس کی تحویل میں آئی بی سے ملا ہوا وہ طاقت ور ایریئل موجود تھا جو سو کلومیٹر کے حیطۂ عمل میں مواصلاتی رابطے کے کام آ سکتا تھا۔

بھارت کے خفیہ اداروں کے لیے آئی بی والوں کا وہ لاسلکی نشری آلہ اجنبی نہیں ہو سکتا تھا۔ بنگو کے لیے یہ جواب دہی مشکل ہو جاتی کہ پاکستانی انٹیلی جنس بیورو کا ایک حسّاس آلہ اس کی تحویل میں کب، کیوں اور کیسے آیا۔

وہ گرانڈ ہوٹل سے ہمارے فرار کے اصل پس منظر سے بے خبر تھا اس لیے وہ خطرات اس کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

"گرانڈ ہوٹل کو بھول جاؤ۔" میں نے گہری سنجیدگی سے کہا "ڈیڑھ ہزار روپے کی کشش تمہیں کسی نادیدہ دلدل میں لے ڈوبے گی۔ یہ کوئی بڑا کھیل بھی ہو سکتا ہے۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا تھا کہ یہاں کوئی بڑا کھیل شروع ہو چکا ہے۔" بنگو نے میری بات پر پوری طرح دھیان دیے بغیر کہا "میں نے تم سے اسی لیے پوچھا تھا کہ تم دہلی سے کب آئے ہو۔ سنا ہے کہ وہاں کے حالات بہت خراب ہیں۔ پچھلی رات کو را کے پانچ چھ بڑے افسر مار دیے گئے۔ کسی کو کانوں کان بھی پتا نہیں چلا۔"

اس کی زبان سے پانچ چھ افسروں کے قتل کا ذکر سن کر میں بری طرح چونک پڑا۔ میرے ذہن میں پہلا خیال یہ آیا کہ شاید میری واپسی کے بعد بھی آئی بی کے تینوں ایجنٹوں نے اپنی

Downloaded from https://paksociety.com

اپنی کارروائیاں جاری رکھی تھیں جن کے نتیجے میں وہ تعداد دو سے بڑھ کر پانچ یا چھ تک پہنچ گئی تھی۔

"یہ بات تم نے کہاں سے سن لی؟" میں نے پُرہیجان لہجے میں بنگو سے سوال کیا۔

"ابھی تک ریڈیو یا ٹی وی پر کوئی خبر نہیں آئی۔ سنا ہے کہ سرکار بدنامی سے بچنے کے لیے خبر دبا رہی ہے لیکن ہر طرف زبردست افواہیں پھیلی ہوئی ہیں۔ لوگ کہہ رہے ہیں کہ کوئی پاکستانی ایجنسی ہاتھ دھو کر را اور اس کے نامی گرامی افسروں کی تباہی کے پیچھے پڑ گئی ہے۔"

خبریں دبائی جاتی ہیں تو افواہیں اسی طرح پھیلتی اور پھلتی پھولتی ہیں۔ بنگو کے اس بیان میں حقیقت کا سرا دور تک دستیاب نہیں تھا۔

"اتنی بڑی خبر آسانی کے ساتھ نہیں دبائی جا سکتی۔" میں نے بے یقینی سے کہا "یہ صرف افواہ ہو سکتی ہے۔" اسے جھٹلاتے ہوئے میں خود اپنے الفاظ کا کھوکھلا پن محسوس کر رہا تھا کیونکہ انل اور نریش کو میں خود اپنے ہاتھوں سے موت کے گھاٹ اتار کر آیا تھا۔

"افواہیں اتنے زور سے گردش میں نہیں آتیں۔ امرتسر میں ہر شخص یہی کہانی سنا رہا ہے۔ تم کو اس بارے میں زیادہ معلوم ہونا چاہیے۔" اس نے نیچی آواز میں کہا۔

"وہاں کچھ ہوا ہے تو دہلی والوں کو معلوم ہوگا۔ میں تمہیں بتا چکا ہوں کہ میں انبالہ میں ٹھہرا ہوا تھا۔ وہاں ایسی کوئی افواہ نہیں تھی۔" میں نے سادگی سے جواب دیا۔

اس بار ہم بند آہنی پک اپ کے بجائے کار سے سفر کر رہے تھے اس لیے راستے ہمارے سامنے تھے۔ آثار بتا رہے تھے کہ بنگو کی کار اس کے ٹھکانے کے قرب و جوار میں پہنچ چکی تھی۔ تھوڑی دیر بعد میرے نتھنوں میں وہ بو گھسنے لگی جو گایوں اور بھینسوں کے باڑوں کے آس پاس پائی جاتی ہے۔ ہم لوگ بنگو کے محفوظ ٹھکانے سے لمحہ بہ لمحہ قریب ہوتے جا رہے تھے اور وہ اپنے ماحول سے بے پروا' میرے ساتھ اس افواہ پر بحث میں مصروف تھا۔

ایک ناہموار سڑک اور پھر دھول میں اٹی ہوئی گلی سے گزرنے کے بعد بنگو کی کار اس وسیع احاطے میں پہنچ کر رک گئی۔ جہاں ہم نے اپنے قدموں سے پہلی بار بھارت کی زمین کو چھوا تھا۔ وہ احاطہ اپنی مختصر تعمیرات کے ساتھ جوں کا توں موجود تھا۔ احاطے میں داخلے کا راستہ بدستور کسی پھاٹک یا رکاوٹ سے محروم تھا۔

پچھلی بار ہم وہاں پہنچے تو ہمیں سرحد پار کرانے والی خستہ حال پک اپ سے پہلے ایک پرانی کار بھی کھڑی ہوئی تھی۔

ایک شہری کو کچھ دیر کے لیے دیہی علاقے میں ایک کھیت کے قریب رکنا پڑا۔ اس نے دیکھا ایک دیہاتی رسی کا ایک ٹکڑا لیے درخت سے ٹیک لگائے کھڑا تھا۔ اس نے یونہی تجسس کے تحت پوچھ لیا "بھائی صاحب! یہ آپ کیا لیے کھڑے ہیں؟"

"یہ موسم کا حال معلوم کرنے کا آلہ ہے" دیہاتی نے جواب دیا۔

"کمال ہے...." شہری حیرت سے بولا "ایک رسی کے ٹکڑے سے بھلا موسم کا حال کیسے معلوم ہو سکتا ہے؟"

"بہت آسان طریقہ ہے..." دیہاتی نے جواب دیا "جب یہ ادھر ادھر ہلنے لگتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ تیز ہوا چل رہی ہے اور جب یہ گیلا ہو جاتا ہے تو اس کا مطلب ہوتا ہے کہ بارش ہو رہی ہے۔"

اس روز وہاں کسی دوسری گاڑی کا وجود نہیں تھا کیونکہ بنگو کی کہانی کے مطابق اس کی پک اپ بارڈر سیکیورٹی فورس نے پکڑی ہوئی تھی۔

بنگو ہمیں اپنے ساتھ لے کر اس مختصر کمرے میں پہنچ گیا جہاں ایک بستر اور دو سال خوردہ کرسیاں نظر آ رہی تھیں۔

"میں تمہیں بتا رہا ہوں کہ یہ افواہ نہیں ہے۔" بنگو سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہہ رہا تھا "میں اپنے چکروں میں الجھا ہوا تھا اور مجھے تم سے ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی اس لیے میں نے دہلی کی خبروں پر دھیان نہیں دیا تھا۔ اب میں باہر جاؤں گا تو دیکھوں گا۔ ہو سکتا کہ شام کے اخباروں میں کوئی بات چھپی ہو۔ یہ کوئی اچھی بات نہیں ہے کہ تم پاکستانی ہو اور تمہیں یہ تک نہیں معلوم کہ تمہارے ساتھی یہاں کیا کر رہے ہیں۔"

"تم اور ہم' آپس میں ایک دوسرے کے دوست ہیں مگر ہماری حکومتیں ایک دوسرے کے لہو کی پیاسی ہیں۔ وہ ایک

Downloaded from https://paksociety.com

دوسرے کے خلاف ایسے الزامات لگاتی رہتی ہیں۔ تم کو اس طرح نہیں سوچنا چاہیے۔ میں دو روز پہلے دہلی سے نکلا تو وہاں خوں ریزی کا ایسا کوئی منصوبہ نہیں بن رہا تھا۔ اس قدر اہم لوگوں کو تھوک کے بھاؤ مارنے کے لیے بہت لمبی منصوبہ بندی، مشق اور مہارت کی ضرورت ہوتی ہے۔"

میں غزالہ کے ساتھ کرسی پر بیٹھ چکا تھا۔ کمرے میں تیسری کرسی نہ ہونے کی وجہ سے بنگو مسہری کے سرے پر ٹک گیا تھا۔

"جو ہونا ہے وہ ہو گیا۔ ہم کو اس سے کیا لینا۔ اب تم اپنے مطلب کی بات کرو۔ کل تک تم کو یہیں رک کر انتظار کرنا ہوگا۔ تم اس کے لیے تیار ہو تو میں بی ایس ایف والوں سے پک اپ چھڑانے کے لیے بھاگ دوڑ کرتا ہوں۔"

"مجھے اندازہ ہو رہا ہے کہ تمہارا کام ہمارے مطلب سے زیادہ اہم ہے۔" میں نے اس کے چہرے پر اپنی نگاہیں گاڑ کر کہا "ایمانداری سے بتاؤ کہ ماسٹر سے تمہیں ایسے کاموں کا کیا معاوضہ ملتا ہے؟"

"وہ بہت نرم دل اور سخی آدمی ہے۔ یہ سمجھ لو کہ مجھے اس سے کبھی کوئی شکایت نہیں ہوئی۔" اس نے چالاکی سے گول مول جواب دیا۔

"شاید تمہارے بھگوان نے تمہارا کام بنانے کے لیے ہمیں یہاں بھیجا ہے۔" میں نے ایک ایک لفظ پر زور دے کر کہا "مجھے کھل کر بتاؤ کہ ہمیں امرتسر پہنچانے کے لیے تمہیں ماسٹر نے کتنی رقم دی تھی۔ یہ بات مجھے اس سے بھی معلوم ہو جائے گی۔"

"آتے ہوئے، گوری چمڑی والی این کاویل بھی تمہارے ساتھ تھی۔ مجھے اس پھیرے کے پندرہ ہزار ملے تھے۔ تم چاہو تو میرے اپریٹس پر کوشش کر سکتے ہو۔ ماسٹر مل گیا تو اسی سے بات ہو جائے گی۔ وہ جو کہے، وہی دے دینا۔ میں ابھی ایک گھنٹے میں اپنی پک اپ چھڑا لاؤں گا۔"

"میں بھی یہی سوچ رہا ہوں۔ تمہیں کچھ رقم پیشگی مل سکتی ہے۔ لاؤ اپریٹس نکالو۔" اس کی تجویز سن کر مجھے اپنے اوپر کچھ غصہ آیا کہ میں بنگو کی تحویل میں اپریٹس کی موجودگی سے باخبر تھا۔ یہ بھی جانتا تھا کہ اس کے ذریعے امرتسر میں بیٹھے بیٹھے آئی بی والوں سے بات کی جا سکتی تھی پھر بھی میں اسے بھولا ہوا تھا۔

بنگو نے پھیرے کی بات کر کے مجھے الجھن میں ڈال دیا تھا ورنہ وہ سیدھا سیدھا پانچ ہزار روپے فی کس کا حساب تھا۔ اس کی بات بھی اپنی جگہ درست تھی کہ آدمی ایک ہو یا پانچ، اس کے لیے سفر کی طوالت اور خطرات کی سنگینی یکساں ہوتی ہے۔

بنگو مسہری کے سرے سے اٹھا اور ہمارے کمرے سے نکل کر برابر والے کمرے کے بند دروازے پر جا رکا۔

"اس کا مل جانا ہمارے لیے نعمت سے کم نہیں ہے۔" غزالہ نے اس کی غیر موجودگی میں دھیمی آواز میں کہا۔

"ذہن کو دھار سی لگ گئی ہے۔" میں نے اعتراف کیا "دہلی کی افواہوں کے بارے میں ابھی جلال سے پتا چل جائے گا۔"

"عملی طور پر ہم ابھی تک بھارت میں ہیں لیکن بنگو سے مل کر یوں محسوس ہو رہا ہے جیسے ہم لاہور پہنچ چکے ہوں۔" غزالہ بولی۔

"یہ مہلت کسی بھی لمحے ختم ہو سکتی ہے۔ اگر بنگو کو پتا چل جائے کہ دہلی کی خوں ریزی میں ہمارا ہاتھ تھا تو اس کا رویہ بدل جائے گا۔ اگر انہوں نے ہماری گرفتاری میں مدد لینے والوں کے لیے کوئی بڑا انعام مقرر کر دیا تو بنگو کی نیت بھی ڈانوا ڈول ہو جائے گی۔ یہ پیسے کا بڑا لالچی ہے۔"

بنگو کی اس علاقے میں بہت زیادہ دھاک تھی یا پھر وہ بہت ہی کنگال آدمی تھا کہ اس کے احاطے میں کوئی پھاٹک نہیں تھا۔ ایک کمرے کا دروازہ غیر مقفل رہتا تھا۔ دوسرے کمرے کا مقفل دروازہ بھی اتنا کمزور تھا کہ ایک لات میں اپنی جگہ چھوڑ سکتا تھا پھر بھی کوئی وہاں ناجائز تصرف یا چوری چکاری نہیں ہوتی تھی۔ میرے لیے یہ بات اطمینان بخش تھی کہ اس نے آئی بی کا مخصوص اپریٹس بے پروائی سے کہیں نہیں ڈالا ہوا تھا بلکہ احتیاط سے مقفل کمرے میں رکھا ہوا تھا۔

اسے اپریٹس پر آئی بی کے کسی پاکستانی دفتر سے رابطے کے لیے اپنا خصوصی پاس ورڈ استعمال کرنے کی ضرورت تھی۔ وہ پاس ورڈ اس کے لیے بہت اہم تھا جسے صیغہ راز میں رکھنا ضروری تھا۔ شاید اسی احتیاط کی وجہ سے اس نے احاطے میں کسی سے رابطہ قائم کیا پھر اپریٹس کو بائیں ہاتھ میں اپنے چہرے کے قریب کیے کمرے میں آ گیا۔

"اب میں اپریٹس رگھوبیر کو دے رہا ہوں.... اوور!"

دوسری طرف کی پوری بات سن لینے کے بعد بنگو نے کہا اور اپریٹس مجھے تھما دیا۔

لمحے بھر کے لیے لائن پر پُرشور ریڈیائی توقف برقرار رہا پھر میرے کانوں میں ایک بھاری مردانہ آواز گونجی "بی ایل تھری اسپیکنگ۔ تمہارا کیا حال ہے رگھوبیر۔ اوور!" میرے

Downloaded from https://paksociety.com

لیے وہ آوازنئی اور نامانوس تھی۔

"میں ٹھیک ہوں اور واپسی کے لیے پابہ رکاب ہوں۔ بنگو سے کیا ڈیل ہوگی۔ اس وقت وہ مجھ سے کافی دور چلا گیا ہے.... اوور!" میں نے کن انکھیوں سے بنگو کی طرف دیکھتے ہوئے سوال کیا۔

بنگو نے خود تخلیے سے فائدہ اٹھا کر تنہائی میں اپریٹس پر رابطہ کیا تھا اور یوں اپنا پاس ورڈ ہم دونوں سے بچائے رکھا تھا۔ وہ اس لاسلکی گفتگو میں میری ضرورت سے باخبر تھا۔ اس کے سامنے میں اپنے نامعلوم مخاطب سے کھل کر بات نہیں کرسکتا تھا۔ وہ خاموشی سے ٹہلتا ہوا باہر نکل گیا تھا اور میں نے وہی بات بی ایل تھری کو بتادی تھی۔

"دس ہزار.... ویسے جو کچھ مانگتا ہے' دے دو۔ ہر شخص خیریت سے تمہاری واپسی کا خواہاں ہے۔ تم کو ہر قیمت پر جلد از جلد وہاں سے نکل آنا چاہیے۔ دہلی سے پیغام ملا ہے کہ دو مہروں کے پٹ جانے کے بعد وہاں خوفناک انتقامی فضا بنتی چلی جارہی ہے اور کھل کر سارا الزام ڈینی پر لگایا جارہا ہے.... اوور!"

بنگو کے تعاون کے باوجود مجھے دہلی کے بارے میں کوئی خبر نہیں مل رہی تھی۔ بنگو امرتسر میں پانچ چھ افراد کے قتل کی افواہوں کی کہانی سنا رہا تھا۔ فضا میں اضطراب اور بے یقینی کا راج تھا لیکن لاہور میں بیٹھا ہوا انٹیلی جنس بیورو کا کوئی افسر تازہ ترین حالات سے پوری طرح باخبر تھا۔ اس نے تصدیق کردی تھی کہ دہلی میں صرف دو افراد مارے گئے تھے۔ آئی بی والوں نے دہلی سے میری واپسی کے بعد مزید کوئی غیر ضروری کارروائی نہیں کی تھی۔

یہ بات عابد علی مجھے کئی بار بتا چکا تھا کہ بھارت میں وہ لوگ غیر ضروری معرکہ آرائی اور ہیجان خیزی سے گریز کرتے ہوئے اپنی پوری توجہ اپنے محدود مقاصد کے حصول پر مرکوز رکھتے تھے۔ بے مقصد خوں ریزی ان کے فرائض میں کبھی بھی شامل نہیں رہی تھی۔ لاہور والا عابد کی اس بات کی تصدیق کررہا تھا۔

مجھے یہ جان کر مسرت آمیز حیرت ہوئی تھی کہ دونوں حکومتوں میں سخت کشیدگی کے باوجود لاہور والے دہلی کے تازہ ترین حالات سے باخبر تھے اور مجھے مشورہ دینے کی پوزیشن میں تھے۔ ان کو یہاں تک معلوم تھا کہ میں رگھوبیر کے پاس ورڈ کے ساتھ واپسی کا سفر طے کررہا تھا۔

اس نے مختصر لیکن جامع الفاظ میں مجھے بتا دیا تھا کہ اس وقت میری واپسی ہر چیز پر مقدم تھی۔ مجھے بنگو کے ہر مطالبے کو قبول کرلینا چاہیے تھا۔ دل ہی دل میں' میں خود بھی اس نتیجے پر پہنچ چکا تھا لیکن میرے ذہن میں یہ اندیشہ بھی برا جمان تھا کہ بنگو کم و بیش مستقل بنیادوں پر جلال کے لیے کام کرتا رہتا تھا۔ کہیں میں اپنے اکلوتے کام میں فیاضی کا مظاہرہ کرکے ہمیشہ کے لیے شرحوں کو بھگاڑنے کا سبب نہ بن جاؤں۔

مجھے اس کی زبان سے یہ سن کر حیرت ہوئی تھی کہ بھارتی حکام نے اپنی بے خبری اور ناکامی پر پردہ ڈالنے کے لیے سارا الزام ڈینی کے سر ڈال دیا تھا۔ گو ان کا لگایا ہوا وہ الل ٹپ الزام حقیقت کے عین مطابق تھا لیکن اس کے لیے کوئی جواز یا ثبوت موجود نہیں تھا۔

"میں تمہارے خلوص کی قدر کرتا ہوں۔ تمہارے مشورے پر عمل کرنے کی پوری کوشش کروں گا۔" میں نے بی ایل تھری کو جواب دیا "کیا میں جلال سے بات کرسکتا ہوں۔ اوور!"

اس وقت میرے ذہن میں ہلکی سی جھنجلاہٹ طاری ہوگئی۔ ایریئس پر ہونے والی ریڈیائی گفتگو سو فیصد محفوظ نہیں تھی۔ دہلی میں' میں اس تجربے سے گزر چکا تھا کہ ایوی ایشن ریسرچ سینٹر یعنی آرک کی ایک بھاری اور بکتر بند سکیننگ وین نے گشت کے دوران میں جامع مسجد کے علاقے سے ایک نامعلوم ایجنٹ کو ٹرانسمٹر استعمال کرتے ہوئے رنگے ہاتھوں پکڑلیا تھا۔ گفتگو میں ہر احتیاط لازمی تھی لیکن میں نئے حالات کی پیش بینی نہیں کرسکا تھا ورنہ اس وقت جلال کا نام لینے کے بجائے کوئی متبادل کوڈ استعمال کیا جاسکتا تھا۔

"چیف اس وقت مرکز میں ہیں۔" بی ایل تھری کی آواز ابھری "ان سے بات ہونی ممکن نہیں ہے۔ تم میرے مشورے پر پورا اعتماد کرسکتے ہو۔ اوور۔"

"مجھے تم پر پورا اعتماد ہے۔" میں نے جلدی سے کہا "تمہاری فارمیشن کا ہر آدمی میرے لیے قابل قدر ہے۔ میں چیف سے کچھ ذاتی معاملات پر بات کرنے کا خواہاں تھا۔ اوور!"

"تم ایک خون آشام جال میں گھرے ہوئے ہو۔ گزرتے ہوئے ہر لمحے کے ساتھ خطرات گمبھیر ہوتے جارہے ہیں۔ اس وقت اپنی ساری توجہ اپنی واپسی پر مرکوز رکھو۔ حالات ساز گار رہے تو تمہیں جلد ہی چیف سمیت ہر ایک سے ملنے کا موقع مل جائے گا.... اوور!"

"اس درد مندی کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔ اوور!" میں جذبات سے مغلوب آواز میں اس سے آگے نہ بول سکا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اس کے کہے ہوئے چند پُر خلوص جملوں نے میرے دل کے نہ جانے کون سے تار چھیڑ دیے تھے۔ میرا دل اس کے لیے واقعی ممنونیت کے جذبات سے لبریز ہو گیا۔ اس نے کبھی مجھے دیکھا تھا نہ مجھ سے ملا تھا پھر بھی وہ میری سلامتی کے لیے فکر مند تھا۔ ہم دونوں کے جذبات کم و بیش یکساں تھے کیونکہ ہمارا مقصد ایک تھا۔ اس وقت ہم دونوں وطن کی خدمت کے جذبے سے سرشار تھے۔ فرق صرف یہ تھا کہ وہ اطمینان سے اپنے دیس کی پُر سکون فضاؤں میں بیٹھا ہوا تھا اور میں دشمن کی سرزمین پر اپنی بقا کے لیے جدوجہد کر رہا تھا۔ مقصد کی یکسانیت نے ہم دونوں کو لمحہ بھر میں ایک مضبوط اور نہ ٹوٹنے والے رشتے سے منسلک کر دیا تھا۔

"اب اپریٹس بنگو کو دے دو۔ میں اس سے بات کر لوں اوور!" میرے کان میں بی ایل تھری کی آواز آئی۔

بنگو اس وقت بھی کمرے سے باہر تھا لیکن احاطے میں ایسی جگہ کھڑا ہوا تھا جہاں میں اسے دیکھ سکتا تھا۔ میں نے بے تابی سے ہاتھ ہلا کر اسے اشارہ کیا اور وہ تقریباً دوڑتا ہوا کمرے میں آ گیا۔ اس بار وہ مجھ سے اپریٹس لے کر کمرے سے باہر نہیں گیا۔

"میں پوری کوشش کروں گا لیکن یہ بتا دوں کہ اندھیرا پھیلنے سے پہلے میں یہاں سے نہیں نکلوں گا۔" بنگو نے چند لمحوں تک بی ایل تھری کی بات سننے کے بعد کہا "رات کا اندھیرا ایسے کاموں کے لیے مہربان اور مددگار ثابت ہوتا ہے۔ دن کے اجالے میں ہر طرف خطرات ہی خطرات منڈلاتے رہتے ہیں۔ اوور!"

اس کے بعد وہ زیادہ تر دوسری طرف کی باتیں سنتا رہا اور درمیان میں مختصر جواب دیتا رہا۔

"ٹھیک ہے۔ میں نو بجے کے قریب زیرو پوائنٹ پر پہنچنے کی پوری کوشش کروں گا اوور!" آخر میں اس نے کہا اور وہ کال منقطع کر دی گئی۔

"کیا تم سرحد پار کرنے سے پہلے یہ اپریٹس ضرور استعمال کرتے ہو؟" میں نے بنگو سے پوچھا۔ اسے اپریٹس پر آئی بی کے کسی اہل کار سے گفتگو کرتے ہوئے دیکھ کر اس کی ذات میں میرے اعتماد میں قابل قدر اضافہ ہوا تھا۔

"میں دوسروں کے لیے مال لاتا لے جاتا ہوں تو سب کچھ میری صوابدید پر منحصر ہوتا ہے۔" اس نے مسکراتے ہوئے کہا "ماسٹر کے کاموں کے لیے پلان بنانا پڑتا ہے۔"

"تم کو معلوم ہے کہ ماسٹر کون ہے اور کیا کرتا ہے۔" میں نے اسے ٹٹولنے کے لیے دھیمی آواز میں سوال کیا۔

"پیسے پورے اور بروقت ملتے رہیں تو کچھ سوچنے سمجھنے کی ضرورت نہیں رہتی۔ میرا اندازہ ہے کہ چیف اپنے آدمی یہاں جاسوسی کے لیے بھیجتا ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ لوگ صرف دو کاموں کے لیے کوئی بھی سرحد پار کرتے ہیں۔ جاسوسی یا پھر اسمگلنگ۔"

"ہم لوگ اسمگلر بھی ہو سکتے ہیں۔" میں نے شوشا چھوڑا۔

"مظہر خان! میں اتنا نادان نہیں ہوں۔" اس نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر کہا "اسمگلر خالی ہاتھ کبھی سفر نہیں کرتے۔ ہر پھیرے میں لمبا مال اِدھر اُدھر کرتے ہیں۔ تم لوگوں کے لیے میں نے آج تک کوئی کھیپ نہیں نکالی۔ ان باتوں کو رہنے دو اور اپنے کام سے کام رکھو۔"

وہ بے خبری میں جلال کا آلہ کار نہیں بنا ہوا تھا۔ اس موضوع پر بنگو سے مزید گفتگو کیے بغیر میں نے اندازہ لگا لیا کہ وہ جو کچھ کر رہا تھا' سوچ سمجھ کر کر رہا تھا۔ وہ ایک جگہ ٹک کر' محنت سے کوئی کام کرنے کا عادی نہیں تھا۔ ہر وقت آسانی سے پیسوں کے حصول کے چکر میں لگا رہتا تھا کیونکہ اس نے اپنے اخراجات بہت زیادہ بڑھائے ہوئے تھے۔ بظاہر وہ اکیلا تھا' اس کا وہ ٹھکانا بے سروسامانی کا شاہکار تھا مگر میرا دل کہتا تھا کہ بنگو جیسا عیاش طبع شخص اپنے شب و روز بدبو میں گندھے ہوئے اس اجاڑ احاطے میں نہیں گزار سکتا تھا۔

وہ اس احاطے کو اپنی مجرمانہ سرگرمیوں کے لیے ایک اڈے کے طور پر استعمال کرتا تھا اور ہم جیسے مہمانوں کو بھی اس سے آگے نہیں لے جاتا تھا۔ اس کی زندگی کا ذاتی روپ کہیں زیادہ حسین اور رنگین ہونا چاہیے تھا۔ بنیادی طور پر وہ ایک عیاش طبع آدمی تھا جو خوب صورت عورتوں' شراب اور جوئے کا رسیا تھا۔ وہ تینوں شوق ایسے تھے کہ انہیں پورا کرنے کے لیے قارون کا خزانہ بھی کم پڑ سکتا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ ناجائز ذرائع سے بھاری رقوم کمانے کے باوجود تنگ دستی کے عذاب میں مبتلا نظر آتا تھا۔

اس نے اپنے لیے زندگی کی جن راہوں کا انتخاب کیا تھا' وہاں کردار اور ضمیر کا کوئی دخل نہیں تھا۔ وہ ہر اعتبار سے ایک گھٹیا اور خود غرض آدمی تھا جو اپنے مفاد کے لیے اپنی ذات اور اپنے وطن سمیت سب کچھ بیچ سکتا تھا لیکن روز مرہ کی زندگی میں اس کی کوئی نہ کوئی افادیت بہرحال تھی۔ وہ کسی اور کے نہیں تو میرے اور جلال کے کام آ رہا تھا۔ امرتسر کے نواحی علاقوں کے اسمگلروں کی خدمت کر رہا تھا اور اپنی آمدنی سے نہ جانے کس کس کے روزگار کا وسیلہ بنا ہوا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے پورا یقین تھا کہ وہ دہری زندگی گزار رہا تھا۔ تیسرے درجے کے بدمعاش کے طور پر وہ اجاڑ احاطہ اس کا مسکن تھا۔ فرصت کے لمحات وہ یقینی طور پر کسی آراستہ عشرت کدے میں گزارتا ہوگا جہاں اسے زندگی کی ساری آسائشیں دستیاب تھیں۔

"بی ایل تھری نے بتایا ہے کہ تم مجھے مال دو گے۔" مجھے خاموش پاکر بنگو نے ٹوکا۔ غزالہ اپنا بیگ کرسی پر چھوڑ کر کمرے سے جاچکی تھی۔

"تمہارے حساب سے دو آدمیوں کے دس ہزار روپے ہوتے ہیں۔ ہمیں لانے کے لیے تم نے پانچ ہزار فی کس لیے تھے۔" میں نے کہا۔

"میں نے اس پھیرے کے پندرہ ہزار لیے تھے۔ تم سے بھی وہی لوں گا۔" اس نے سگریٹ سلگا کر جواب دیا۔

"دس ہزار تو تم نے اپنی رہائی کے لیے دیے اور پانچ ہزار بی ایس ایف والوں کو دو گے۔ پندرہ ہزار کا نقصان مجھ سے پورا کرنا چاہ رہے ہو!"

"نقصان تمہارے سامنے ہے۔ قسمت سے تم آگئے ہو تو مجھے سودا کرنے کا پورا حق ہے۔"

"اور اگر میں تمہیں پیشگی کچھ بھی نہ دے سکوں تو تمہارا جواب کیا ہوگا؟ تم ہمارا کام کرو گے؟" میں نے تیکھے لہجے میں پوچھا۔

"بنگو کام سے کبھی انکار نہیں کرتا۔ آگے آمدنی کی امید ہو تو میں کسی سے قرض لے کر بھی اپنا کام چلا سکتا ہوں۔"

"بس، تو پھر ماسٹر ہی تمہارا معاوضہ طے کرے گا اور ادائیگی بھی وہی کرے گا۔" میں نے اسے آزمانے کے لیے کہہ ڈالا۔

وہ پُراعتماد انداز میں ہنسا اور بولا "ٹھیک ہے۔ تم نہیں جانتے کہ ماسٹر کتنا دریا دل آدمی ہے۔ میں اسے اپنی پریشانی کے بارے میں بتاؤں گا تو وہ مجھے پندرہ کیا' بیس ہزار دے دے گا۔ وہ مرد کا بچہ ہے۔ اسے کام کی فکر ہوتی ہے۔ وہ پیسے کی پروا نہیں کرتا۔"

"تم پیسے کی بات اسی سے کرلینا۔ اب تم پک اپ واپس لانے کی تیاری کرو۔" میں نے کہا۔

"پانچ ہزار کے لیے مجھے نہ جانے کس کس کا منہ دیکھنا پڑے گا۔ بی ایل تھری کی باتوں سے پتا چل رہا تھا کہ تم میری طرح کنگلے نہیں ہو۔ مجھے کم سے کم پانچ ہزار تو دے دو تاکہ میں اپنے منحوس دوستوں کا منہ دیکھنے سے بچ جاؤں۔ پیسے مل جائیں تو میرا وقت بھی بچے گا۔"

میں نے گھور کر اس کی طرف دیکھا پھر بریف کیس اپنی گود میں رکھ کر کھول لیا۔

میں نے ہزار کے نوٹوں والی گڈی سے گن کر پہلے پانچ ہزار اور پھر پندرہ نوٹ الگ کرلیے۔ بنگو اپنی ذات میں جیسا بھی تھا۔ ہمارے لیے اپنے ملک اور قوم کو بھولے بیٹھا تھا۔ اس نے ہماری خاطر اپنے ملک سے جو غداری کی تھی' اسے اس کا انعام ملنا چاہیے تھا۔

میں نے بریف کیس بند کرکے پندرہ ہزار روپے اس کی طرف بڑھا دیے۔

نوٹ گنے بغیر ہی اسے رقم کا اندازہ ہوگیا۔ اس نے اپنی جگہ چھوڑ کر بے اختیار میرا ہاتھ چوم لیا۔ اس کی آنکھوں میں یکایک ایک چمک پیدا ہوچکی تھی۔ "تم بھی دیوی کے اوتار معلوم ہوتے ہو۔" وہ نوٹوں کو چومتے ہوئے مسرت آمیز لہجے میں کہہ رہا تھا "آج مجھے یقین ہوگیا کہ سختی کا دوست سختی ہوتا ہے اور سوم کا سوم۔ تم آڑے وقت پر میرے کام آئے ہو۔ میں تمہارا یہ احسان زندگی بھر نہیں بھولوں گا۔ میری دعا ہے کہ تم سدا کامیاب اور کامران رہو۔"

بظاہر وہ اس کی خوشامدانہ باتیں تھیں لیکن مجھے اندازہ تھا کہ وہ ایک ایک لفظ اپنے دل سے ادا کررہا تھا۔

"میری واپسی تک تم دونوں یہیں رہو۔ میں پک اپ نکلوانے کے بعد گودام میں مال اتاروں گا۔ واپسی پر تمہارے لیے کھانے پینے کا کچھ سامان لے کر آؤں گا۔ مجھے ایک ڈیڑھ گھنٹے سے زیادہ وقت نہیں لگے گا۔" اس نے میرے دیے ہوئے نوٹ احتیاط سے اپنی جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

باتھ روم سے غزالہ کی واپسی سے پہلے وہ عجلت میں وہاں سے روانہ ہوگیا۔ اسے اندیشہ تھا کہ اس کی مال سے لدی ہوئی ایک پک اپ زیادہ دیر تک بی ایس ایف والوں کے قبضے میں رہی تو چوری ہوتے ہوتے اس کا آدھا مال غائب ہوجائے گا۔

اسے رخصت کرکے میں دوبارہ کمرے میں آگیا۔ احاطے میں پھیلی ہوئی سورج کی تیز روشنی دھیرے دھیرے کمرے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ کھلے ہوئے دروازے سے باہر تیز دھوپ اور دھول میں اٹا ہوا احاطہ دیکھ کر یوں محسوس ہورہا تھا جیسے میں کسی کھلے میدان میں سایہ دار جگہ پر بیٹھا ہوا ہوں۔ میں نے دروازے کے پٹ بند کردیے۔

تھوڑی دیر بعد غزالہ بھی لوٹ آئی۔ اس کے بال نم تھے۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تم صبح ہوٹل میں نہائی تھیں تو یہاں دوبارہ غسل کرنے کی کیا ضرورت پیش آگئی۔" میں نے معنی خیز لہجے میں پوچھا۔

"مجھے بنگو کے قرب سے وحشت ہو رہی تھی اس لیے میں کمرا چھوڑ کر غسل خانے میں چلی گئی۔ یہ مجھے گھناؤنا آدمی معلوم ہوتا ہے۔" غزالہ نے اپنے گیلے بال سمیٹتے ہوئے کہا۔

"اور مجھے اس پر پیار آرہا ہے۔ اس وقت وہی ہماری واپسی کی کلید ہے۔"

"کلید ضرور ہے مگر بھدی اور کریہہ ہے۔" وہ ہنس کر بولی "اس سے کب تک ہمارا پیچھا چھوٹے گا۔"

"وہ اپنی پک اپ کے مسئلے سے نمٹ لے تو پورا دن اسی کے ساتھ گزرے گا۔ رات بلکہ شام کا اندھیرا پھیلنے سے پہلے ہماری روانگی قرین مصلحت نہیں ہوگی۔"

"بی ایل تھری۔ بنگو کے بارے میں کیا بتا رہا تھا۔" غزالہ اپنے بال سمیٹ کر بستر پر میرے قریب بیٹھ گئی۔

"آئی بی والے اس پر آنکھیں بند کر کے بھروسا کرتے ہیں۔ انہیں اس کی وفاداری پر ذرا بھی شبہ ہوتا تو اسے اپریٹس نہ دیا جاتا۔"

"اور رقم کا کیا بنا؟ وہ پیسوں کے لیے سخت پریشان تھا۔"

"میں نے پندرہ ہزار روپے دے دیے۔ وہ خوشی سے نہال ہوگیا۔" میں نے بتایا۔

"اب یہ بوجھ بھی آپ کے سر آگیا۔ پندرہ ہزار روپے کم نہیں ہوتے۔ ہمارا یہ خرچ آئی بی کو ادا کرنا چاہیے تھا۔"

"بعض اوقات تم بہت چھوٹی باتیں سوچنے لگتی ہو۔ میں چاہوں تو جلال سے لاکھوں روپے لے سکتا ہوں۔ وہ منہ نہیں موڑے گا۔ تم کو یاد نہیں کہ رستم والے قصے میں' میں نے اپنے پاس سے جو خطیر رقم ادا کی تھی' وہ اول خان سے ایک چیک کی صورت میں واپس مل گئی تھی۔

"اول خان کی اور بات ہے۔ جلال کے بارے میں مجھے کوئی تجربہ نہیں ہے۔"

"رقم جلال ہی دیتا۔ میں نے یہ ادائیگی بنگو کی خوشنودی کے لیے کی ہے۔ اب وہ دل وجان سے ہمارے لیے کام کرے گا۔ تم کو اندازہ نہیں ہے کہ اس وقت میں کیسے ذہنی کرب سے گزر رہا ہوں۔ یہاں ہمارا ایک ایک لمحہ خوف میں گزر رہا ہے۔ پتا نہیں ہمارے دشمنوں کو کب مظہر خان کا خیال آجائے۔"

"آپ بلاوجہ اتنا سنجیدہ ہو رہے ہیں۔ میں نے سرسری طور پر ایک بات کہہ دی تھی۔ ویسے بھی کن بوٹ کی فروخت سے حاصل ہونے والی رقم بہت خطیر تھی۔ شاہانہ خرچوں کے باوجود اس میں کوئی نمایاں کمی نہیں ہوئی ہے۔"

"شاید وہی میری زندگی کا یادگار موڑ تھا۔ وسائل کے بغیر کوئی کچھ نہیں کر سکتا۔ کمانے کی فکر نہ ہو تو ہر شخص بہت بڑے کارنامے سرانجام دے سکتا ہے۔"

"ہر شخص والی بات بالکل غلط ہے۔" اس نے مسکرا کر اعتراض کیا "دنیا میں لاکھوں کروڑ پتی ہیں لیکن وہ دن رات ارب پتی بننے کے چکر میں لگے ہوئے ہیں۔ کسی کو ملک اور قوم کا درد محسوس نہیں ہوتا۔ کارناموں کا تعلق نیت اور حوصلے سے ہوتا ہے۔"

"میں نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ اس کی بات بڑی حد تک درست تھی۔ انسان کے کچھ بننے یا کچھ بھی نہ بننے کا انحصار اس کی نیت اور ارادوں پر ہوتا ہے۔ بنگو کی مثال ہمارے سامنے تھی۔ وہ منصوبہ بندی' سازشوں اور جوڑ توڑ میں مہارت رکھتا تھا۔ محض اپنے ان خواص کی بنا پر وہ ایک کامیاب ترین سیکرٹ ایجنٹ بن سکتا تھا لیکن اس کی وہ سوچ ہی نہیں تھی۔ وہ سہل پسند اور کاہل آدمی تھا۔ کسی پر خطر پیشے میں جانے کے بجائے ذلتوں کی دلدل میں جا گرا تھا۔

اس امر میں کوئی کلام نہیں تھا کہ میرے دل میں اس کے لیے احترام کے جذبات پیدا ہو چکے تھے۔ اس کا سبب یہ تھا کہ وہ ہماری دشمن قوم کا فرد ہونے کے باوجود ہمارا ہمدرد اور خیر خواہ تھا۔ مجھے یقین تھا کہ وہ آخر کار انتہائی ذلت کی موت مارا جائے گا۔ اس کے کرتوتوں پر اس کا کوئی ہم نسب فخر نہیں کر سکتا تھا۔

جب تک بی ایل تھری سے رابطہ نہیں ہوا تھا' میں اپنے سفر کے بارے میں بہت سے تحفظات کا شکار تھا۔

دو پڑوسی ملکوں کے درمیان خوش گوار تعلقات ہوں تو سرحدی پٹی پر مامور نگرانوں اور فوجیوں کی زندگی بہت خوش گوار ہو جاتی ہے۔ وہ شہری پولیس کے انداز میں اپنی گشتی ڈیوٹیاں انجام دیتے ہیں اور پکنک جیسے رنگا رنگ ماحول میں اپنے شب و روز گزارتے ہیں لیکن جب دونوں طرف مخاصمانہ جذبات عروج پر ہوں تو یہ ماحول انتہائی کشیدہ اور خون آشام ہو جاتا ہے۔

پاکستان اور بھارت کے درمیان ایسی سرحدی تلخیاں شاید کبھی بھی کم نہیں ہو سکی تھیں۔ دونوں سرحدوں کے محافظ دن رات حالتِ جنگ میں رہنے کے عادی تھے اور پتا کھڑکتے ہی شاید بھڑک کر فائرنگ شروع کر دیتے تھے۔ ہمیں امرتسر سے لاہور پہنچنے کے لیے پہلے بھارت اور پھر پاکستان کے خطرناک فوجی علاقوں سے گزرنا تھا۔ اگر بنگو سے

Downloaded from https://paksociety.com

اندازے کی کوئی سنگین غلطی نہ ہوتی تو وہ ہمیں آسانی کے ساتھ بھارتی فوجیوں سے بچالے جاتا۔ وہ انہیں جل دینے کے طریقوں سے واقف تھا اور ان سے لین دین کرنے کے گر سے بھی واقف تھا۔ پاکستانی علاقے میں اس کی یہ برتری ختم ہوجاتی کیونکہ وہ اس کے لیے اجنبی ملک تھا۔

اگر وہ کسی پیشگی بندوبست کے بغیر پاکستان کی سرحد عبور کرنے کی کوشش کرتا تو کہیں بھی پاکستانی فوجیوں کے نرغے میں آسکتا تھا۔ وہ اسے للکارتے اور وہ فرار ہونے کی کوشش کرتا جس کا نتیجہ بارودی آگ کی برسات کی صورت میں برآمد ہوسکتا تھا۔ میرے لیے یہ تصور سوہانِ روح تھا کہ دشمن کی سرحد پار کرنے کے بعد ہم اپنی زمین پر اپنے ہی رکھوالوں کی گولیوں کا نشانہ نہ بن جائیں۔ بی ایل تھری سے بنگو کی تفصیلی بات ہونے کی بعد مجھے یہ اطمینان ہوچکا تھا کہ پاکستان کے ایک ذمے دار افسر کو ہمارے پروگرام کا علم ہوچکا تھا۔ اس کی متوقع پیش بندیوں کی وجہ سے حادثاتی طور پر ہمارے مارے جانے کے اندوہناک امکانات ختم ہوگئے تھے۔

"جب سے بنگو نے دہلی میں پانچ چھ افسروں کے قتل کی افواہ سنائی ہے۔ مجھے عابد اور اس کے ساتھیوں کی طرف سے تشویش ہورہی ہے۔" غزالہ نے کمرے میں چھایا ہوا سکوت توڑا "بعض اوقات ضرورت سے زیادہ پُرجوش ہونا مہلک ثابت ہوتا ہے۔"

میں دھیرے سے ہنس پڑا اور چونک کر بولا "میں اس بارے میں تم سے بات کرنا بھول ہی گیا تھا۔ بی ایل تھری نے تصدیق کی ہے کہ دہلی میں صرف دو آدمی مارے گئے ہیں۔ وہ انل اور نریش ہی ہوسکتے ہیں۔"

غزالہ کا چہرہ کھل اٹھا "میں اس وقت اسی نکتے پر سوچے جارہی تھی۔ ذہن میں ایک خیال یہ بھی آرہا تھا کہ کہیں بے ہوش کیے جانے والوں میں سے تین چار ڈوز کی زیادتی کی وجہ سے نہ چل بسے ہوں۔ یہ بات آپ نے بنگو کو بھی نہیں بتائی۔"

"اس کے لیے دو یا چھ کے مرنے سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔" میں نے کہا "ویسے بھی وہ باہر کا آدمی ہے۔ اسے یہ بتانے کی ضرورت نہیں تھی کہ جلال اور اس کے ساتھی دہلی کے معاملات میں اتنی گہری دلچسپی لیتے ہیں۔ تم اپریٹس پر دنے والی دو طرفہ باتیں سن رہی تھیں۔ حیرت ہے کہ تم نے دہلی میں دو مہروں کے پٹنے کی بات نہیں سنی۔"

"اس وقت میری توجہ بنگو پر مرکوز تھی جو اپریٹس آپ کے حوالے کرتے ہی سر جھکا کر کمرے سے باہر نکل گیا تھا۔ مجھے توقع نہیں تھی کہ وہ اتنی سمجھ داری سے کام لے گا۔"

بنگو سے ملاقات اور پھر بی ایل تھری سے بات ہونے کے بعد ہمارے ذہنوں میں واپسی کا ایک واضح نقشہ ترتیب پاچکا تھا۔ ہم دونوں بنگو کی واپسی کے انتظار میں اِدھر اُدھر کی باتیں کرتے رہے۔ اس وقت تک باہر سے کوئی بھی مخل نہیں ہوا تھا۔ یوں محسوس ہورہا تھا جیسے بنگو آس پاس رہنے والوں سے کوئی میل جول نہیں رکھتا تھا۔

وہ اپنے وعدے کے مطابق سوا گھنٹے میں لوٹ آیا۔ احاطے میں اس کی گاڑی کے انجن کی آواز سن کر میں نے کمرے کا دروازہ کھول دیا۔ مجھے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ

اصل وجہ

مغرب میں بعض دکانوں پر لگے ہوئے بورڈز کے مضامین قابل غور بھی ہوتے ہیں اور قابل داد بھی۔ ایک دکان جس پر ان خواتین کی ضرورت کا سامان ملتا تھا جو ماں بننے والی تھیں.... اس پر بورڈ لگا تھا۔

"بہتر تو یہی تھا کہ اس رات آپ ٹی وی ہی دیکھتی رہتیں۔"

ایک دکان پر لکھا تھا "خواتین کے لیے یہاں پر ہر چیز دستیاب ہے.... سوائے مردوں کے۔"

جوتوں کی ایک دکان پر لکھا تھا "اندر آیئے.... جوتا حاضر ہے۔"

فرانس میں ایک دکان پر لکھا تھا "یہاں انگریزی اور فرانسیسی بولی جاتی ہے اور کیش زبان سمجھی جاتی ہے۔"

ایک نرسری پر لکھا تھا "ہمارے ہاں کے پودے بہت تیزی سے بڑھتے ہیں۔ بس پانی دیجیے اور چھاؤں میں بیٹھ جایئے۔"

نیویارک کے سے باہر ایک بورڈ لگا تھا "اب آپ نیویارک سے نکل رہے ہیں۔ سانس لینا شروع کردیجیے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

پک اپ کے بجائے اسی گاڑی سے واپس آیا تھا جس میں ہمیں اس اڈے تک لایا تھا۔

وہ اپنے ہاتھ میں کئی اخبارات لیے گاڑی سے برآمد ہوا اور ہاتھ لہراتا ہوا ہماری طرف چلا آیا۔ اس کے دوسرے ہاتھ میں وزنی شاپنگ بیگ تھا۔

"دہلی میں صرف دو افسر مارے گئے ہیں۔" اس نے اخبار میری طرف بڑھاتے ہوئے اس انداز میں اعلان کیا جیسے چھ کے بجائے محض دو افراد کے قتل کی خبر سے اسے مایوسی ہوئی ہو۔ "میں تمہارے لیے شام کے انگریزی اخبار لے آیا ہوں۔"

میں نے ہندی اخباروں میں سے چار صفحوں کا انگریزی اخبار الگ کیا۔ اس کی شہ سرخی میں میری اصل عرفیت موجود تھی۔

اس اخبار نے اپنے قارئین میں سنسنی پھیلانے کے لیے قاتل ڈینی دہلی میں' کی سرخی جمائی تھی۔ میں نے کھڑے کھڑے وہ خبر پڑھنی شروع کردی۔ غزالہ متجسس انداز میں میرے ساتھ آ کھڑی ہوئی تھی۔

میرے تعارف کے لیے اخبار نے پاکستانی ایجنسیوں کے پالے پوسے ہوئے سفاک قاتل کے الفاظ استعمال کیے تھے۔ قبیح سات بجے انل بسواس کی لاش دریافت ہوئی تھی۔ اس کے پندرہ منٹ بعد یہ خبر آئی کہ نریش بھی اسی رات موت کے گھاٹ اتارا جاچکا تھا۔

بھارتی سرجنوں نے میری توقع سے کہیں زیادہ تیزی دکھائی تھی اور دونوں لاشیں دریافت ہونے کے ایک گھنٹے میں یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ نریش کمار کی موت لیزر شعاعوں کے ذریعے اس کے دل میں ہونے والے سوراخ کی وجہ سے ہوئی تھی۔ خبر میں بیم گن کے لیے لیزر گن کی اصطلاح استعمال کی گئی تھی۔ را کے ذمے دار افسروں کا کہنا تھا کہ وہ جدید ترین اور مہلک ہتھیار ڈینی کی خاص پہچان بنا ہوا تھا۔ نریش کے قتل میں لیزر گن کا استعمال اس بات کا واضح ثبوت تھا کہ خطرناک پاکستانی دہشت گردوں کے بھارت میں گھس آنے کی خبریں درست تھیں۔ ڈینی اپنے گروہ کے ساتھ دہلی میں موجود تھا اور خاموشی سے را کے مفادات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچانے میں مصروف تھا۔

خبر میں دہلی کی انتظامیہ کو ملامت کی گئی تھی کہ ہوٹلوں کی کڑی چھان بین اور پاکستانیوں کی جانچ پڑتال کے باوجود وہ ڈینی جیسے مجرم کا سراغ لگانے میں بری طرح ناکام رہی تھی اور دہلی میں مرکزی حکومت کی ناک کے نیچے دہشت گردی کے واقعات کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔

اخباری نمائندے کے مطابق یہ نتیجہ بھی اخذ کرلیا گیا تھا کہ اگر نریش کو مارنے کے لیے لیزر شعاعیں استعمال نہ کی گئی ہوتیں تو دہلی میں کسی کو علم نہ ہو تا کہ ڈینی اپنے مخصوص اہداف لے کر دہلی پہنچا ہوا ہے۔

دہلی پولیس کے ایک بڑے افسر نے اپنا نام ظاہر نہ کرنے کی استدعا کے ساتھ یہ خیال ظاہر کیا تھا کہ ایک قتل میں ڈینی نے دانستہ لیزر گن استعمال کی تھی تاکہ اس طرح وہ دہلی میں اپنی موجودگی کا اعلان کرکے اعلیٰ سرکاری افسروں میں خوف و ہراس کی لہر دوڑا سکے۔

سانپ نکل چکا تھا اور دہلی کی انتظامیہ لکیر پیٹنے میں مصروف تھی۔ ڈینی کی بربریت کا متوقع نشانہ بننے والے سرکاری افسروں اور سرکردہ لیڈروں کے لیے فوری طور پر مسلح محافظوں کی ٹکڑیاں مامور کردی گئی تھیں اور دہلی کے اہم سرکاری علاقوں میں جنگ کا سا سماں نظر آنے لگا تھا۔

اخبار میں ایک طرف میری موجودگی کا اعلان تھا۔ دوسری طرف دہلی میں بڑے پیمانے پر پکڑ دھکڑ اور چھاپوں کی اطلاعات تھیں۔ سارے جرائم میرے سر تھوپ دیے گئے تھے اس لیے یہ اندازہ لگانا مشکل نہیں تھا کہ وہ ساری کارروائیاں دہلی کے مسلمانوں کے خلاف نہیں تھیں مگر اخبار میں اس بدترین مذہبی امتیاز کا کوئی تذکرہ نہیں تھا۔

میں نے بہت غور سے اخبار کے چاروں صفحے دیکھ ڈالے لیکن مجھے کہیں بھی مظہر خان اور غزالہ کے نام نظر نہیں آئے۔ شہر میں ایک نامور مجرم کی موجودگی کے ہراس میں مبتلا ہوکر اعلیٰ افسروں نے چھوٹے موٹے مشتبہ افراد کو یکسر نظر انداز کردیا تھا۔

وہ قدرت کی طرف سے ایک غیبی تائید تھی۔ اشارے مل رہے تھے کہ ہم دونوں کو حفاظت کے ساتھ امرتسر بلکہ بھارت سے نکل جانے کی مہلت مل چکی تھی۔ مجھے پورا یقین تھا کہ جوں ہی کسی افسر کو یہ خیال آگیا کہ ڈینی کسی غیر معروف روپ میں دہلی کی عام آبادی میں روپوش ہے تو سب سے پہلے مظہر خان کا نام اس کی توجہ کا مرکز بنے گا اور پھر ہر طرف اسی نام کا شہرہ ہوجائے گا۔ میں نے اخبار ختم کرکے ایک طرف ڈال دیا۔

"یہ سالا ڈینی بھی کوئی چھلاوا لگتا ہے۔" بنگو نے بدمزگی سے کہا "اخبار والوں نے اسے بلاوجہ ہیرو بنایا ہوا ہے۔ ہر دو چار مہینے بعد اس کے نام کی سرخیاں لگتی ہی لگتی ہیں۔ کبھی وہ پاکستان میں ہمارے آدمی مار دیتا ہے' کبھی امریکا میں ان کا پیچھا کرتا ہے اور اب تو حد ہوگئی کہ وہ دہلی میں دندنا رہا ہے اور اسے پکڑ کر اس کا سر کچلنے کے بجائے اس کے نام سے

Downloaded from https://paksociety.com

شریف لوگوں کو ڈرایا جارہا ہے۔ معلوم ہوتا ہے پولیس، را اور سی آئی ڈی میں سب نامرد ہوگئے ہیں۔"

"یہ سب سرکاری افسروں کا ڈراما ہے۔" غزالہ نے وثوق سے اسے مزید گمراہ کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا "وہ اپنی کھال بچانے کے لیے ایسے نام اور کردار گھڑتے رہتے ہیں تاکہ ہر ٹیڑھا جرم اس کے سر ڈال کر آرام سے بیٹھے رہیں اور کوئی ان سے باز پرس نہ کرے۔ تم میری بات لکھ لو کہ وہ کبھی ڈینی کو نہیں پکڑ سکیں گے۔"

"بھاڑ میں ڈالو ڈینی کو۔ اپنی پیٹ پوجا کی فکر کرو۔" اس نے اپنے لائے ہوئے شاپنگ بیگ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "کھانا ٹھنڈا ہوجائے گا۔"

بنگو احاطے میں بنے ہوئے باورچی خانے سے پلیٹیں لے آیا۔ غزالہ نے کھانا نکالا اور جس کو جہاں جگہ ملی اس نے وہیں بیٹھ کر اپنی شکم پری شروع کردی۔

"یہ بہت اچھا ہوا کہ تم ڈینی ڈراما شروع ہونے سے پہلے دہلی سے نکل آئے۔" بنگو نے لقمہ چباتے ہوئے کہا "پولیس والے اب مسلمانوں کا دہلی سے نکلنا مشکل کردیں گے اور تم دونوں صرف مسلمان نہیں، پاکستانی بھی ہو۔ وہ تمہارے کپڑے تک اتروا دیتے۔"

"ہمیں ڈینی اور اس کے چکروں سے کیا لینا۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا "تم آج ہمیں یہاں سے نکال دو پھر جو ہوتا ہے، ہوتا رہے۔"

"سب اُلّو کے پٹھے ہیں۔" بنگو اس ذکر میں دلچسپی لے رہا تھا "میری بات لکھ لو کہ کسی اور نے لیزر گن استعمال کرکے ڈینی کو مروانے کی کوشش کی ہے۔ دنیا کا کوئی مجرم اتنا بے وقوف نہیں ہوتا کہ واردات کے بعد اپنے خلاف کوئی کھلا ثبوت بھی چھوڑ دے۔"

"پھر تمہاری دانست میں یہ حرکت کس کی ہوسکتی ہے؟" میں نے اسے اکسایا۔

"لیزر گن، انفرا ریڈ چشمے اور دوربینیں پہلے فلموں میں دکھائی جاتی تھیں اب سنا ہے کہ امریکا میں عام ہیں۔ ڈینی کے پاس ایک گن ہوگی۔ سی آئی اے والے چاہیں تو سو گنیں لاسکتے ہیں یہ ان ہی کی حرکت ہوسکتی ہے۔ وہ پکے حرامی ہیں۔"

"وہ را کے افسروں کو کیوں ماریں گے؟ ان سے سی آئی اے کی گہری دوستی ہے۔"

"امریکی کسی کے دوست نہیں ہوتے۔ وہ اپنے مطلب کے لیے دوستی کرتے ہیں۔ ہوسکتا ہے کہ انل بسواس اور نریش نے سی آئی اے والوں کا کوئی حکم ماننے سے انکار کیا ہو اور انہوں نے دونوں کو اس طرح مروا دیا کہ الزام ان کے سر نہ آئے۔ تمہیں پورے اخبار میں کہیں سی آئی اے کا نام نہیں ملے گا۔"

"تم بلاوجہ ان باتوں میں اپنا سر کھپا رہے ہو۔" غزالہ نے اس کی جذباتی اور احمقانہ تاویل پر کہا "یہ بتاؤ کہ تمہاری پک اپ کہاں ہے۔"

"تیئیس ہزار میں سودا بن گیا۔" اس نے فخر سے بتایا "میری جیب گرم تھی۔ میں نے دو ہزار توڑ لیے۔ نوٹ دیکھ کر بی ایس ایف کے کرنل کی رال ٹپکنے لگی تھی۔ گاڑی گودام میں خالی ہورہی تھی ہے۔ میرا آدمی اسے لے آئے گا۔ میں تم دونوں کی وجہ سے جلدی لوٹ آیا۔"

"تمہارا آدمی پک اپ لے کر یہاں آئے گا؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"پھر اور کہاں جائے گا۔ میرے پاس گاڑیاں کھڑی کرنے کے لیے یہی ایک جگہ ہے۔" اس نے شانے اچکا کے جواب دیا۔

"جب تک ہم دونوں یہاں ہیں، اپنے آدمیوں کو دور رکھو۔ ہم کسی کے سامنے آنا پسند نہیں کریں گے۔"

"تم فکر نہ کرو۔ کوئی کمرے میں نہیں آئے گا۔ باہر سے گاڑی چھوڑ کر چلا جائے گا۔ ضرورت ہوئی تو میں باہر جاکر اس سے مل لوں گا۔" بنگو نے تسلی دی۔

"کیا رات کو ہمیں اسی پک اپ سے سفر کرنا پڑے گا؟" غزالہ نے منہ بنا کر پوچھا۔

"مجبوری ہے۔ ایسے کاموں کے لیے میرے پاس وہی ایک گاڑی ہے۔" بنگو نے بے چارگی سے کہا "اس سفر میں

مکالمے

○... ایک صاحب نے ایک نہایت خوب صورت لڑکی کو دفتر میں ملازم رکھتے ہوئے کہا "جب تم یہاں دوسرے کارکنوں کی تیز تیز سانسوں کی آوازیں سننے کی عادی ہوجاؤ گی تو پھر تمہیں کام میں زیادہ دشواری محسوس نہیں ہوگی۔"

○... ایک خاتون ایک صاحب سے کہہ رہی تھیں "اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ ایک نہایت رومینٹک شوہر ہیں لیکن اس وقت آپ غلط اپارٹمنٹ میں آگئے ہیں..."

Downloaded from https://paksociety.com

تمہیں بے آرامی تو ہوگی مگر پیچھے کے لوہے کے کیبن کی وجہ سے وہ محفوظ ہے۔ سفر بھی زیادہ لمبا نہیں ہے۔"

"پر سوں تم پکڑے گئے تھے۔ ایسا نہ ہو کہ آج پھر دھر لیے جاؤ۔" میں نے اندیشہ ظاہر کیا۔

"آج تو میں نئی شان کے ساتھ جاؤں گا۔" اس نے اپنا سینہ پھلا کے کہا "پک اپ کا سودا ہونے کی وجہ سے کرنل سے میری دوستی ہوگئی ہے۔ رات کی راہ داری کے لیے میں نے اسے ہزار روپے دے دیے ہیں۔ اس کی ایک گاڑی ہمیں سرحد تک پہنچائے گی۔ بی ایس ایف والے مال بنانے کے ہر موقع سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔"

"تم نے اسے بتا دیا ہے کہ آج تم دو آدمیوں کو سرحد پار لے جا رہے ہو؟" میں نے پوچھا۔

"گاڑی لے جانے کی بات ہوئی ہے۔ اب یہ میری مرضی ہے کہ اسے خالی لے جاؤں یا اس میں ہیروئن بھر لوں۔"

"جانتے ہو کہ منوں ہیروئن کی مالیت کتنی بنتی ہے۔" میں نے اس کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"بی ایس ایف والے ہم سے زیادہ کمائیاں ہیں۔ وہ جانتے ہیں کہ کروڑوں کا مال لے جانے کے لیے کوئی ایسی پھٹیچر پک اپ استعمال نہیں کرے گا۔ بڑے کاموں میں تیز رفتار والی نئی اور طاقت ور ہیوی ڈرائیو گاڑیاں استعمال ہوتی ہیں۔"

"تو کیا تم نے جان بوجھ کر اپنی پک اپ کو خراب حالت میں رکھا ہوا ہے؟" غزالہ نے پوچھا۔

"کون کہتا ہے کہ میری پک اپ خراب حالت میں ہے؟" اس نے تیزی سے سوال کیا پھر خود ہی بولنے لگا "اس کا انجن بہت جان دار اور اچھی حالت میں ہے۔ باڈی میں نے کم پیسوں میں بنوائی ہے۔ بارڈر والے مال نہیں دیکھتے' گاڑی دیکھتے ہیں۔ مجھ سے انہوں نے کبھی دو چار ہزار روپے سے زیادہ کی امید نہیں کی۔ لینڈ کروزر ہو تو لاکھوں سے نیچے بات نہیں ہوگی۔ ان سالوں کی ذہنیت بہت خراب ہوتی ہے۔ میں نے تو سوچ لیا ہے کہ کبھی مقدر نے ساتھ دیا تو بھی پھیروں کے لیے گاڑی نہیں بدلوں گا۔ اسی کو ٹھیک ٹھاک کرالوں گا۔"

کھانے اور باتوں سے فارغ ہونے کے بعد بنگو اٹھ گیا۔ "تم دونوں آرام کرو۔ میں برابر والے کمرے میں ہوں' کوئی ضرورت ہو تو بلا لینا۔"

وہ بدمعاش ضرور تھا مگر تہذیب سے یکسر عاری نہیں تھا۔ اس نے ہمارے سروں پر مسلط رہنے کے بجائے کمرے سے ٹل کر نہایت شائستگی کا ثبوت دیا تھا۔

"شام کو دارو پینے کا ارادہ ہو تو میرے کمرے میں آجانا" اس نے دروازے پر رک کر مجھے دعوت دی "آج میں نے تین ولایتی بوتلیں منگوائی ہیں۔ یہاں سے شہنشاہ بن کر سفر پر روانہ ہوں گے۔"

تین بوتلوں اور شہنشاہی کا ذکر سنتے ہی میرا ماتھا ٹھنک گیا اور میں نے سختی سے کہا "بنگو! آج تم شراب کو ہاتھ نہیں لگاؤ گے۔ میں یہ پسند نہیں کروں گا کہ تم اپنی بادشاہی کی ترنگ میں کسی سے الجھ پڑو اور ہمارا سارا پروگرام درہم برہم ہو جائے۔"

وہ رک کر ہنسنے لگا "بس' اتنی سی بات سے ڈر گئے۔ تم نے آج کے کام کے پیشگی پیسے دے کر مجھ پر احسان کیا ہے۔ میں تمہاری بات مان لوں گا۔ شوق کا کیا ہے' وہ واپس لوٹ کر بھی پورا کیا جا سکتا ہے۔ مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم سوکھے مسلمان ہو۔"

میں نے اٹھ کر اندر سے دروازہ بولٹ کیا اور مسہری پر دراز ہوگیا۔ غزالہ مجھ سے پہلے لیٹ چکی تھی۔

بنگو کا لایا ہوا کھانا ذائقے میں لذیذ اور مقدار میں وافر تھا اس لیے میں نے شکم سیر ہو کر کھایا تھا۔ خلوت اور سکون میسر آتے ہی میرے ذہن پر غنودگی طاری ہونے لگی اور میں اونگھتے اونگھتے نیند کی وادیوں میں اتر گیا۔

غزالہ نے جھنجھوڑ کر مجھے بیدار کیا تو کمرے میں اندھیرا پھیلا ہوا تھا۔ باہر دھندلکا گہرا ہوتا جا رہا تھا کیونکہ راہوار مشرق اپنے دن بھر کے سفر کے آخری مرحلے پر تھکے تھکے انداز میں غروب ہو رہا تھا۔

میں نے ہڑبڑا کر مسہری چھوڑی اور کمرے سے نکل کر غسل خانے کی طرف ہولیا۔ بنگو اپنے کمرے کے سامنے' کھلے آسمان تلے کرسی ڈالے بیٹھا تھا۔ اس کی پک اپ واپس آچکی تھی اور اس کے وعدے کے مطابق دور تک کوئی چوتھا متنفس نظر نہیں آرہا تھا۔

میں غسل خانے سے نکلا تو بنگو اپنی کرسی سمیت غائب تھا۔ اس کے روشن کمرے کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ میں اپنے کمرے کے بجائے وہیں چلا گیا۔ وہ کمرا زیادہ صاف اور آراستہ تھا۔ مجھے افسوس ہوا کہ بنگو نے ہم دونوں کو وہاں آرام کرنے کی دعوت نہیں دی۔

بنگو زمانہ شناس آدمی تھا۔ میرے تیور بھانپ گیا اور جلدی سے بولا "میں تم کو یہی کمرا دیتا مگر میں نے سوچا کہ غزالہ برا نہ مان جائے۔ دراصل ان تصویروں کی وجہ سے میں نے

Downloaded from https://paksociety.com

تم دونوں کو برابر والے کمرے میں رکھا تھا۔"

اس کے توجہ دلانے پر بات میری سمجھ میں آگئی۔ اس کمرے کی تین دیواروں پر مردوں اور عورتوں کی بڑی بڑی رومانی تصویریں آویزاں تھیں۔ ان رنگین تصاویر کی عریانیت کسی بگڑے ہوئے مرد کے ذوق نظر کی تسکین کا سبب بن سکتی تھی لیکن غزالہ جیسی خانہ دار عورت کے لیے وہ تصویریں خاصی فحش تھیں۔ بنگو نے سوچ سمجھ کر بالکل صحیح فیصلہ کیا تھا۔ مجھے اس بات سے بھی خوشی ہوئی کہ اس کے کمرے کی فضا میں الکحل کی ذرا بھی بو نہیں تھی۔ اس کی منگوائی ہوئی تینوں بوتلیں الماری پر رکھی ہوئی تھیں۔

"اب نکلنے کی تیاری کرو۔ سب کچھ ٹھیک ٹھاک رہا تو تم دونوں رات کا کھانا لاہور میں کھاؤ گے" کچھ دیر کے سکوت کے بعد اس نے کہا۔

"ہمیں تیار ہی سمجھو" یہ کہہ کر میں مسکراتا ہوا اس کے کمرے سے نکل گیا۔

ہمیں کسی فیشن شو میں نہیں' اپنے وطن واپس جانا تھا۔ وہ مرحلہ اس قدر اہم تھا کہ اس میں ہماری تیاری کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ ہم جیسے اور جس حالت میں تھے' اسی میں سفر پر روانہ ہو سکتے تھے۔ میں نے بال سنوار کر موزے اور جوتے پہنے پھر ہم دونوں اپنے دستی سامان کے ساتھ باہر آگئے۔ میرے آواز لگانے پر بنگو بھی اپنے کمرے کی روشنی گل کر کے باہر آگیا۔ اتنی دیر میں باہر خاصا اندھیرا پھیل چکا تھا۔ میں نے احتیاط کے طور پر بیم گن بریف کیس سے نکال کر اپنی جیب میں ڈال لی تھی۔

کنسل خانے کی دیوار پر جلتے ہوئے بلب کی روشنی میں بنگو نے دونوں دروازے مقفل کیے اور ہم تینوں پک اپ کی طرف بڑھ گئے۔

وہ دیکھنے میں ہی باربرداری کی بدوضع گاڑی معلوم ہوتی تھی۔ سفر کی ابتدا سے ہی احتیاط ضروری تھی اس لیے ہم دونوں پک اپ کے پچھلے حصے میں سوار ہوگئے اور بنگو نے دروازہ بند کردیا۔ کھلی فضا کے مقابلے میں اندر گہری تاریکی تھی۔

چند ثانیوں بعد پک اپ کا انجن تیز غراہٹ کے ساتھ بیدار ہوگیا۔ وین نے وسیع احاطے میں یوٹرن لیا اور پھر ناہموار زمین پر سست روی کے ساتھ آگے بڑھنے لگی۔ ہمیں جھٹکے لگنے کے اندیشے کی وجہ سے بنگو تیز رفتاری کے جوہر دکھانے سے گریز کر رہا تھا۔

بنگو نے ہمیں ایک ایسے مکان میں رکھا تھا جہاں

سچ بیانی

رفاہی تنظیم کے صدر شہر کے امیر ترین مگر کنجوس ترین شخص کے پاس چندے کی اپیل لے کر پہنچے۔ کروڑپتی نے کہا "آپ کی اطلاع کے لیے عرض ہے کہ میری نوے سالہ والدہ پچھلے پانچ سال سے اسپتال میں داخل ہیں۔ میری ایک بیوہ بہن جس کے پانچ چھوٹے چھوٹے بچے ہیں اور آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں۔ میرے پانچ نکمے بھائی ہیں جنہوں نے لاکھوں کے قرضے سر چڑھا رکھے ہیں.... اور یہ تو آپ کو معلوم ہی ہوگا کہ خیرات گھر سے شروع ہوتی ہے۔ مدد پہلے اپنوں کی کی جاتی ہے۔"

"اوہ.... مجھے معلوم نہیں تھا' آپ اتنی ذمے داریوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں" رفاہی تنظیم کے صدر نے قدرے شرمندگی سے کہا۔

کروڑپتی نے روانی میں اپنی بات جاری رکھتے ہوئے کہا "آپ خود سوچیں کہ جب میں نے ابھی تک ان لوگوں کی کوئی مدد نہیں کی تو آپ کی کیا مدد کروں گا؟"

بھینسوں وغیرہ کے باڑے سے آنے والی بدبو کا راج تھا۔ پک اپ کے عقبی کیبن میں دونوں آہنی دیواروں کے ساتھ لمبی لمبی نشستیں نہ ہوتیں تو وہ بھی مویشیوں کو لانے اور لے جانے کے لیے زیادہ موزوں تھی۔ اس میں عجیب ملی جلی سی بساند رچی ہوئی تھی۔

جب تک وہ پک اپ امرتسر کے بارونق علاقوں سے گزرتی رہی' ہمیں باہر کی آوازیں وغیرہ سنائی دیتی رہیں۔ باڈی کی جھریوں سے چھن کر کیبن میں آنے والی ناکافی روشنی بھی اس گھور اندھیرے میں غنیمت معلوم ہو رہی تھی۔ رونق اور آبادی کے وہ سارے آثار تھوڑی دیر میں ختم ہوگئے۔ مجھے پہلے سے اندازہ تھا کہ کسی ایک سمت میں سفر کیا جائے تو امرتسر کی شہری حدود زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکیں گی۔ ویرانے میں پک اپ کافی دیر تک پختہ سڑک پر دوڑتی

Downloaded from https://paksociety.com

رہی۔ ہم دونوں' آمنے سامنے کی لمبی نشستوں پر' پائپ لگائے خاموش بیٹھے ہوئے تھے۔

"مجھے یہ پورا سفر ایک خواب کی طرح محسوس ہو رہا ہے۔" کچھ دیر بعد غزالہ نے سکوت توڑا "میں سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ ہم بھارت جاکر راوالوں کے حلق میں ہاتھ ڈالیں گے اور مختصر سی مدت میں اتنی کامیابیاں حاصل کرکے لوٹ آئیں گے۔"

"خوابوں کے بجائے حقیقت کی دنیا میں رہو تو زیادہ بہتر ہوگا۔ سفر ابھی ختم نہیں ہوا۔ ہم اس کے سب سے خطرناک مرحلے سے گزر رہے ہیں۔ دعا کرو کہ تھوڑی دیر بعد یہ امتحان خیروخوبی سے مکمل ہوجائے۔ بھارت کی زمین کا آخری انچ بھی ہمارے لیے خطرناک ثابت ہوسکتا ہے۔"

"بنگو کی باتیں امید افزا تھیں۔ وہ اس سفر کے لیے بارڈر سیکیورٹی فورس کے کرنل کو ایک ہزار روپے پیشگی دے چکا ہے۔ وہ اسی راہ سے گزرے گا۔ مجھے امید ہے کہ یہ سفر خیروخوبی سے کٹ جائے گا۔ میں ابھی سے خود کو پاکستان میں محسوس کر رہی ہوں۔"

میں نے اس کی خوش فہمی پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میری خواہشات غزالہ سے مختلف نہیں تھیں۔ سب باتیں بھی میرے سامنے تھیں لیکن امرتسر کی شہری حدود سے نکلتے ہی میرے دل پر ایک عجیب سا اضطراب طاری ہونے لگا تھا جو کسی ناگہانی خطرے کی آمد کا اعلان تھا۔

پک اپ کی رفتار کم ہونے لگی۔ میرا تجربہ بتا رہا تھا کہ پختہ سڑک ختم ہونے والی تھی۔

گاڑی ہلکے سے جھٹکوں کے ساتھ مڑ کر کچے راستے پر اتر گئی۔ چاروں طرف سے بند آہنی کیبن میں محصور ہونے کی وجہ سے میں باہر کی جھلک بھی نہیں دیکھ سکتا تھا۔ بس اندازے ہی اندازے قائم کیے جاسکتے تھے۔ میں دل ہی دل میں حساب لگا رہا تھا کہ ہمیں اگلے ایک گھنٹے سے بھی کم مدت میں پاکستانی علاقے میں اس زیرو پوائنٹ پر پہنچ جانا چاہیے تھا جہاں جلال گاڑی کے ساتھ ہمارا منتظر ہوتا۔

بند کیبن کی فضا میں یکایک خنکی کا احساس تیرنے لگا۔ شاید گاڑی آبادی اور ویرانوں کو پیچھے چھوڑ کر کسی خودرو سرحدی جنگل میں داخل ہوچکی تھی۔

پک اپ کی رفتار بہت کم ہوچکی تھی۔ ہچکولوں سے پتا چل رہا تھا کہ بنگو اسٹیئرنگ پر خاصی محنت کر رہا تھا۔ سفر جاری رکھنے کے لیے اسے بہت تیزی سے اور بار بار گاڑی کا رخ موڑنا پڑ رہا تھا۔ شاید وہ سفر کے کسی خطرناک زون میں داخل ہوچکا تھا جہاں گاڑی کے ہیڈ لیمپس بجھا دیے گئے تھے۔ رات کے اندھیرے میں نظر آنے کی حد میں کمی ہوجانے کی صورت میں ہر چھوٹی سے چھوٹی رکاوٹ اچانک سامنے آتی ہے اور راستہ بدلنے پر مجبور کردیتی ہے۔

کئی بار گاڑی اتنی تیزی سے گھومی کہ ہم دونوں اپنی جگہوں سے پھسل کر فرش پر گرتے گرتے بچے مگر ہم نے اُف تک نہیں کی۔ مجھے معلوم تھا کہ بنگو ہمیں دانستہ ہلکان نہیں کر رہا تھا۔ وہ رف ڈرائیونگ اس کی مجبوری بنی ہوئی تھی۔

"ہالٹ!" باہر انجن کے یکساں شور میں اچانک کوئی کرخت انسانی آواز گونجی۔

وہ آواز اتنی اونچی اور تحکمانہ تھی کہ بے اختیار میرا دل اچھل کر حلق میں آگیا۔ نہ جانے کون چیخا تھا اور کس پر چیخا تھا۔ مجھے پتا نہیں چل سکا۔ ہماری پک اپ بدستور اسی بے ڈھنگے انداز میں آگے ہی آگے رواں تھی۔

اونچی آواز کی بازگشت معدوم ہونے کے بعد خوف آور فضا پر وہی مہیب سناٹا چھاگیا جس میں پک اپ کے انجن کے شور کے سوا کوئی اور ہلچل نہیں تھی۔

"ہالٹ!" وہی آواز اس بار نیم وحشیانہ انداز میں گونجی۔ میں اپنی جگہ تن کر بیٹھ گیا۔

پک اپ چلتی رہی۔ اس بار للکار کی بازگشت ختم ہونے سے پہلے ہی کہیں سے لگاتار دو فائروں کی مہیب آواز سنائی دی۔ ان فائروں کا منبع ہماری پک اپ سے زیادہ دور نہیں تھا۔ ان دو دھماکوں کے ساتھ ٹائر پھٹنے کا تیسرا دھماکا سنائی دیا اور پھر یوں محسوس ہوا جیسے قیامت سی آگئی ہو۔

پک اپ کو ٹائر پھٹنے سے زبردست جھٹکا لگا اور پھر وہ اچھلتے اچھلتے اچانک رک گئی۔ بنگو نے اس کا انجن بند کردیا تھا۔

میں نے صورتِ حال کا جائزہ لینے کے لیے تیزی سے نیچے اترنے کا ارادہ کیا مگر آہنی دروازے پر ہاتھ لگتے ہی یاد آیا کہ وہ دروازہ باہر سے بولٹ تھا۔ اس مضبوط بولٹ کو ہٹائے یا کاٹے بغیر ہم باہر نہیں نکل سکتے تھے۔

"خدا خیر کرے!" غزالہ کے ہونٹوں سے سرسراتی ہوئی تشویش زدہ آواز برآمد ہوئی "ایسا معلوم ہو رہا ہے جیسے فائر کرکے ہماری گاڑی کا اگلا ٹائر پھاڑا گیا ہے۔"

"فائر سے پہلے کسی نے بنگو کو دو مرتبہ للکارا تھا" میں

Downloaded from https://paksociety.com

نے ہیجان آمیز سرگوشی میں کہا "اس حرام زادے نے وارننگ کی پروا نہیں کی۔"

"ایسے جارحانہ انداز میں صرف سرحدی محافظ ہی روک سکتے ہیں معلوم ہوتا ہے کہ ہم سرحد کے قریب پہنچ چکے ہیں۔"

"اس وقت سرحد' جنت اور جہنم' سب ہی قریب ہیں۔" میں نے اضطراری انداز میں پچھلے دروازے پر زور لگایا جو بے سود تھا۔

"رکو اور ہاتھ اوپر اٹھالو!" اس بار کوئی وحشیانہ انداز میں چیخا تھا "ورنہ میں برسٹ مار کر گرا دوں گا۔"

پک اپ کا انجن بند ہونے کے ساتھ ایسا لگ رہا تھا جیسے کائنات کی نبض رک گئی ہو۔ ہر طرف گہرا اور مہیب سناٹا تھا جس میں ہر آواز اپنی اصل شدت اور تاثر کے ساتھ سنائی دے رہی تھی۔ باہر سے بنگو کے سانس کی آواز تک نہیں آئی۔ فضا دو افراد کے دوڑتے ہوئے قدموں کی دھمک سے گونجنے لگی۔

دوڑتے ہوئے قدموں کی آوازیں تیزی سے قریب آتی جارہی تھیں پھر وہ تھم گئیں۔

"اوئے! ماں کے خصم! تو نے ہمارا کاشن نہیں سنا تھا؟" ایک اجنبی آواز کرخت پنجابی لہجے میں گونجی۔

"انجن کے شور میں میرے کان کام نہیں کر رہے تھے۔" پہلی بار بنگو کی سہمی ہوئی اور مدافعانہ آواز سنائی دی۔

"ابھی تیری ہر چیز کام کرنے لگے گی۔" وہ دوسری زہریلی آواز تھی "ادھر سرحدی جنگل میں کہاں جارہا ہے۔"

"میں نے بارڈر سیکیورٹی فورس کے کرنل بھوشن سے اجازت لی ہوئی ہے۔"

"کرنل اور جنرل مت بک۔ یہ بتا کہ تو کہاں جارہا ہے؟ ایجنٹ ہے پاکستان کا؟" پہلی کرخت آواز گونجی۔

گفتگو کے تیور یکایک بہت خوفناک ہوگئے تھے۔ بدقسمتی بنگو کا پیچھا کر رہی تھی۔ وہ ایک مرتبہ پھر غلط آدمیوں سے ٹکرا گیا تھا۔ میں نے بے چین ہو کر ایک مرتبہ پھر دروازے پر طبع آزمائی کی لیکن کوئی چیز ٹس سے مس نہ ہوئی۔ جب تک باہر کا فولادی کنڈا لگا ہوا تھا ہم دونوں میں سے کوئی باہر نہیں نکل سکتا تھا۔

دونوں نووارد وں کے درشت لب و لہجے نے شاید بنگو کے اوسان خطا کر دیے۔ اس نے ہکلاتے ہوئے کہا "مم... میں... کک... کسی کا ایجنٹ نہیں ہوں۔"

"پھر ادھر اپنی ماں کی گود میں جارہا تھا۔" کرختگی سے کہا گیا "یا تیرا باپ بیٹھا ہے وہاں بفرزون میں۔"

"دد... دیکھو میرے ماں باپ تک مت پہنچو۔ تم نے ٹائر پھاڑ کر پہلے ہی میرا نقصان کر دیا ہے۔"

"ابھی ٹائر پھاڑا ہے تو نے زبان نہیں کھولی تو سب کچھ پھاڑ دیں گے۔" کرخت آواز والا دہاڑا۔

"تم مجھے کرنل بھوشن کے پاس لے چلو۔ وہاں میں تمہاری ہر بات کا جواب دوں گا۔" بنگو نے اصرار کیا۔

زمین پر وزنی قدموں کی مختصر سی چاپ سنائی دی پھر فضا بنگو کی چیخ سے لرز اٹھی۔ شاید ان دونوں میں سے کسی نے بڑھ کر بنگو کے جسم کے کسی حصے پر شدید ضرب لگائی تھی۔ میں پک اپ کے آہنی کیبن میں محبوس تھا۔ مجھے باہر رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں کچھ علم نہیں تھا' جو کچھ تھا بس میرے اندازے تھے۔ ان کی بنا پر بھی میں کوئی قدم اٹھانے سے قاصر تھا۔

"کہاں جارہا تھا اور گاڑی میں کیا ہے؟" بنگو کی چیخ تھمنے پر کرخت آواز گونجی۔

"میں مرگیا۔" بنگو اذیت ناک آواز میں کراہتے ہوئے بولا "گاڑی میں کچھ نہیں ہے۔ تم خود پچھلا دروازہ کھول کر دیکھ لو۔"

"پہلے اس کی تلاشی لے لو۔ خطرناک ارادے سے نکلا ہے تو ہتھیار بھی ساتھ ہوگا۔" زہریلی آواز میں مشورہ دیا گیا۔

کچھ دیر کے لیے فضا میں خاموشی چھا گئی۔ شاید بنگو کی جامہ تلاشی کا عمل شروع ہو چکا تھا۔

"بڑا ناز ہے تجھے اپنی نشانہ بازی پر گھر سے صرف چاقو لے کر نکلا ہے۔" کرخت آواز میں طنز سے کہا گیا۔

فضا میں چٹاخ کی پُرشور آواز گونجی۔ اس زوردار تھپڑ کو بنگو خاموشی سے پی گیا اور بھرائی ہوئی آواز میں بولا "چاقو

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

رف پلٹا۔ غزالہ اسے زمین پر گرائے رکھنے کی جان توڑ وششوں میں اس کے سینے پر سوار تھی۔

"ہٹو۔ الگ ہٹ جاؤ۔" میں نے سختی سے غزالہ کا شانہ پکڑ کر اسے اپنی طرف کھینچا۔

وہ شاید میرے ہاتھوں پہلے فوجی کا انجام دیکھ چکی تھی۔ پھل کر اس کے ناپاک وجود سے الگ ہوگئی۔ اگلے ہی لمحے ں نے دوسرے فوجی کے چہرے کے رخ سے اس کے دماغ پر گنوں شعاعوں کی دھار ماری۔ دھاتوں کو پگھلا بلکہ جلا دینے ی حرارت رکھنے والی شعاعیں اس کے دائیں چہرے سے تی ہوئی پار نکل گئیں اور وہ بھی کسی اذیت کے بغیر پل بھر ں اپنے ساتھی کے پاس پہنچ گیا۔

دہشت سے بنگو کی آنکھیں پھٹ گئی تھیں وہ بے یقینی سے میری طرف دیکھے جا رہا تھا۔

"تت۔۔۔تم۔۔۔تت۔۔۔تم تو تم۔۔۔ڈ۔۔۔ڈینی ہو!" اس کے ونٹوں سے اٹکتی اور سرسراتی ہوئی ایک خوف زدہ سرگوشی آمد ہوئی۔

"ان دونوں کو رائفلوں سمیت پک اپ میں ڈالو اور ری طور پر یہاں سے چل دو۔ فائرنگ سن کر ان کے ساتھی ھر آنکلے تو نئی مصیبت ہمارے گلے پڑ جائے گی۔" میں نے ٹکراتے ہوئے اسے ہدایت کی۔ خوف اور بے یقینی کا اب سر سے اترتے ہی میں خود کو بالکل نارمل اور ہلکا وس کر رہا تھا۔

غزالہ نے بڑھ کر زمین پر پڑی ہوئی روشن ٹارچ اٹھائی ر پھر دونوں خود کار رائفلیں اٹھا کر پک اپ میں ڈال دیں۔

"اس وقت میرے ہاتھ قابو میں نہیں ہیں۔" بنگو نے رسراتی ہوئی شکستہ آواز میں کہا "میں نے تمہیں درندے کی رح ان دونوں کو مارتے دیکھا ہے۔ تمہارے پاس لیزر گن ے میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ تم ڈینی ہوگے۔"

"لاش اٹھاؤ۔" اس بار میں نے سختی سے کہا "ہمیں جلد جلد آگے بڑھنا ہے۔"

بادل ناخواستہ اس نے ایک لاش کے دونوں پیر تھام ے۔ وہ دونوں فوجی صحت مند اور توانا تھے۔ ان کی لاشوں کو نچی پک اپ میں منتقل کرنے کے لیے غزالہ کو بھی ہمارا تھ دینا پڑا۔ ذرا سی دیر میں ہم اپنے کام سے فارغ ہو چکے ے۔ لاشیں چڑھانے کے بعد ہم نے تیزی سے پھٹا ہوا لگا ز بھی تبدیل کر لیا۔

"تم ڈینی ہو نا؟" بنگو نے ایک مرتبہ پھر مجھ سے سوال یا اور میں اندھیرے میں اسے گھور کر رہ گیا۔

ان واقعات کے بعد بنگو حواس باختہ ہو چکا تھا۔ وہ ڈرائیونگ کیبن میں اکیلا ہوتا تو ہمیں کسی حادثے سے دوچار کر سکتا تھا۔ میں علیحدگی میں غزالہ کو سمجھانے کے بعد بنگو کے برابر والی نشست پر بیٹھ گیا۔ اس نے چوں تک نہیں کی۔ غزالہ پچھلے کیبن میں دونوں لاشوں کے ساتھ موجود تھی۔ میں نے اسے کھلی چھوٹ دے دی تھی کہ وہ لاشوں کی تلاشی لے کر رائفلوں کے فاضل میگزین بھی یکجا کر لے اور ضرورت پیش آنے پر گولی چلانے سے دریغ نہ کرے۔

"اب ہم کدھر جائیں گے؟" بنگو نے انجن اسٹارٹ کرنے سے پہلے پوچھا۔

"پروگرام کے مطابق چلتے رہو ہمیں ہماری منزل پہ پہنچانے کے بعد تم اپنی مرضی کے مالک ہوگے۔" میں نے کہا۔

"یہ لاشیں تم پاکستان میں اتار لو گے نا؟" اس نے انجن اسٹارٹ کر کے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

"انہیں میں نے نہیں بلایا تھا۔ لاشیں مل گئی ہیں تو یہ پاکستان جائیں گی تم کو ان کے بارے میں فکر مند ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔"

بنگو نے پارکنگ لائٹس روشن کر کے پک اپ آگے بڑھا دی اس وقت ہم خاصے گنجان جنگل میں تھے۔

چند منٹ بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ اتنی ناکافی روشنی میں گاڑی چلانا کس قدر مشکل کام تھا۔ وہ بنگو ہی تھا جو اپنے غیر معمولی مشاہدے کی مدد سے پک اپ کو ہر لمحے کسی درخت کے تنے یا بڑے پتھر سے ٹکرانے سے بچا رہا تھا۔

کچھ دیر بعد دور سے گولیاں چلانے کی آوازیں آئیں تو بنگو بولا "اتنی فائرنگ ہونے کے باوجود ان کا کوئی ساتھی ادھر نہیں آیا۔"

"سرحدی علاقوں میں بلا وجہ بھی گولیاں چلتی رہتی ہیں کبھی کبھی یہ لوگ اپنی اکتاہٹ دور کرنے کے لیے خیالی سایوں پر بھی گولیاں چلا دیتے ہیں پھر یہ بہت لمبی سرحد ہے۔ گشتی پارٹیاں ایک دوسرے سے کافی دور ہوتی ہیں۔ دور سے یہ پتا چلانا مشکل ہوتا ہے کہ کہاں فائرنگ ہوئی ہے۔"

"یہ بی ایس ایف والے نہیں ہیں کیونکہ ان کی وردیاں الگ ہوتی ہیں۔ پتا نہیں یہ کہاں سے ادھر نکل آئے۔"

"کبھی کبھی شامت بھی انسان کو گھیر کر کسی خاص مقام پر پہنچا دیتی ہے۔ تم ان کے بارے میں کیوں فکر مند ہو؟"

"فکر مندی کی بات ہے میں اکثر ادھر آتا رہتا ہوں۔ اس راستے پر واقع ساری چوکیاں بی ایس ایف والوں کی

Downloaded from https://paksociety.com

ہیں۔"

"کیا ہم وہاں سے گزر آئے ہیں؟" میں نے چونک کر پوچھا۔

"نہیں۔ دس پندرہ منٹ بعد ہم وہاں سے گزریں گے۔ وہ ہمیں نہیں روکیں گے۔" اس نے بتایا "میرے راستے میں صرف ایک چوکی آئے گی۔"

"کسی کھلی جگہ پر گاڑی روک لینا۔" میں نے اس کا جواب سننے کے بعد اپنا فیصلہ سنا دیا۔ "اس چوکی کے قریب سے گزرنے سے پہلے مجھے پچھلے دروازے کا بندوبست کرنا ہے۔ میں نے لیزر گن سے اس کا بولٹ کاٹ دیا تھا۔"

"تم واقعی حیران کن آدمی ہو میں ڈر رہا تھا کہ دونوں فوجی تمہیں اور غزالہ کو آسانی سے پکڑ لیں گے۔ لوگ تمہارے نام سے بلاوجہ خوف نہیں کھاتے۔ اب بات میری سمجھ میں آرہی ہے کہ تم راواولوں کو ٹھکانے لگانے کے لیے دہلی گئے تھے۔ جس روز ان کا ویل امرتسر سے نکلی اس سے پہلی رات راکے ایک دفتر کو آگ لگائی گئی تھی۔ وہاں ان کا ایک آدمی بھی مرا تھا۔ آج تم جا رہے ہو اور صبح دہلی میں را کے دو افسر مرے ہوئے تھے۔ سچ سچ بتا دو کہ تم دہلی سے آئے تھے یا انبالہ سے۔"

"میں بار بار اپنی کہانیاں بدلنے کا عادی نہیں ہوں۔" میں نے خشک لہجے میں کہا "میں نے تمہیں سچ بتا دیا ہے اب یہ تمہاری مرضی ہے کہ جو چاہو سوچتے رہو۔"

اس نے ایک کھلی جگہ پر گاڑی روک دی۔ میں نے اتر کر غزالہ سے خیریت دریافت کی۔ اس نے بتایا کہ پچھلا دروازہ جھٹکوں سے بار بار کھل رہا تھا۔ وہ اندر سے اسے تھامے بیٹھی تھی اسے ڈر تھا کہ کسی غلط موقع پر دروازہ خود بہ خود کھل گیا تو لینے کے دینے پڑ جائیں گے۔

"لاشوں کے جوتوں سے لمبے فیتے کھول لو اور دروازے کے پٹ اندر سے باندھ لو۔" میں نے اسے مشورہ دیا "تم کنارے پر بیٹھ کر سفر کرتی رہیں تو کسی جھٹکے سے خود بھی لڑھک کر نیچے آجاؤ گی۔ آگے ہمیں بی ایس ایف کی ایک چوکی سے بھی گزرنا ہے۔"

"ویری گڈ۔ آپ نے میری مشکل آسان کر دی۔ میں خود بھی دروازہ تھامے تھامے پریشان ہو گئی تھی۔" وہ خوش ہو کر بولی۔

ہم ذرا سی دیر کے لیے وہاں رکے رہے۔ غزالہ نے دروازے کے پٹ فیتوں سے باندھ لیے تو میں نے باہر سے اس کی مضبوطی کا اندازہ لگایا اور دوبارہ بنگو کے ساتھ جا بیٹھا۔ اس دوران میں گاڑی کا انجن چلتا رہا تھا۔ بنگو نے دوبارہ گاڑی چلا دی۔

اس وقت تک جو کچھ ہوا تھا وہ گڑبڑ کے باوجود ہمارے حق میں رہا تھا۔ مجھے صرف اس بات کا افسوس تھا کہ مجھے دونوں بھارتی فوجیوں پر بیم گن استعمال کرنی پڑی تھی۔ اگر میں ان لاشوں کو وہیں چھوڑ دیتا تو اگلی صبح تک یہ کہانی عام ہو سکتی تھی کہ ڈینی دہلی میں اغل اور نریش کا کام تمام کرنے کے بعد اسی راہ سے پاکستان فرار ہوا تھا۔ دہلی والوں کی سوچ کے مطابق بیم گن یا لیزر گن کا استعمال میری کہیں بھی موجودگی کا کھلا ثبوت تصور کیا جاتا۔

اس راہ سے گزرنے والوں کے بارے میں کڑی چھان بین ہوتی تو بنگو کا نام ضرور سامنے آجاتا۔ اس کی گرفتاری سے میرے لیے کوئی خطرہ نہیں تھا لیکن انٹیلی جنس بیورو کے ذمے داروں کو ضرور تشویش ہو سکتی تھی۔

بھارتی سرزمین پر اپنے اس آخری سفر کے دوران میرے پاس اتنا وقت نہیں تھا کہ میں ان باتوں پر سوچ بچار کر کے کوئی صحیح فیصلہ کر پاتا۔ جب میں نے ان لاشوں کو پک اپ میں لادنے کا فیصلہ کیا تو میرے سامنے دو اہم ترین نکات تھے۔ اول یہ کہ کوئی دوسری گشتی پارٹی ان لاشوں کو دریافت کر کے پوری سرحدی پٹی پر ہائی الرٹ کی صورت حال پیدا نہ کر سکے۔ دوسری اور اہم ترین بات یہ تھی کہ میں بنگو اور ان دونوں لاشوں کے مستقبل کا فیصلہ جلال سے مشورے کے بعد کرنا چاہتا تھا۔ اگر جلال کی رائے میں ان لاشوں کا بھارتی سرزمین پر پایا جانا ہر خطرے سے خالی ہوتا تو بنگو اپنی واپسی کے سفر میں ان لاشوں کو کہیں بھی پھینک سکتا تھا۔

وہ باتیں اپنی جگہ پر تھیں۔ جب سے بنگو نے مجھے ڈینی کی حیثیت سے پہچانا تھا اس کی طرف سے تذبذب کا شکار ہو گیا تھا۔ فوجیوں کے مقابلے کے دوران جو کچھ ہوا، وہ بہت تیزی سے اور غیر ارادی طور پر ہو تا چلا گیا۔ میں نے مجبوری کے عالم میں بیم گن استعمال کی کیونکہ میرے پاس کوئی اور ہتھیار موجود نہیں تھا مگر بنگو نے اسی بیم گن کو اہم ترین اشارہ سمجھ کر مجھے ڈینی کہنا شروع کر دیا تھا۔

انٹیلی جنس بیورو کے لیے بنگو کی افادیت مسلمہ تھی۔ امرتسر یا اس کے قرب و جوار میں اس کا کوئی متبادل تلاش کرنا آسان نہیں تھا مگر وہ بنیادی طور پر بھارت کا ایک جرائم پیشہ شخص تھا جو کسی بھی وقت قانون کی گرفت میں آسکتا تھا۔ وہ میرے خلاف ایک مضبوط چشم دید گواہ بن گیا تھا۔ بھارتی نژاد اس اکلوتے گواہ کا وجود میرے لیے پریشان کن تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

والے اسے کسی بھی وقت میرے خلاف میدان میں اتار
تے تھے۔

بنگو کی زندگی اور موت کا بہتر فیصلہ جلال ہی کر سکتا تھا۔

"میری جیب میں ساڑھے چار ہزار روپے پڑے ہوئے
ے وہ ان دونوں میں سے کسی کی جیب میں ہوں گے۔" کافی
ی خاموشی کے بعد بنگو نے شکوا کیا۔

"فکر نہ کرو۔ ان کی جیبوں سے ملنے والی ساری نقدی
یں دے دی جائے گی۔" میں نے اسے اطمینان دلایا۔

"تین دن سے میرے ستارے گردش میں آئے ہوئے
ں۔ وہ متاسفانہ لہجے میں بولا " پتا نہیں قسمت کی دیوی
رے ساتھ کیا کھیل کھیل رہی ہے۔ بس ایک اچھی بات
ئی ہے میں نے تم کو پہچان لیا ہے۔ تمہارا نام پڑھتے پڑھتے
ے بھی تم کو دیکھنے کا شوق ہو گیا تھا۔

"میں تم پر صرف رحم ہی کر سکتا ہوں۔ مجھ کو پہچاننے میں
سنگین غلطی کر رہے ہو۔"

"مجھے خود بھی یقین نہیں آ رہا کہ اس وقت تم میرے
تھ اس چھکڑے میں سفر کر رہے ہو مگر میں اپنے دل کی بات
یں ٹال سکتا۔"

تمہارا یہ دل کسی وقت تمہیں مروا دے گا۔ تمہیں اس
ے بہکائے میں نہیں آنا چاہئے۔"

اچانک بنگو نے اپنی گاڑی کے ہیڈ لیمپس روشن کر
یے اور رفتار بھی بڑھا دی۔ میرے استفسار پر اس نے بتایا
ہ اسے بی ایس ایف کی چیک پوسٹ نظر آ گئی تھی۔ میں نے
ی نظریں سامنے گاڑ دیں۔ چند ثانیوں بعد مجھے بھی اگلی چوکی
ی روشنیاں نظر آ گئیں۔

"چوکی کے لیے اس جنگل میں بجلی کہاں سے آ گئی!" میں
نے حیرت سے پوچھا۔

"بی ایس ایف کنگال فورس ہے مگر اس کے اہل کار مال
ر ہیں۔ یہ فورس سرحدوں کے لیے بنی ہے جہاں یہ خوب
ماتے ہیں اور چوکیوں کا عملہ اپنے ذاتی چندے سے جنریٹر لگا
ا ہے تاکہ مزے سے ڈیوٹی پوری کر سکے۔"

"فورس کا یہ حال ہے کہ تو پھر بھارت کا اللہ ہی نگہبان
سکتا ہے۔ یہ لوگ ملک کو لوٹ کر کھا جائیں گے۔"

"کھا رہے ہیں لیکن ہمارا ملک بہت بڑا ہے۔ اس کا کچھ
یں بگڑتا۔ یہ کچھ خاص خاص چوکیوں کے ہیں۔ بعض
وں پر حالات بہت خراب ہیں۔"

چوکی کی روشنیوں کے ابھرنے اور ڈوبنے کا سلسلہ ختم
گیا۔ ہموار راستہ آجانے کے سبب چوکی مسلسل ہماری
نظروں کے سامنے تھی۔ دور سے کسی گاڑی کے انجن کا شور
سن کر ایک رائفل بردار فوجی اپنے دفتر نما مورچے سے باہر
نکل آیا تھا اور ہاتھ ہلا کر ہمیں رکنے کا اشارہ کر رہا تھا۔

بنگو نے مناسب فاصلے سے گاڑی کی رفتار کم کرنی
شروع کر دی۔ باہر کھڑے ہوئے اہل کار نے آگے جھک کر شاید
رینگتی ہوئی گاڑی کی نمبر پلیٹ پر نظر ڈالی اور ہمارے رکنے سے
پہلے ہی ہمیں آگے جانے کا اشارہ کر کے دوبارہ اپنے مورچے
میں غائب ہو گیا۔

"میں نے تم سے پہلے ہی کہہ دیا تھا کہ بی ایس ایف
والے ہم کو نہیں روکیں گے۔"

بارڈر سیکورٹی فورس والوں کی اس اکلوتی چیک پوسٹ
سے آگے درختوں کا سلسلہ چھدرا ہوتا چلا گیا تھا لیکن خودرو
پودوں اور جھاڑیوں نے زمین کو اپنی آغوش میں چھپایا ہوا
تھا۔ کچھ دور نکلنے کے بعد بنگو نے گاڑی کی تمام روشنیاں گل
کر دیں۔

"میرے لیے کچھ بھی دیکھنا ممکن نہیں تم ڈرائیونگ کیسے
کر رہے ہو؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"کچھ ان راستوں کا تجربہ ہو گیا ہے اور میری آنکھیں
بھی اندھیرے میں دیکھنے کی عادی ہو گئی ہیں۔"

"یہاں کانٹے دار جھاڑیاں بھی تو پھیلی ہوئی ہوں گی۔ کوئی
ٹائر پنکچر ہو گیا تو تم کیا کرو گے۔ اسپیئر ٹائر پہلے ہی لگ چکا ہے۔"

"میری گاڑی پرانی ہے مگر پانچوں ٹائر نئے ہیں۔ چھوٹے
موٹے کانٹوں کو یہ خود روندتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ آج
پہلی بار میری پک اپ کا ایک ٹائر پھاڑا گیا ہے ورنہ برسوں
سے اس میں پنکچر تک نہیں ہوا۔" اس نے فخریہ مجھے بتایا۔

"آج تمہارے ستارے گردش میں ہیں کچھ بھی ہو سکتا
ہے۔" میں نے اسے چھیڑا۔

"کچھ نہ کچھ ہو جائے گا۔ جب تک اگلے دو ٹائر سلامت
رہتے ہیں، میں گاڑی چلاتا رہوں گا اور تمہیں منزل پر پہنچا
دوں گا۔"

ہیڈ لیمپس گل ہونے کے بعد پک اپ کی رفتار بہت کم
رہ گئی تھی۔ فضا میں جنگلی بھیڑیوں، سوروں اور دوسرے
جانوروں کی آوازیں سنائی دینے لگی تھیں۔ بی ایس ایف کی
چیک پوسٹ کی روشنیاں کافی پیچھے رہ گئیں تو بنگو نے بتایا کہ
ہم پاکستان میں داخل ہو چکے تھے۔

"یہاں دور دور تک ایک جیسا ویرانہ پھیلا ہوا ہے۔
تمہیں کیسے پتا چلا کہ نئی سرحد شروع ہو گئی ہے۔"

"اس علاقے میں بہت سی سرحدوں کا زمین پر وجود نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

ہے۔ وہ کاغذوں پر بنی ہوتی ہیں یا سینوں میں محفوظ ہیں۔ میں نے ایک چھوٹی نالی کی نشانی رکھی ہوئی ہے اسے ہم نے ابھی ابھی عبور کیا ہے۔"

میرے اعصاب پر ایک فرحت انگیز سرور سا چھانے لگا۔ دشمن کی سرزمین سے اپنی خاک پر لوٹ آنے کا احساس بہت عجیب اور کسی حد تک رقت آمیز تھا۔ وطن کی وہ ہوائیں میرا استقبال کر رہی تھیں جن کے لیے عابد علی، پرویز احمد اور عبداللہ مدتوں سے ترسے ہوئے تھے۔

"یہاں سے زیرو پوائنٹ کا فاصلہ کتنا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"ہیڈ لیمپس روشن کرلوں تو پانچ منٹ میں وہاں پہنچ سکتے ہیں مگر میں پاکستان میں گھسنے کے بعد ڈرتا ہوں۔"

"ماسٹر سے بات ہونے کے بعد تمہیں نہیں ڈرنا چاہئے۔ یہاں سب کو پتا ہوگا کہ آج رات تم آنے والے ہو۔"

"ماسٹر بھی یہی کہتا ہے پھر بھی میرا ڈر دور نہیں ہوتا۔ سنا ہے کہ پاکستانی فوجیوں کا نشانہ بہت کم خطا ہوتا ہے۔ یہ لین دین بھی نہیں کرتے۔"

میں نے خاموشی اختیار کرلی۔ بعض باتوں پر اسے قائل کرنا دشوار تھا۔

وہ راستہ بہت خراب اور سخت ناہموار تھا۔ پک اپ کو شدید جھٹکے لگ رہے تھے اگر بنگو گاڑی کے ہیڈ لیمپس بھی روشن کرلیتا تو بھی اس راستے پر زیادہ رفتار سے گاڑی چلانا ممکن نہیں تھا۔ وہ لمبے موڑ کاٹ کر دھیرے دھیرے بڑھتا رہا پھر اچانک ہی ہم ایک ٹیلے کے سر پر جا نکلے۔ آگے ایک بڑا نشیب پھیلا ہوا تھا، تاروں بھرے آسمان کی خوابناک روشنی میں اس وسیع نشیب کے وسط میں ایک ٹیکیرو کا ہیولا نظر آرہا تھا۔ اس کے قریب تین افراد ہمارے منتظر تھے۔

ویرانے کا یہ سماں میرے لیے جذبات آفریں تھا۔ میرے دل کی دھڑکنیں بے اختیار تیز ہوگئیں۔

بنگو نے اپنی پک اپ آہستگی سے نشیب میں اتاری اور پھر اس کی رفتار میں قدرے اضافہ کردیا۔

پک اپ رکتے ہی میں نیچے اترا تو جلال والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ "تم واقعی بہت عظیم ہو۔" وہ جذبات سے لرزتی ہوئی آواز میں میرے کان میں کہہ رہا تھا "تم نے ہم سب کے سر فخر سے بلند کردیے۔"

غزالہ کو سفر کے اختتام کا علم نہیں تھا۔ بنگو نے پیچھے جا کر اسے باہر آنے کی ہدایت کی۔ کچھ کھٹ پٹ ہوئی اور غزالہ بھی دروازہ کھول کر نیچے آگئی۔ جلال نے پک اپ کے پیچھے جا کر اس سے گرمجوشی سے ہاتھ ملایا اور خوش آمدید کہا تھا۔

"یہ اندر کیا پڑا ہے۔" جلال نے پک اپ کے آہنی کیبن میں جھانکتے ہوئے اپنے آدمیوں سے کہا "ان کا سامان بھی اتار لو۔"

"یہ سامان نہیں، دو لاشیں ہیں ماسٹر! بنگو نے بوجھل آواز میں کہا "ڈینی استاد نے انہیں لیزر گن سے مارا ہے۔"

"ڈینی!" جلال نے بوکھلا کر دہرایا اور میری طرف دیکھا "تمہارے سفر میں ڈینی کہاں مل گیا۔"

"یہ احمق مجھے ڈینی سمجھ رہا ہے کیونکہ میں نے اسپارک پلگ مشین سے دو بھارتی فوجیوں کو مارا ہے۔" میں نے جلال کا بازو دبا کر کہا۔

"اوئے۔ ویری گڈ" جلال دھیرے سے ہنسا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولا "بنگو! میں تم کو اتنا بے وقوف نہیں سمجھتا تھا۔"

"یہ بتاؤ کہ اب ان لاشوں کا کیا کرنا ہے۔" بنگو نے جلال کے تبصرے کا کوئی جواب دیے بغیر پوچھا۔

"آؤ میں تمہیں پوری بات سمجھاتا ہوں۔" میں جلال کو ایک طرف لیتا چلا گیا۔ خلافِ معمول غزالہ بھی ہمارے ساتھ چلی آئی۔

"تم کیا کہنا چاہ رہی ہو؟" میں نے اس کی طرف مڑ کر سنجیدگی سے پوچھا۔

"راستے میں، میں نے دونوں لاشوں کی تلاشی لی تھی۔ ایک فوجی کی جیب سے کافی رقم اور ایک ٹرانسمیٹر ملا تھا۔ اندھیرے کی وجہ سے میں رقم نہیں گن سکی۔"

میں نے جلال کو اختصار سے اپنے نظریات اور خدشات سے آگاہ کرنا شروع کردیا۔

"اس کا سیدھا سا حل ہے۔" جلال نے چند ثانیوں کے بعد جواب دیا "لاشیں روک لو۔ بنگو کو جانے دو۔ وہ ہمارے لیے بہت کارآمد ہے۔"

"وہ ایک آدھ روز میں دھر لیا جائے گا۔ اس کی پک اپ کی باڈی فوجیوں کے چلائے ہوئے راؤنڈز سے چھلنی ہوچکی ہے۔ جنگل میں پڑے ہوئے گولیوں کے خول اس مقام کی نشان دہی کردیں گے جہاں یہ واقعہ پیش آیا تھا۔ شاید وہاں کچی زمین پر بنگو کی گاڑی کے ٹائروں کے نشان بھی موجود ہوں۔"

"یہ بات مختلف ہوگئی۔ ذرا مجھے سوچنے دو۔" جلال نے

Downloaded from https://paksociety.com

شہادت کی انگلی اٹھا کر کہا۔

"وہ پکڑا گیا تو زیادہ دیر تک اپنی زبان بند نہیں رکھ سکے گا۔" غزالہ نے رائے دی "ہر انجنسی بدمعاشوں سے پوچھ گچھ کے لیے بہت سخت رویہ اختیار کرتی ہے۔ اس کے خلاف شہادتیں بھی ہوں گی۔ وہ اپنی پک اپ کو کہاں لے جائے گا۔ وہ پورے امرتسر میں اپنے نمونے کی اکلوتی گاڑی ہوگی۔"

"اس سے ہم بہت زیادہ کام نہیں لیتے لیکن جب بھی لیا ہے' اس سے بڑا کام ہی لیا ہے۔ تمہارے بھارت کے سفر کے دوران اسے زیادہ اہمیت ملی ہے۔ اگر وہ تمہاری سلامتی کے لیے خطرناک ثابت ہوتا ہے تو میں بے دریغ اسے اڑا دوں گا۔" جلال نے دوٹوک لہجے میں کہا۔

"اور ان دونوں لاشوں کا کیا بنے گا؟" میں نے پوچھا۔

"یہ سب تم مجھ پر چھوڑ دو۔ پہلے ہمیں بنگو سے نمٹ لینا چاہیے۔ یہ اس کی بدنصیبی ہے کہ اس نے تمہیں پہچان لیا ہے۔"

"پہچاننے سے فرق نہیں پڑتا۔ مجھے دہلی میں بہت سے لوگ مظہر خان کے روپ میں قریب سے دیکھ چکے ہیں۔ ان میں را کی کئی لڑکیاں بھی ہیں جو مجھے دور سے پہچان لیں گی۔ اصل خرابی یہ ہے کہ وہ اندر کی بہت سی باتیں جانتا ہے۔ صرف مجھے پہچان لینے کی وجہ سے وہ ان باتوں کی کڑیاں ملا لے گا۔ اسے چار چوٹ کی مار پڑے گی تو وہ آئی بی اور عابد علی سے لے کر این کا ویل تک کی پول کھول کر رکھ دے گا۔ وہ تمہارے کئی بڑے کاموں میں ملوث ہو چکا ہے۔"

"پھر بھی میرا فیصلہ برقرار ہے۔ آؤ!" وہ مڑ کر گاڑیوں کی طرف ہو لیا جہاں بنگو اس کے دونوں آدمیوں کے ساتھ کھڑا ہوا تھا۔

"فوجی کی جیب سے ملنے والی رقم بنگو کو دے دو۔" جلال نے غزالہ کو ہدایت کی اور اس نے جیب سے نوٹ نکال کر بنگو کو دے دیے۔

اپنی رقم سے زیادہ پیسے پا کر بنگو کا چہرہ کھل اٹھا "میں نے تم سے پہلے ہی کہا تھا کہ ماسٹر دریا دل آدمی ہے۔" اس نے مجھ سے تائید چاہی۔

میں سرہلا کر رہ گیا۔ میرے دل میں بنگو کے لیے ہمدردی کے جذبات امڈے چلے آرہے تھے مگر وہ گردنیں کاٹنے کا کھیل تھا۔ اسے چھوڑا جاتا تو دوسرے کئی اہم افراد مارے جاسکتے تھے۔ نہ جانے کتنے راز دشمنوں تک پہنچ جاتے۔

"میرا اپریٹس واپس دے دو۔" جلال نے بنگو سے مطالبہ کیا۔

"کیوں؟" وہ پریشان ہوگیا "میں تم سے کیسے رابطہ کروں گا؟"

"چند روز میں تمہیں نیا اپریٹس مل جائے گا۔" جلال نے اسے سمجھایا "اس اپریٹس کی فری کوئنسی بھارتیوں نے پکڑلی ہے۔ اس کا استعمال جاری رکھا تو بھارتی کسی وقت ساری باتیں سن لیں گے اور تم بے موت مارے جاؤ گے۔ یہ تبدیلی بہت ضروری ہے۔"

بات اس کی سمجھ میں آگئی۔ وہ تیزی سے اپنی پک اپ کی طرف گیا اور ڈیش بورڈ پر سے اپریٹس اٹھالایا۔

جلال نے ٹرانسمٹر لے کر اپنی جیب میں ڈال لیا اور کہا "آج کے کام کا معاوضہ تمہیں مل چکا ہے۔ واپسی میں سرحد پار کر کے دونوں لاشیں کہیں بھی گرا دینا۔ چاہو تو ان کی رائفلیں تم اپنے ساتھ لے جاسکتے ہو۔"

بنگو نے بے ساختہ اپنے کان پکڑ لیے "نہیں بابا۔ میرے پاس سے کبھی فوجی رائفل کیا' اس کی گولی بھی نکل آئی تو میں مارا جاؤں گا۔ رائفلیں وغیرہ تم رکھ لو۔"

جلال کے اشارے پر دونوں فوجیوں کے ہتھیار پک اپ سے نکال لیے گئے۔ بنگو نے اسے تاکید کی کہ اس کے لیے جلد ہی کوئی نیا کام نکالا جائے اور پھر انجن اسٹارٹ کرلیا۔ اس دوران میں جلال کا اشارہ پا کر اس کا ایک آدمی ٹریکٹر سے ایک بھاری گن نکال چکا تھا۔

بنگو نے سب کی طرف ہاتھ لہرایا۔ جلال نے اس کے اشارے کا کوئی جواب نہیں دیا۔

اچانک جلال کے آدمی نے اپنی گن کی نال سیدھی کی اور وہ دیرانہ ایک ہولناک برسٹ سے لرز اٹھا۔ پلک جھپکتے میں کئی گولیاں ونڈ اسکرین کو ریزہ ریزہ کرتی ہوئی بنگو کے جسم اور چہرے کے کئی حصوں میں پیوست ہو چکی تھیں۔ اس کی پک اپ اچھلی اور ایک ہچکی لے کر بند ہوگئی۔

فضا اچانک اداس اور بوجھل ہوگئی۔ بنگو کے ناگزیر انجام پر کوئی بھی خوش نہیں تھا۔

چند منٹ بعد ہمارا پانچ نفری قافلہ ٹریکٹر و میں سوار ہو کر واپس روانہ ہو چکا تھا۔

"کیا وہ تینوں لاشیں اسی طرح پڑی رہیں گی؟" میں نے جلال سے پوچھا۔

"نہیں۔ ابھی چیک پوسٹ پر بتا دوں گا۔ وہ گاڑی ان تین لاشوں سمیت کل بھارتیوں کو لوٹا دی جائے گی۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"بھارتیوں کو کیوں؟" میں نے حیرت اور بے یقینی سے پوچھا۔

"گاڑی بھارت سے پاکستانی علاقے میں آئی تھی۔" جلال نے دھیمی اور پر خیال آواز میں کہنا شروع کیا "جوانوں نے اسے للکارا۔ اس نے رکنے کے بجائے بھاگنے کی کوشش کی اور گاڑی پر فائر کھول دیا گیا۔ ڈرائیور کے مرنے کے بعد پتا چلا کہ پک اپ کے پچھلے حصے میں دو نتے فوجیوں کی لاشیں بھی پڑی ہوئی تھیں۔"

"وہ کیسے مارے گئے۔" میں نے سوال کیا۔ میں جزئیات سے آگاہی حاصل کرنا چاہتا تھا۔

"ہم نے سب کچھ امانت کے طور پر رات بھر کے لیے روک لیا۔ اپنے آدمیوں کے بارے میں بھارتی خود سر کھپائیں گے۔ اگر وہ لیزر گن کا نشانہ بنے تو وہ گن کہاں سے آئی اور کہاں گئی۔ ہماری سب سے بڑی سچائی یہ ہوگی کہ تین بھارتیوں کی لاشیں پاکستانی علاقے سے ان کے ایریا کمانڈر کے حوالے کی جائیں گی۔ اس معاملے میں شور مچا کر بھارتیوں کو خفت کے سوا کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ وہ یہی سوچ سوچ کر ہلکان ہوتے رہیں گے کہ دونوں فوجیوں کی لاشیں میلوں دور کیسے پہنچ گئیں۔"

"یہ اونچ نیچ تم زیادہ بہتر طور پر سمجھتے ہو۔ میں ان حربی معاملات سے نابلد ہوں۔"

گاڑی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔ دہلی میں میری اور آئی بی کی مشترکہ کامیابیوں کا خمار بنگو کے خون سے پھیکا پڑ گیا تھا۔

جلال کے دونوں آدمیوں میں سے ایک ڈرائیونگ کر رہا تھا۔ دوسرا اس کے برابر والی نشست پر بیٹھا ہوا تھا۔ جلال ہم دونوں کے ساتھ پیجیرو کی پچھلی نشست پر تھا۔ میں نے محسوس کیا کہ جلال اپنے آدمیوں کی موجودگی میں کھل کر بات کرنے سے گریز کر رہا تھا۔ مجھے اس کے کہے ہوئے یہ الفاظ بھلائے نہیں بھولتے تھے کہ ایک اچھا سیکرٹ ایجنٹ کبھی غیر ضروری طور پر کوئی بات نہیں کرتا اور نہ کسی کو اپنے رازوں میں شریک کرتا ہے۔

جلال کے دونوں آدمیوں کا تعلق بھی آئی بی سے رہا ہوگا لیکن ان کے لیے یہ سب جاننا ضروری نہیں تھا کہ میں دہلی کس لیے گیا تھا اور میں نے وہاں کیا تیر مارے تھے۔ ان دونوں نے ہماری واپسی پر بنگو کی زبان سے جو کچھ سن لیا تھا' ان کے لیے وہی کافی تھا۔

آرمی کی پہلی چیک پوسٹ پر جلال گاڑی رکوا کر نیچے اتر گیا۔ چوکی پر مامور ایک افسر نے باہر آکر اس کا استقبال کیا۔ وہ دونوں کچھ دیر تک دھیمی آوازوں میں آپس میں باتیں کرتے رہے۔ جلال کے ہاتھوں کے اشاروں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ فوجی افسر کو کچھ سمجھانے کی کوشش کر رہا تھا۔ جواب میں اس کا مخاطب سر ہلاتا رہا۔ اسے ریفنگ دے کر جلال نے اس سے الوداعی مصافحہ کیا اور واپس لوٹ آیا۔

کھیتوں اور میدانوں میں ہمارے سفر کا سلسلہ ایک مرتبہ پھر شروع ہو گیا۔

واپسی میں' میں نے بھارتی علاقے میں سفر کا خاصا حصہ بنگو کے ساتھ اگلے کیبن میں بیٹھ کر طے کیا تھا اور یہ بات خاص طور پر نوٹ کی تھی کہ پورے بھارتی علاقے میں ہم بی ایس ایف کی صرف ایک چیک پوسٹ کے پاس سے گزرے تھے جبکہ پاکستانی علاقے میں جگہ جگہ چوکیوں اور مورچوں کا ایک مربوط جال پھیلا ہوا تھا۔

اس تضاد کے دو ہی اسباب ہو سکتے تھے۔ بنگو چوروں کی طرح چھپ کر سفر کر رہا تھا اس لیے وہ چوکیوں والے معروف راستے کو چھوڑ کر جنگل اور ویرانوں سے گزرتا ہوا سرحد تک پہنچا تھا۔ اس نے صرف ایک مقام پر چوکی کے قریب سے گزرنے کا خطرہ مول لیا تھا جہاں قدرتی زمینی رکاوٹوں کی وجہ سے شاید کوئی متبادل راستہ نہیں تھا۔ ایسی صورت میں ہمارا بھارتی دستوں سے واسطہ پڑنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا جبکہ جلال اپنی سرزمین پر پورے قانونی اختیار کے ساتھ اور ڈنکے کی چوٹ پر مجھے واپس لے جا رہا تھا۔ اسے چور راستے استعمال کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ وہ سرحدی پٹی کے سب سے بہتر راستے پر سفر کر رہا تھا اس وجہ سے ہمیں جا بجا پاکستانی فوجی چوکیاں نظر آرہی تھیں۔

اس فرق کا دوسرا سبب جغرافیائی بھی ہو سکتا تھا۔ بھارتی جنگل اور ویرانے میں چوکیوں کی زیادہ ضرورت نہیں تھی۔ پاکستان کے سرسبز اور ہموار میدانی علاقے میں' مقامی آبادی کے تحفظ کے لیے قابل ذکر فوجی موجودگی ضروری تھی۔

"اب ہم کہاں جا رہے ہیں؟" لمبے سکوت کے بعد میں نے جلال سے پوچھا۔

"آج تم لاہور میں ہمارے مہمان رہو گے۔" گاڑی میں پھیلے ہوئے اندھیرے میں جلال کی آواز ابھری "لاہور کے ماڈل ٹاؤن کے ایک آرام دہ گھر میں تمہارے قیام کا بندوبست کیا گیا ہے۔ وہاں تمہیں کوئی تکلیف نہیں ہوگی۔"

"مگر میری خواہش ہے کہ میں جلد از جلد کراچی لوٹ

Downloaded from https://paksociety.com

جاؤں۔" میرے ذہن میں اول خان اور سلطان شاہ کے پیکر ناچ رہے تھے۔

"جب تک ہم لاہور پہنچیں گے' صرف نائٹ کوچ کا وقت باقی رہ جائے گا۔ اس پرواز پر پوری رات کالی ہوجاتی ہے۔ تمہیں کراچی جانے کی اتنی ہی عجلت ہے تو رات لاہور میں گزار کر صبح کی پہلی پرواز سے کراچی لوٹ جانا۔ وہاں تمہیں کیا کام ہے؟"

"یہ کام سے واپس آئے ہیں۔ اب آرام کریں گے۔" مجھ سے پہلے غزالہ بول پڑی "دراصل انہیں اپنے چہیتوں سے بچھڑے ہوئے کافی دن ہوچکے ہیں۔ یہ اب جلد از جلد ان کے درمیان پہنچ جانا چاہتے ہیں۔ میں خود بھی ان لوگوں کو بہت زیادہ مس کررہی ہوں۔"

غزالہ کی وضاحت پر جلال نے ہلکا سا قہقہہ لگایا اور کہا "اگر تم ویرا کی بات کررہی ہو تو وہ ابھی تک لاہور میں ہی موجود ہے۔ اور۔۔۔"

میں نے اسے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا "صرف ویرا نہیں' میں سب سے ملنا چاہتا ہوں۔" میں نے وضاحت کی۔

"میں بھی یہی بتا رہا تھا۔ سلطان شاہ شام کی پرواز سے لاہور آچکا ہے۔ وہ تمہارا انتظار کررہا ہوگا۔"

"یہ اچھا ہوا پھر لاہور میں رات گزاری جاسکتی ہے۔" میں نے ہتھیار ڈال دیے اور تینوں ہنسنے لگے۔

سرحدی میدانی علاقہ پیچھے چھوڑ کر پیجیرو لاہور کے مضافات میں داخل ہوگئی۔ چھوٹے چھوٹے گاؤں گزرتے رہے پھر ہم بانا پور میں داخل ہوگئے۔ وہ ایک قصبہ ہے لیکن وہاں زندگی کی چہل پہل اپنے عروج پر تھی۔

ہم گاڑی میں کسی اہم موضوع پر بات کرنے سے گریز کررہے تھے۔ کئی بار میرے دل میں آئی کہ جلال سے انگریزی میں کچھ کہوں لیکن میں ہمت نہ کرسکا۔ اس کے دونوں آدمی اس کے لیے معمولی نوعیت کے کام کررہے تھے لیکن اپنی صورتوں سے پڑھے لکھے' مہذب اور جہاں دیدہ نظر آرہے تھے۔ وہ انگریزی سے واقف ہوتے تو مجھے ان کے سامنے خاصی سبکی کا سامنا کرنا پڑتا۔

ایسا نہیں تھا کہ جلال کو ان پر اعتماد نہیں تھا۔ وہ یقینی طور پر اس کے قابل اعتماد اور محنتی کارندے تھے۔ اسی لیے وہ میرے استقبال کے لیے انہیں اپنے ساتھ لایا تھا۔ بات صرف احتیاط کی تھی اور میں حد سے بڑھی ہوئی اس احتیاط میں گھٹن کا شکار ہونے لگا تھا۔

خدا خدا کرکے پیجیرو لاہور کی حدود میں داخل ہوگئی۔ ماحول اور راستوں کی رونق میں بتدریج اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

جس وقت پیجیرو ماڈل ٹاؤن کے ایک بڑے مکان کے بند پھاٹک کے سامنے رکی تو میری رسٹ واچ میں تقریباً دس بجے کا عمل تھا۔ ایک مسلح اور باوردی دربان نے پھاٹک کی ذیلی کھڑکی سے باہر جھانکا اور پیجیرو کو پہچان کر پھاٹک کھول دیا۔ ڈرائیور گاڑی کو سبک رفتاری سے ڈرائیو وے میں پورچ تک لیتا چلا گیا۔

شاید اندر والوں کے کان کسی گاڑی کی آواز پر لگے ہوئے تھے۔ غزالہ کے بعد میں پوری طرح گاڑی سے اترنے بھی نہیں پایا تھا کہ اندر سے سلطان شاہ تقریباً دوڑتا ہوا برآمدے میں نمودار ہوا اور پھر رکے بغیر' بڑھ کر مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔

اس کے پیچھے پیچھے ویرا بھی آگئی۔ اس نے اسی تپاک سے غزالہ کا استقبال کیا۔ پیجیرو ہمیں پورچ میں اتار کر آگے بڑھ گئی۔

اس وقت لاہور کے اس وسیع و عریض مکان کے برآمدے میں مختصر سے جشن کا سا سماں ہوگیا تھا۔ ایک دوسرے کی مزاج پرسی ہورہی تھی' گلے شکوے کیے جارہے تھے' پوچھ گچھ شروع ہوگئی تھی مگر ہر لفظ اور فقرے میں خلوص ہی خلوص تھا۔

"راستے میں ڈینی سے میری بات نہیں ہوسکی۔" جلال نے اپنی بھاری آواز میں خوش دلی سے وضاحت کی "ایسا معلوم ہورہا ہے کہ تم لوگ مدتوں سے ایک دوسرے سے بچھڑے ہوئے تھے۔ میں تمہارے درمیان زیادہ دیر تک دیوار نہیں بنوں گا۔ ڈینی سے چند منٹ بات کرکے چلا جاؤں گا۔"

اس کی دخل اندازی پر مجھے احساس ہوا کہ ہم پانچوں برآمدے میں ہی اٹک کر رہ گئے تھے۔ میں نے سب کو اندر چلنے کا مشورہ دیا اور سلطان شاہ کی پیشوائی میں ہمارا قافلہ اس شش درے اور پرشکوہ مکان میں داخل ہوگیا۔

اس وقت ہمارے درمیان کوئی اجنبی نہیں تھا۔ ویرا دہلی والے مشن میں بڑی حد تک ہماری شریک کار رہی تھی۔ جلال جانتا تھا کہ میرے اور سلطان شاہ کے درمیان برادرانہ مراسم استوار تھے۔ میں اس سے اور اول خان سے کوئی بات نہیں چھپاتا تھا۔ اس نے چلتے چلتے میرے برابر میں آکر محبت سے میرے شانے پر ہاتھ رکھ دیا اور نچلی آواز میں بولا "مجھے افسوس ہے کہ میں بارڈر پر تم کو کھل کر مبارک باد نہیں دے

Downloaded from https://paksociety.com

سکا۔ تم نے دہلی میں جو کچھ کیا ہے اسے سوچ کر ہی مجھے پسینہ آگیا تھا۔ انل بسواس جیسے چیف موذی کو اس کے شہر بلکہ گھر میں گھس کر مارنا بہت دل گردے کا کام تھا۔ وہ پیغام ملا تو مجھے یقین نہیں آرہا تھا کہ تم اپنے مشن میں سرخ رو ہو چکے ہو۔"

"یہ صرف ڈینی کا کام نہیں تھا۔ اس میں تھوڑا بہت میرا ہاتھ بھی تھا۔" ویرا نے شوخی سے جلال کی تصحیح کی۔

"تم نے بھی لاجواب کام کیے ہیں لیکن تمہیں اپنی کارکردگی پر مناسب ترین خراج تحسین پیش کیا جاچکا ہے۔" جلال نے مسکراتے ہوئے کہا۔

"ڈینی کے آنے سے میری اہمیت کم نہیں ہوسکتی۔ میں نے....." ویرا نے بولنا چاہا لیکن سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ دی۔

"ہاں' ہاں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم نے جان اسمتھ کو ہوٹل میں تلاش کرنے اور پھر جنم واصل کرنے میں غزالہ کی مدد کی تھی اور تم ہی نے راولوں کا کچھ اہم ترین ریکارڈ بھارت سے لاہور پہنچایا ہے۔ میرے آنے کے بعد سے تم یہ باتیں کئی بار دہرا چکی ہو۔"

"اچھا.....!" ویرا نے اس پر آنکھیں نکالیں "ڈینی کو دیکھ کر اب تم بھی شیر ہو رہے ہو۔ یہ باتیں میں نے بتائی تھیں یا تم نے پوچھی تھیں!؟"

"ویرا' پلیز!" جلال نے ہاتھ اٹھا کر استدعا کی "مجھے معلوم ہے کہ تم دونوں کے یہ جھگڑے چلتے رہتے ہیں۔ تم لوگوں کو ابھی تک ہوا بھی نہیں لگی تھی کہ ڈینی دہلی میں کیا کرکے آیا ہے۔" میں نے محسوس کیا کہ ویرا سے بات کرتے ہوئے جلال کے لہجے میں ہلکی سی لجاجت موجود تھی جو اس کے جھکاؤ کی غمازی کر رہی تھی۔

"ابھی تم بتا چکے ہو کہ ڈینی نے انل بسواس کا کام تمام کردیا ہے۔" ویرا نے اپنی گردن ترچھی کرکے جلال کو یاد دلایا۔

"ڈینی یہاں سے اس کام کا بیڑا اٹھا کر نکلا تھا اور اسے پورا کرکے لوٹا ہے۔ میرے آدمی تین برس سے وہاں رہ رہے ہیں مگر وہ انل کے سائے کے قریب بھی نہیں پھٹک سکے تھے۔ یہ کام بے خوف منصوبہ بندی اور حوصلے کے بغیر نہیں کیا جاسکتا تھا۔"

"تمہارے محکمے کو اس کارنامے پر ڈینی کو تمغہ دینا چاہیے۔" ویرا نے منہ بنا کر کہا۔

"دکھ اسی بات کا ہے کہ سرکاری طور پر میرا محکمہ کچھ نہیں کرسکتا۔" جلال کی آواز متاسفانہ ہوگئی "معاملہ صرف بھارت کا ہوتا تو ہمیں پروا بھی نہ ہوتی لیکن ڈینی نے بدقسمتی سے امریکیوں سے بھی دشمنی مول لی ہوئی ہے۔ آج کی دنیا میں کوئی امریکا کے کسی دشمن کو اپنے گلے لگانے کی ہمت نہیں کرسکتا۔ امریکی ایسے تکبر میں مبتلا ہیں کہ اپنے دشمن کو چھوڑ کر سب سے پہلے اس کے ہمدرد کا نرخرا چبا ڈالیں گے۔"

"یہ بات تم کس حیثیت میں کہہ رہے ہو۔" ویرا یکایک بہت زیادہ سنجیدہ ہوگئی۔

"مم..... میرا مطلب ہے کہ یہ میری ذاتی رائے ہے۔ محکمے سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔ وہاں جو کچھ ہوتا ہے' پالیسیوں کے مطابق ہوتا ہے۔" جلال بوکھلا کر بولا۔

ویرا نے اس کی بوکھلاہٹ پر زوردار قہقہہ لگایا اور کہا "میں ہمیشہ کہتی ہوں کہ میں خود امریکی ہوں اور اپنی قوم کو اچھی طرح پہچانتی ہوں۔ یہ بہت بزدل ہوتے ہیں مگر اپنی بے پناہ طاقت کے بل پر عالمی داداگیر بلکہ بدمعاش بن چکے ہیں کیونکہ ان کے ظلم کی کہیں کوئی دادرسی فریاد نہیں ہے۔"

"تم بات کسی اور طرف لے جاتی ہو۔" اس بار جلال کچھ جھلا کر بولا "میں ڈینی کو یہ بتانا چاہ رہا تھا کہ اس کے بلکہ تم تینوں کے کارناموں پر نیچے سے اوپر تک سب بہت خوش ہیں۔ گرین کوبرا فائل کے ساتھ آنے والے ریکارڈ اور انل کے منظر سے ہٹ جانے کے بعد بھارتی سازشوں کو شدید دھچکا لگا ہے اور وہ پندرہ بیس سال پیچھے چلے گئے ہیں مگر اس کے باوجود' مجھ سمیت کوئی بھی' تمہیں یا تم لوگوں کے کارناموں کو سرکاری طور پر نہیں اپنا سکتا۔ امریکا ڈینی کا دشمن ہے۔ وہ اس سے کسی کی دوستی برداشت نہیں کرے گا۔"

"دہلی میں تمہارے آدمیوں کے ساتھ کام کرتے ہوئے میں نے تمہاری دوسری مجبوریوں کا بھی قریب سے مشاہدہ کیا ہے۔ ہم نے اس مشن کا بیڑا کسی انعام یا تعریف کے لالچ میں نہیں اٹھایا تھا۔ یہ ہمارا فرض تھا جو ہم نے پورا کردیا۔ ہمیں صلے کی تمنا ہے' نہ ستائش کی پروا۔"

جلال کے چہرے پر ہلکی سی سرخی پھیل گئی اور اس نے دھیمے لہجے میں اپنی بات جاری رکھی "مجھے معلوم تھا کہ تم یہی کہو گے۔ تم چاروں اور تمہارے ساتھ پانچواں اول خان ہے۔ تم سب بہت احترام اور عزت کے قابل ہو۔ میں نے ابھی جو کچھ بتایا وہ ہماری سرکاری پوزیشن ہے۔ میں اپنے بڑوں اور چھوٹوں کی طرف سے تمہارا ممنون ہوں۔ نجی سطح پر تمہیں ہر قسم کی مراعات حاصل رہیں گی۔"

باتیں کرتے ہوئے ہم ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئے۔ جس کو جہاں جگہ ملی وہ وہیں بیٹھتا چلا گیا لیکن غزالہ دروازے

Downloaded from https://paksociety.com

سے اندر داخل ہو کر ایک طرف کھڑی رہی۔

"غزالہ! تم بھی بیٹھ جاؤ" جلال نے وسیع ڈرائنگ روم کے خالی صوفوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

"امرتسر سے یہاں تک کے سفر نے مجھے تھکا دیا ہے۔ پک اپ میں بیٹھے بیٹھے میرا جوڑ جوڑ ہل گیا تھا۔ میں کچھ دیر کے لیے اپنی کمر سیدھی کرنا چاہتی ہوں۔"

"اوہ!" جلال نے معذرت خواہانہ انداز میں اٹھتے ہوئے کہا "میں تمہیں تمہارا کمرہ دکھاتا ہوں۔"

"تم بیٹھو' میں غزالہ کے ساتھ جا رہا ہوں" سلطان شاہ نے اس کام کے لیے اپنی خدمات پیش کردیں۔

وہ غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم سے نکلا ہی تھا کہ ویرا نے بیٹھے بیٹھے ہانک لگائی "کمر میں زیادہ درد ہے تو ڈینی کو ساتھ لے جاؤ۔ یہ تمہاری کمر دبا دے گا۔"

"غزالہ کی کمر سے زیادہ اس وقت تمہارا گلا دبانے کی ضرورت ہے۔ ڈینی کو وہیں رہنے دو" سلطان شاہ نے مڑ کر جواب دیا اور وہ دونوں راہ داری میں غائب ہو گئے۔

"گرین کوبرا فائل میں پاکستان' بنگلا دیش' سری لنکا اور نیپال کے خلاف بھارت کے سازشانہ عزائم کا تفصیلی روڈ میپ موجود ہے" جلال نے پہلو بدل کر سنجیدگی سے بتانا شروع کیا "دوسرے کاغذات بھی بہت اہم ہیں۔ اس پلندے نے ہماری آنکھیں کھول دی ہیں۔ بھارت کے مذموم اور جارحانہ عزائم ہماری توقعات سے کہیں زیادہ ہیں۔ گرین کوبرا فائل اور دوسرے کاغذات کا ملنا' انل بسواس کا کانٹا ہٹانے سے زیادہ اہم اور ضروری تھا۔"

"مگر مجھے اس بارے میں بریف نہیں کیا گیا تھا۔" میں نے دبے الفاظ میں شکوا کیا۔

"یہ ہمارے تصور میں بھی نہیں تھا کہ تم جیسا اجنبی دہلی میں چند روز گزارنے کے بعد یکایک را کے حلق میں ہاتھ ڈال دے گا۔ اس بار ہر بات انہونی ہوئی ہے۔"

"اس میں ہماری منصوبہ بندی سے زیادہ حالات کا دخل تھا۔ جو کچھ سامنے آ رہا تھا' اس کی روشنی میں ہم تیزی سے فیصلے کرتے چلے گئے" میں نے کہا۔

"جان اسمتھ کو بھی بروقت ہٹایا گیا ہے" جلال بولا "گرین کوبرا پلان میں اس کے نام کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ وہ اس خطے میں ناپسندیدہ حکومتوں کو گرانے کے لیے جوڑ توڑ اور ڈالروں کے بے دریغ استعمال کا گندہ کھیل کافی آگے تک لے جا چکا تھا۔"

"تم یہ مان لو کہ وہ محض میری وجہ سے مارا گیا ہے" ویرا نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "میں اسے خوف زدہ کر کے کسی خارش زدہ چوہے کی طرح کراچی سے بھاگنے پر مجبور نہ کرتی تو وہ دہلی پہنچتا اور نہ غزالہ کے ہاتھوں مارا جاتا۔"

"اس میں کوئی شبہ نہیں ہے" اسے شرافت پر مائل پا کر میں نے بھی پوری سنجیدگی سے کہا اور پھر جلال کی طرف متوجہ ہو گیا "صرف یہی نہیں بلکہ ویرا کسی پروگرام کے بغیر سمراٹ ہوٹل پہنچی۔ غزالہ پریشان تھی کہ وہ جان اسمتھ جیسے اجنبی کو اتنے بڑے ہوٹل میں کہاں تلاش کرے گی۔ ویرا نے اس کی بھرپور مدد کی اور وہ اپنے کمرے میں جانے کے بعد جہنم واصل ہو گیا۔"

"تم لوگوں نے دہلی کے اس دورے میں سارے بت گرا دیے۔ انل کے ساتھ تم نے دوسرے کس آدمی کو مارا ہے؟" جلال نے پوچھا۔

"وہ عہدے میں انل بسواس سے بہت کم تر ہے۔ اسے انل کا سینئر کلرک سمجھ لو۔ گرین کوبرا فائل سمیت ریکارڈ کی فائلوں کا ایک انبار اس کی تجوری میں دفن تھا۔ وہ سب لانا ممکن نہیں تھا اس لیے میں نے اس کے دفتر کو آگ لگا دی تھی۔ جو کاغذ ہمارے کام نہیں آ سکتے' وہ ان کے کام کیوں آئیں!"

"اس آگ میں ان کا ایک ایجنٹ بھی جل کر مرا تھا۔" جلال کی باتوں سے ظاہر ہو رہا تھا کہ دہلی میں تیزی سے رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں اس کی اطلاعات میں گہرائی نہیں تھی۔ اسے ہر بات معلوم تھی لیکن اندر کے پیچ اس کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔

"معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے آدمی تمہیں تفصیل کے ساتھ کچھ نہیں بتاتے" میں نے اپنے دل کی بات کہہ ڈالی۔

"حقیقت یہ ہے کہ وہ بڑے واقعات سے باخبر کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس رابطے کا کوئی قابل اعتماد ذریعہ نہیں ہے" جلال نے سگریٹ کا کش لے کر فضا میں کثیف دھواں بکھیرتے ہوئے جواب دیا "فون اور فیکس استعمال نہیں کر سکتے۔ دہلی اور پاکستان کے کسی سرحدی شہر کے درمیان رابطے کے لیے دستی اپریٹس دستیاب نہیں ہیں۔ وہاں سے ابھی تک انل اور نریش کے بارے میں خبر نہیں آ سکی۔ جو کچھ معلوم ہوا ہے' سفارتی رپورٹ سے معلوم ہوا ہے۔"

"دنیا کے ہر ملک میں ڈپلومیٹک بیگ کو تقدس کا درجہ حاصل ہے۔ دشمن بھی کسی کی سفارتی ڈاک کا تھیلا نہیں کھولتے" میں نے کہا "وہ اپنی رپورٹیں دہلی میں واقع پاکستانی

Downloaded from https://paksociety.com

ہائی کمیشن کے ذریعے بھیج سکتے ہیں۔ ان کے لیے یہ سب سے سہل طریقہ ہے۔"

جلال کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی "یہ اتنا آسان نہیں ہے۔ ہائی کمیشن کے ایک ایک ملازم کی دن رات نگرانی ہوتی ہے۔ میرے آدمی ان سے دور رہتے ہیں ورنہ وہ بھی بھارتی ایجنسیوں کی نظروں میں آجائیں گے۔ مکمل رازداری کے ساتھ دہلی میں تین برس گزارنا آسان کام نہیں ہے۔"

"یہ بہت بڑی مجبوری ہے" میں نے کہا "میری خواہش تھی کہ ہمیں وہاں سے پل پل کی خبریں ملتی رہیں۔ میں نے اپنی دانست میں اپنا کام پورا کرلیا جب تک ان کا ردِعمل سامنے نہیں آئے گا' یہ پتا نہیں چل سکے گا کہ ہم کہاں تک کامیاب رہے ہیں۔"

"ذرا صبر سے کام لو۔ پچھلی رات کو تم نے انہیں مارا' صبح ان کی لاشیں دریافت ہوئیں۔ ابھی چوبیس گھنٹے بھی نہیں گزرے اور وہ تمہاری تلاش میں نکل پڑے ہیں۔ یہ ان کی گھبراہٹ اور بدحواسی کی سب سے بڑی نشانی ہے۔"

"اگر وہ بیم گن کے استعمال پر اتنا زیادہ دھیان دے رہے ہیں تو اب انہیں یہ بھی معلوم ہوجائے گا کہ نریش کے دفتر کی تجوری لیزر سے کاٹی گئی تھی۔ نریش لیزر سے مارا گیا۔ انل کو اس کے ساتھ مارا گیا مگر اسے ختم کرنے کے لیے زہر استعمال کیا گیا۔ اس سے یہ بات سامنے آجائے گی کہ زہر اور لیزر گن ایک ہی فریق یا شخص استعمال کررہا ہے۔ وہ سارے الزامات میرے اوپر ڈال دیں گے۔"

"یہ حقائق ان کے ہوش اڑا دیں گے" جلال نے زور دے کر کہا "ایک شخص دہلی میں بیٹھا ان کی بنیادیں کھوکھلی کررہا تھا اور وہ غافل بیٹھے ہوئے تھے۔"

"میرے سر پر ایک الزام ہو یا دس خون عائد کردیے جائیں' کیا فرق پڑتا ہے۔ اب میں باہر آچکا ہوں۔ جب تک بھارت میں پھنسا ہوا تھا' ہر قدم پھونک پھونک کر اٹھا رہا تھا۔"

"تم اپنی اس حکمتِ عملی میں بھی پوری طرح کامیاب ہوگئے۔ راوالے احمق نہیں ہیں۔ اگر را کے پاکستانی ونگ کی تجوری سالم ہوتی اور دفتر کو آگ لگادی گئی ہوتی تو انہیں زیادہ تشویش نہ ہوتی۔ کٹی ہوئی تجوری سے سارا ریکارڈ نکالے جانے سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ آنے والے کسی خاص چیز کی تلاش میں تھے۔ وہ چیدہ چیدہ ریکارڈ اپنے ساتھ لے گئے اور باقی ردی کے ڈھیر کو ان کے ایجنٹ کی چتا میں بدل دیا۔"

"سونے پر سہاگا یہ کہ یہ سب ڈینی کا کیا دھرا ہے" ویرا نے ہاکا سا قہقہہ لگا کر کہا۔

"کل کی سفارتی ڈاک سے بڑے بھارتی اخبار آئیں گے۔ میں ایک دو تمہیں بھجوادوں گا۔ ان سے تمہیں دہلی کی تازہ ترین خبریں مل جائیں گی" جلال نے اپنی جگہ چھوڑ دی "مجھے تم سے بہت سی باتیں کرنی ہیں۔ ابھی میرا دل نہیں بھرا مگر مجبوری یہ ہے کہ گیارہ بجے مجھے دفتر خارجہ کے ایک اجلاس میں شرکت کرنی ہے۔ میں وقت نکال کر ذرا فرصت سے تمہارے پاس آؤں گا تاکہ تم سے کچھ سیکھ سکوں۔ بے داغ منصوبہ بندی اور تیز فیصلے کرنے کی تمہاری صلاحیتیں قابلِ رشک ہیں۔"

باتیں کرتے کرتے اس نے اپنی جیب میں سے ایک مڑا ہوا لفافہ نکالا اور میری طرف بڑھادیا "یہ رکھ لو۔"

"اس میں کیا ہے" میں نے اس کے ہاتھ سے لفافہ لے کر متجسس لہجے میں پوچھا۔

"میرے جانے کے بعد دیکھ لینا۔ ابھی اسے اپنی جیب میں رکھ لو" اس نے میرا ہاتھ دباتے ہوئے کہا اور دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

میں نے محسوس کرلیا تھا کہ اس کاغذی لفافے میں کوئی کاغذ ہی تھا۔ وہ میرے لیے کوئی پیغام ہی ہوسکتا تھا۔ میں نے رواروی میں لفافہ اپنی جیب میں ڈال لیا۔

جلال کے برآمدے میں اترتے ہی سرکاری نمبر پلیٹ والی گاڑی پورچ میں رینگ آئی۔ جلال ہم دونوں سے ہاتھ ملاکر گاڑی میں سوار ہوا اور وہاں سے روانہ ہوگیا۔

"کھول کر تو دیکھو' لفافے میں کیا ہے؟" تخلیہ ہوجانے پر ویرا نے مجھے اکسایا۔

"تمہارے رشتے کا پیغام بھی ہوسکتا ہے۔ میں دیکھ رہا تھا

مقامِ شکر

انسان ہر حال میں کسی نہ کسی بات پر خدا کا شکر ادا کرسکتا ہے۔ مثلاً اگر آپ کے ذمے کچھ قرض ہے اور آپ اسے ادا نہیں کرپارہے ہیں تو آپ کو اس بات پر خدا کا شکر ادا کرنا چاہیے کہ آپ وہ آدمی نہیں ہیں جس کا آپ کے ذمے قرضہ ہے...!

Downloaded from https://paksociety.com

کہ آج جلال کی نظروں میں تمہارے لیے کوئی عجیب سی بات تھی۔"

اس نے ایک جان دار قہقہہ لگایا جیسے میرے تبصرے سے محظوظ ہوئی ہو پھر بولی "تم واقعی عقاب کی سی نگاہیں رکھتے ہو۔ میں نے جان بوجھ کر اسے تھوڑی سی راہ دی تھی۔ اب وہ مجھ سے بے تکلف ہونا چاہ رہا ہے مگر میں اس سے کھنچ گئی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ وہ اندر ہی اندر تڑپ رہا ہوگا۔"

ہم دونوں ڈرائنگ روم میں آبیٹھے۔ نئے موضوع میں انہماک کے باعث لفافے کا معاملہ محو ہوگیا۔

"جب تمہیں اس سے مراسم نہیں بڑھانے تھے تو اسے راہ کیوں دی تھی؟ تم اپنی حرکتوں سے باز نہیں آؤ گی؟" میں نے اسے گھورتے ہوئے ملامت کی۔

"میرے اوپر آنکھیں نہ نکالو" وہ غرائی "پہلے پوری بات سن لو۔ میں ٹرین سے فائلیں لے کر لاہور پہنچی تو وہ بہت جذباتی ہو رہا تھا۔ اس نے مجھے سینے سے لگا کر کہا کہ وہ مجھے اپنی بہن سمجھتا ہے۔ یہ سن کر میرے تن بدن میں آگ لگ گئی کہ وہ بلاوجہ پارسا بننے کی کوشش کر رہا تھا۔"

"اس میں آگ لگنے کی کیا بات تھی۔ مجھے اس کی بات پر کوئی شبہ نہیں ہے۔ وہ بہت شریف اور باکردار آدمی ہے۔"

"نامحرم عورت کو بہن اور بیٹی قرار دینا گالی کے برابر ہوتا ہے" وہ تنک کر بولی۔

"امریکا میں ہوتا ہوگا۔ مشرق میں یہ رشتے محبت اور احترام کے لیے استعمال ہوتے ہیں۔"

"میں امریکا میں پلی اور بڑھی ہوں۔ تم کو یہ موٹی سی بات سمجھ لینی چاہیے کہ جب تم کسی خوبصورت عورت یا لڑکی کو بہن کہتے ہو تو اسے یہ جتانے کی کوشش کرتے ہو کہ تم اسے اپنی محبوبہ بنانے کے قابل نہیں سمجھتے۔ مجھے جلال کی یہی بات بری لگی تھی۔"

"سبحان اللہ ..... کیا انوکھی منطق ہے تمہاری" میں نے زہریلے لہجے میں کہا "یہ اس کا قصور نہیں بلکہ تمہارے دماغ کا گند ہے۔"

"ہوا کرے۔ مجھے اس کی پروا نہیں ہے۔ میں یہ بتا رہی تھی کہ میں نے اسی وقت اسے سلگانے کا ارادہ کرلیا تھا۔ تمہیں معلوم ہے کہ میں کسی کو ستانے کا ارادہ کرلیتی ہوں تو کس حد تک جاسکتی ہوں۔ میں کراچی جانے کے بجائے یہیں جم کر بیٹھی ہوئی ہوں۔ اس سے جڑ کر بیٹھتی رہی۔ بات کرتی تو اس پر اتنا جھک جاتی کہ بے چارہ اپنے چہرے پر آنے والے میرے گرم گرم سانسوں سے پریشان ہوجاتا۔ جوں ہی وہ پگھلا میں انجان بن گئی۔ اب اس کی ہمت نہیں ہوتی کہ کس طرح میرے قریب آئے۔ اسے سلگا کر مجھے سچی خوشی حاصل ہوتی ہے۔"

"یہ بے ہودہ حرکتیں ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے دماغ کی کوئی رگ ڈھیلی ہوچکی ہے۔"

"تم جو چاہو کہتے رہو۔ مجھے فرق نہیں پڑتا۔ یہ میرا شغل ہے' اس سے مجھے تسکین ملتی ہے۔ یہ جاری رہے گا۔"

اسی وقت سلطان شاہ لوٹ آیا۔ غزالہ کو وہ شاید اس کے کمرے میں چھوڑ آیا تھا۔

"اوہو۔ یہاں تخلیے میں کیا ہو رہا ہے" اس نے ڈرائنگ روم میں داخل ہوتے ہی مسرت سے پوچھا "بھائی جلال کہاں ہیں؟"

"وہ چلا گیا" ویرا چٹکی بجا کر بولی "میں ڈینی کو اسی کا قصہ سنا رہی تھی۔ اب وہ مجھے بہن کہہ کر پشیمان ہے۔"

"دیکھو! یہاں ہم اسی کے مہمان ہیں۔ یہاں خفیہ مائیکروفونز وغیرہ بھی ہوسکتے ہیں" میں نے ویرا کو سمجھانے کی کوشش کی "اگر تمہاری اس فضول گوئی کی بھنک اس کے کانوں میں پڑگئی تو اسے صدمہ ہوگا اور ہمارے آپس کے تعلقات بگڑ جائیں گے۔ کوئی بھی اپنی کردار کشی برداشت نہیں کرے گا۔"

"میں تمہیں بتا کر اپنا دل ہلکا کرنا چاہ رہی تھی۔ تم خاموشی سے اسے دیکھتے رہنا۔ میں غزالہ سے اس بارے میں بالکل بات نہیں کروں گی۔"

میں نے اسے کوئی جواب دینے کے بجائے سگریٹ سلگالی۔

"وہ لفافہ تو کھولو" قدرے توقف کے بعد وہ چونک کر بولی "اپنا پیٹ ہلکا کرتے ہی اسے بھولا ہوا موضوع یاد آگیا تھا۔"

"یہ کس لفافے کا ذکر ہے؟" سلطان شاہ نے حیرت سے باری باری ہم دونوں کی طرف دیکھا۔

"یہ ہے!" میں نے لفافہ جیب سے نکالتے ہوئے اسے جواب دیا۔

لفافے کا فلیپ اسکاچ ٹیپ سے چپکا ہوا تھا۔ اس میں کوئی ہلکا پھلکا کاغذ ہی تھا۔ میں نے ٹیپ ہٹا کر لفافہ کھولا اور اندر نگاہ ڈالی تو بھونچکا رہ گیا۔ مجھے یوں محسوس ہوا تھا جیسے کسی نے بے خبری میں میرے سر پر لٹھ دے مارا ہو۔

جلال کے لفافے میں رکھا ہوا کلوتا کاغذ میرا منہ چڑا رہا تھا۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستانِ عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجیے

Downloaded from https://paksociety.com

دھمن کے پیچھے جاں بازوں کی ایک ایسی پراسرار فارمیشن کا مقامی سربراہ تھا۔ جسے انٹیشل ٹاسک فورس کہا جاتا تھا۔ جمی لائیڈ کی بیٹی ویرا بھی ابتدائی دشمنی کے بعد میری حلیف بن گئی۔ ویرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ڈون کوانگ نوٹامی ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آنرک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے انداز ہ مالی وسائل پر قابض ہو کر انہیں ڈیوژ اسٹار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جمی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد انرک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی ایٹمی تنصیبات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا' مگر یہاں اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ڈیوژ اسٹار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کھل کر سامنے آگئی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور ایرانین ڈی ایٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی' اس نے میرے اور اول خان کے فنگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا' اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی کم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خود کشی کر لی۔ اس کی خود کشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی اور فعال ہونے پر ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعین پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار روب رالبل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ بہت کایاں نکلا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے ہائی جیک کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا پھور کے علاقے میں مسلح تربیتی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت چلا گیا ہے۔ ہمارا اگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا جو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ اگلے ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا' کرایہ نامے دستخطی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے ملنے والی کار کے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے جگدیش تک پہنچ گئے۔ وہ ان معاملات سے بے خبر تھا مگر اس کا بھائی روی' کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو چکا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار دوما رکی مدد کی بدولت کاروں کے ہمراہ اپنے بھائی انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری چند تک پہنچا دیا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود رہ کر پاکستانی ونگ کے سربراہ انل بساس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں کچھ سن گن مل گئی تھی لہٰذا اسے ذہنی طور پر ناکارہ بنا دیا گیا۔ تاہم اس سے پہلے وہ جوگیندر پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ جوگیندر پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہوا مگر اس کے وہ گرگے میرے مقابلے میں بودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے جوگیندر پال کا فون نمبر بھی مل گیا' جس کے بعد جوگیندر پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی دبا کے انسداد کے لیے ایس پی ایف کے مقامی کمانڈر کی مدد کی اور جلال کے تعاون سے جہانگیر کے ماموں سسر نیک پدری مقصد کی این جی او کا قلع قمع کر دیا۔ اس کے بعد ہم انڈیا روانہ ہو گئے۔ ہم نے جلال کی مدد سے سرحد عبور کی اور بآسانی دہلی پہنچ گئے۔ دہلی میں ہمارا قیام نہایت سنسنی خیز رہا۔ میں انل بساس کا شکار کرنا چاہتا تھا۔ آئی بی کے ایجنٹوں کی نشاندہی پر ویرا نے اپنا قیام ہم سے الگ کر لیا۔ میں اور غزالہ تاج محل میں تھے۔ کسی رشتے کے بغیر غزالہ کے ساتھ مشترک کمرے میں رہائش کی بنا پر ہماری طرف متوجہ ہوئی۔ اس کی ایک خوب رو ایجنٹ ریبا اجیت رائے نے دل پھینک اوباش دوشیزہ کے روپ میں مجھ سے ملاقات کی اور میں اس کے جلووں کا شکار ہوتا چلا گیا۔ ہوٹل کی رنگین تنہائی میں کچھ وقت گزار کر اس نے بتایا کہ وہ باقاعدہ منصوبے کے تحت مجھ سے نزدیکی قائم کی تھی اور میری بے راہ روی کی مکمل ویڈیو تیار کی جا چکی تھی۔ مجھے اس کے بعد انل بساس سے ملنا پڑا۔ اس نے مجھے سیدھا سادا کاروباری مگر عیاش پاکستانی سمجھ کر اپنے جال میں پھنسانا چاہا اور میں بہ رضا و رغبت اس میں پھنستا چلا گیا۔ اسی وقت آئی بی کے مقامی ایجنٹوں نے مجھے بتایا کہ وہ گرین کوبرا نامی فائل کے چکر میں ہیں جس میں پاکستان کے خلاف خطرناک مواد موجود ہے۔ میں نے انل بساس سے اس کے دفتر میں ملاقات کی۔ جہاں اس کا معاون نریش شرما بھی موجود تھا۔ مجھے اندازہ ہوا کہ گرین کوبرا فائل اور میری اور ریبا اجیت رائے کی ویڈیو نریش شرما کے کمرے میں تھی۔ را کا وہ دفتر انتہائی حفاظتی اقدامات کی بنا پر مجھے آسان معلوم ہوا اور میں نے وہاں نقب لگا کر اپنی ویڈیو فلم ضائع کر دی نیز مال غنیمت کے طور پر گرین کوبرا فائل کے ساتھ ساتھ بہت سا اہم ریکارڈ بھی وہاں سے اڑا لیا۔ اس مہم میں را کا ایک ایجنٹ بھی میرے ہاتھوں مارا گیا۔ را کے دفتر سے ملنے والا تمام ریکارڈ میں نے فوری طور پر ورا کے ہمراہ پاکستان بھجوا دیا اور وہ بہ خیریت وہاں سے نکل گئی۔ اس کارروائی کے بعد مجھے کچھ تکلیف دہ وقت گزارنا پڑا مگر مجھے جلد ہی مطلوبہ اہم معلومات حاصل ہو گئی تھی مگر اب ریبا میری ہم نوا ہو کر اپنے فرض سے غداری پر آمادہ تھی۔ اس کی کوششوں کے باعث راو والے مجھے دوبارہ کسی جال میں گرفتار نہ کر سکے۔ اب آخری معرکہ باقی تھا۔ مجھے انل بساس اور نریش شرما دونوں کو ٹھکانے کرنا تھا اور خلاف توقع میرا یہ مشن نہایت آسانی سے مکمل ہو گیا۔ واپسی کے سفر میں ہم سرحد عبور کرتے ہوئے دو بھارتی فوجیوں سے ٹکرائے جنہیں جہنم واصل کرنے کے بعد جلال کے لیے امرتسر میں خدمات انجام دینے والے بنگو کو بھی قربان کرنا پڑا۔ ہم پاکستان پہنچے جہاں ویرا اور سلطان شاہ ہمارے منتظر تھے۔ ہم اپنی قیام گاہ پر تھے اور جلال مجھ سے تھوڑی دیر کے لیے رخصت ہو رہا تھا۔ وہ چلتے چلتے ایک لفافہ مجھے دے گیا تھا۔ اس کے جانے کے بعد میں نے لفافہ کھولا اور اندر رکھے کاغذ پر نظر پڑتے ہی مجھے یوں لگا جیسے کسی نے میرے سر پر لٹھ مار دیا ہو۔

اب آپ مزید واقعات ملاحظہ کیجیے

میں نے وہ کاغذ لفافے میں نکالے بغیر دیکھا۔ وہ کوئی ام کاغذ نہیں تھا۔ نیشنل بینک کی مقامی شاخ کا بیئرر چیک تھا س پر دس لاکھ روپے کی خطیر رقم درج تھی۔ کوئی بھی شخص پنے دو دستخطوں کے ساتھ وہ چیک بینک میں پیش کر کے دس کھ روپے نقد حاصل کر سکتا تھا۔

میرے ذہن میں بے اختیار غزالہ کے وہ الفاظ گھوم گئے جو اس نے امرتسر میں بنگو کو رقم کی ادائیگی کے سلسلے میں کہے تھے۔ اس کا خیال تھا کہ امرتسر سے ہماری غیر قانونی واپسی کے لیے بنگو کو ادا کی جانے والی رقم جلال اور اس کے محکمے کے سربراہ ہی چاہیے تھی۔ غزالہ اپنی عملی زندگی میں بہت

Downloaded from https://paksociety.com

فراخ دل اور بے پروا تھی۔ امر تسر میں پتا نہیں کیوں وہ چھوٹی بات اس کے ذہن میں آ گئی تھی۔ اس کے خود غرضانہ خیال سے اتفاق نہیں کیا تھا اور حساب کتاب کرنے کا... کوئی معمولی سا خیال بھی اپنے ذہن میں لائے بغیر بنگلو کو پندرہ ہزار روپے اپنے پاس سے ادا کر دیے تھے۔

دوسری طرف وہ چیزیں جلال کی نظروں سے اوجھل نہیں تھیں۔ اسے معلوم تھا کہ ہم آئی بی کی کسی مالی اعانت کے بغیر قومی مقاصد میں اس کے محکمے کی اعانت کر رہے تھے اور اس مد میں ہونے والے تمام اخراجات خود برداشت کر رہے تھے۔ اس نے شاید بھارت کے سفر میں ہونے والے ہمارے بھاری اخراجات اور خدمات کے صلے میں خطیر رقم کا وہ چیک مجھے دیا تھا مگر مجھے یوں محسوس ہوا جیسے اس نے میرے منہ پر تھپڑ دے مارا ہو۔

میں اپنے دل کی گہرائیوں سے سچا پاکستانی تھا۔ میرے پاس جو کچھ بھی تھا اسی ملک کے طفیل تھا۔ اگر میں اس ملک کی بقا اور سلامتی کے تحفظ کے لیے اپنی ساری جمع پونجی کے ساتھ اپنی جان بھی داؤ پر لگا دیتا تو اپنی زمین اور مٹی کا قرض ادا نہیں کر سکتا تھا۔ وہ سراسر میرا اور میرے وطن کا معاملہ تھا۔ جلال یا کسی اور کو اس کی قیمت لگانے کا کوئی حق حاصل نہیں تھا۔

وطن سے محبت کا وہ سبق میں نے اپنا بہت کچھ کھو دینے کے بعد سیکھا تھا۔ اپنی سوتیلی ماں اور سوتیلے بھائیوں کے انسانیت سوز سلوک کے سائے میں، میں نے جوانی کی دہلیز پر قدم رکھا۔ بھوک، پیاس اور غربت کے دکھ جھیلے اور اپنی سگی ماں کی صحت یابی کے لیے کچھ نہ کر سکا۔ لاہور میں میرے لیے زمین تنگ ہو گئی تھی اور آسمان بہت دور تھا۔ میری ماں اپنے جوان بیٹے کی وہ بے بسی اور بے کسی زیادہ دن نہ دیکھ سکی اور آئے دن خالق حقیقی سے جا ملی۔ اس کے سانس کی لڑی ٹوٹتے ہی میری وہ دزدیٔ زنجیر بھی ٹوٹ گئی جس نے مجھے لاہور کی مٹی سے باندھا ہوا تھا۔ ماں کے سوگ میں کسی اندھے، گونگے اور بہرے روگی کی طرح میں نے نہ جانے کتنا وقت چلتے چلتے گزارا اور پھر اپنے غدار شہر کو خیرباد کہہ کر کراچی کا رخ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ کراچی میرے لیے اجنبی شہر تھا لیکن اس شہر نے شی کے ذریعے مجھے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ بظاہر سوسائٹی فار ہیومن ایجوکیشن منشیات کے انسداد کے لیے کام کر رہی تھی۔ اس کا سرغنہ جمی لائیڈ تھا جو ویرا کا بن بیاہا باپ بھی تھا۔ شی نے میری ہر مالی ضرورت فراخ دلی سے پوری کی اور میں نے مفت کی روٹیاں توڑنے کے بجائے رکھنے کے لیے ابتدا میں مفت اور پھر کوڑیوں کے دام کراچی میں ہیروئن پھیلانی شروع کر دی۔ اس وقت میں اچھے اور برے کی تمیز کھو کر صرف دولت حاصل کرنے کا خواہاں تھا کیونکہ اسی کی محرومی کے سبب میری ماں قبل از وقت منوں مٹی تلے جا سوئی تھی مگر جب میں نے اپنی آنکھوں سے ہیروئن کی ہولناک تباہ کاریاں دیکھیں تو میرا رُواں رُواں کانپ اٹھا۔ وہ میری زندگی کا اہم ترین موڑ تھا جہاں سے میری کایا کلپ شروع ہوئی۔ میں نے شی اور اس کے مفادات کے خلاف تن تنہا ایک خفیہ جنگ شروع کر دی جو بڑھتے بڑھتے ایک کھلی لڑائی میں بدل گئی۔ میرے ارادے نیک تھے اس لیے مقدر میری یاوری کرتا رہا۔ اسی دوران میں مجھے منشیات فروشوں کی ایک گن بوٹ پر قبضہ کرنے کا موقع مل گیا جسے نامعلوم مجرموں یا شاید بحری قزاقوں کے ہاتھ فروخت کر کے میں نے اتنی بڑی رقم کمالی جو میرے وہم و گمان میں بھی نہیں تھی۔ ایک مدت سے ہونے والے فراخ دلانہ اخراجات کے باوجود اس خزانے میں کوئی نمایاں کمی نہیں آئی تھی۔ بھارت کے سفر میں بھی وہی رقم بلکہ اس کا ایک حقیر سا حصہ میرا زادِ راہ رہا تھا۔ میں نے اسی میں سے بنگلو کو پندرہ ہزار روپے کی معمولی سی رقم دے کر اپنے اور غزالہ کے لیے گویا نئی زندگی خریدی تھی۔ میری دانست میں جلال پر اس کا کوئی بار نہیں تھا۔

"کیا سوچ رہے ہو...؟ لفافے سے کاغذ باہر کیوں نہیں نکالتے!" سلطان شاہ نے شاید میرے چہرے کے بدلتے ہوئے رنگ کو دیکھ کر مجھے ٹوک دیا۔

میں نے سرد نظروں سے اس کی طرف دیکھا اور لفافے میں سے چیک نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا "لو! جلال کی دی ہوئی گالی تم بھی پڑھ لو۔"

سلطان شاہ سے پہلے ویرا نے وہ چیک میرے ہاتھ سے اچک لیا۔ اس پر نگاہ پڑتے ہی اس کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں "او خدا! یہ تو ایک ملین روپے کا چیک ہے۔ تم اسے گالی کہہ رہے ہو۔"

سلطان شاہ بھی لپک کر ویرا کے شانے سے جا لگا۔ نیشنل بینک کے چیک کی تحریر پڑھ کر وہ بھی حیران رہ گیا۔

"یہ گالی ہے۔" میں نے زور دے کر جتایا "میں نے کسی انعام یا معاوضے کے لالچ میں بھارت کا سفر نہیں کیا تھا۔"

"یہ کون کہہ رہا ہے کہ تم حریص یا معاوضے کے طلب گار تھے۔ تمہیں خوش ہونا چاہیے کہ آئی بی والوں نے [illegible] کے کارناموں کا

Downloaded from https://paksociety.com

اعتراف کیا ہے۔" ویرا نے تحیر زدہ بے یقینی سے کہا۔

"میں یہ چیک پھاڑ کر اس کے پرزے اسی لفافے میں جلال کو لوٹا دوں گا۔" میں نے اداسی سے کہا۔

"تم پاگل ہو گئے ہو۔" ویرا نے وہ چیک جلدی سے تہ کر کے اپنے بلاؤز میں اڑسا اور اپنی بات جاری رکھتے ہوئے بولی "سرکار سے انعام میں چند روپے تو بڑی بات ہے' ایک روکھا سوکھا صداقت نامہ لینے کے لیے لوگ نہ جانے کیسے کیسے پاپڑ بیلتے ہیں۔ اپنی انا کا خون کر کے ہر ایرے غیرے کی خوشامدیں کرتے پھرتے ہیں تاکہ گلے میں کوئی تمغا یا فائل میں کوئی سرٹیفکیٹ سجا سکیں اور تم ہو کہ اتنے بڑے انعام کو ٹھکرا رہے ہو۔"

"تم کو انعام اور مہربانی کا فرق معلوم ہونا چاہیے۔" میں نے بائیں ہاتھ سے اس کا شانہ دبوچ کر سختی سے کہا۔

"مہربانی مطالبہ کر کے طلب کی جاتی ہے۔ تم نے جلال سے کوئی مطالبہ نہیں کیا تھا۔ اس نے از خود تمہیں انعام دیا ہے۔" ویرا نے کہا۔

"اس نے کچھ نہیں دیا۔" سلطان شاہ نے گفتگو میں دخل اندازی کرتے ہوئے سنجیدگی سے کہا "وہ معزز' شریف اور ذمے دار افسر ضرور ہے مگر تنخواہ دار ہے۔ وہ اپنی گرہ سے اتنی بڑی رقم نہیں دے سکتا۔ یہ چیک سرکار کی طرف سے آیا ہے۔"

"تم بالکل صحیح کہہ رہے ہو۔" ویرا اس کی بات ختم ہوتے ہی بول پڑی "جلال اور اس سے اوپر والے سب لوگ سرکاری ملازم ہیں جن کو عوام کے دیے ہوئے ٹیکسوں سے تنخواہیں دی جاتی ہیں۔ یہ پاکستان کی بدقسمتی ہے کہ یہاں چھوٹے موٹے سرکاری اہل کار بھی خود کو مالک و مختار اور شہنشاہ سمجھتے ہیں۔ مہذب ملکوں میں ایسا نہیں ہوتا۔ جلال اس غیر مہذب معاشرے کا انتہائی مہذب افسر ہے۔ وہ کوئی احسان جتائے بغیر خاموشی سے لفافہ دے کر چلا گیا۔ اسے امانت دی گئی تھی۔ وہ اس نے تمہیں پہنچا کر امانت داری کی ایک روشن مثال قائم کی ہے۔"

اس بار سلطان شاہ نے ویرا کی بات درمیان سے اچک لی اور بولا "وہ چاہتا تو خود بھی یہ بیئرر چیک کیش کروا سکتا تھا۔ اس نے اپنی دانست میں ایک بہت خوش گوار اور اچھا کام سرانجام دیا ہے۔ چیک کے پرزے اس کا دل توڑ دیں گے۔"

"سرکاری خزانے سے رقم آسانی سے نہیں نکلا کرتی۔" میرے کچھ بولنے سے پہلے ویرا کی زبان ایک مرتبہ پھر چل پڑی "پتا نہیں انعام کی اس تجویز پر کب سے کام ہو رہا ہو گا جو اب تمہیں بھارت سے لوٹتے ہی چیک ملا ہے۔ اسے لوٹا کر تم نہ جانے کس کس کی محنت پر پانی پھیر دو گے... یہ...."

"بس!" میں نے اس کی بات پوری ہونے سے پہلے ہاتھ اٹھا کر اسے خاموش کر دیا "تم دونوں اپنی اپنی بولیاں بولتے رہو گے یا میری بھی کچھ سنو گے۔ تم دونوں کی کچھ باتیں میری سمجھ میں آ رہی ہیں۔ چیک پھاڑنے سے جلال کو واقعی دکھ ہو گا۔ میں شکریے کے ساتھ چیک اسے لوٹانا چاہتا ہوں۔ لاؤ چیک مجھے دے دو۔"

میرے بڑھے ہوئے ہاتھ کو دیکھ کر ویرا استہزا کے ساتھ ہنسی اور بولی "میں ہرگز نہیں دوں گی۔ تم نے دیکھا ہے کہ میں نے اسے کہاں محفوظ کیا ہے۔ ہمت ہے تو نکال لو۔"

"آج تمہارے دماغ میں کچھ کیڑے رینگ رہے ہیں۔ مجھے تاؤ نہ دلاؤ ورنہ میں تم سے چیک چھین لوں گا۔"

"وہ چیک صرف تمہارا نہیں ہے۔ اس پر میرا اور غزالہ کا بھی حق ہے۔" ویرا آنکھیں نکال کر غرائی "میں تم جیسی ساہو کار نہیں ہوں جو اتنی بڑی رقم کو ٹھکرا دوں۔ میری آمدنی کا کوئی ذریعہ نہیں ہے جب سے پاکستان آئی ہوں' تمہارے رحم و کرم پر پڑی ہوں۔ مجھے معلوم ہے کہ تم غزالہ کو ڈرا دھمکا کر اپنا ہم نوا بنا لو گے مگر میں اپنے حق سے دست بردار نہیں ہو سکتی۔ اس چیک کی رقم میرے کام آئے گی۔"

"میں اس سے زیادہ رقم تمہیں دے دوں گا' چیک مجھے دے دو۔" میں نے نرمی سے کہا "یہ چیک قبول کرنے سے میرا پندار ٹوٹ جائے گا کہ میں جان و مال سے اپنے وطن کی خدمت کر رہا ہوں۔ ضد مت کرو۔ میں بہت دور تک سوچ رہا ہوں۔"

"تمہارا یہ پندار اس وقت مجروح کیوں نہیں ہوا جب تم نے اول خان سے ایک بڑی رقم وصول کی تھی۔" ویرا نے جل کر پوچھا۔

"وہ انعام یا معاوضہ نہیں تھا۔ وہ رقم میں نے رستم علی کو اپنے جال میں پھانسنے کے لیے نقد ادا کی تھی اور اول خان نے اسی وقت کہا تھا کہ وہ مجھے میری رقم واپس دلائے گا۔ وہ بالکل مختلف معاملہ تھا۔ اسے جلال سے مت ملاؤ۔"

"میں تمہاری ان من گھڑت باتوں میں نہیں آؤں گی۔ جلال سے کہہ دوں گی کہ تم سے وہ چیک میں نے لے لیا ہے۔ میں نے پاکستان کی خاطر امریکا کو چھوڑا ہوا ہے۔ دنیا جہان سے لڑتی پھر رہی ہوں۔ پاکستان پر میرا بھی کچھ حق بنتا ہے۔ جلال میری بات رد نہیں کر سکے گا۔ وہ عوام کے دیے ہوئے ٹیکسوں سے تنخواہ اور مراعات لیتا ہے۔ ایک انعام لینے کا

Downloaded from https://paksociety.com

حق مجھ کو بھی ہے۔"

"جلال کے رد کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔" سلطان شاہ نے جوش و خروش سے اس کی تائید کی "اس نے یہ رقم اپنی جیب سے نہیں دی۔ یہ ہم لوگوں کی خدمات کا انعام ہے۔ ڈینی ہمارا سربراہ ہے اس لیے چیک اس کو دیا گیا۔ اسے تذبذب ہے تو ہم سب چیک کے حق دار ہیں۔"

"اے ... ذرا سوچ سمجھ کر بولا کرو۔" ویرا نے اسے گھورتے ہوئے کہا "بیچ میں ٹانگ اڑانے کی کوشش نہ کرو ورنہ وہ ٹوٹ جائے گی۔ یہ چیک صرف اور صرف ان لوگوں کے لیے ہے جو بھارت کے مشن پر گئے اور را کے سومنات کے کئی بڑے بت گرا کر سرخ روئی کے ساتھ واپس لوٹ آئے۔"

ویرا کی چال بازی پر سلطان شاہ گڑبڑا گیا اور بوکھلائے ہوئے انداز میں بولا "ابھی تم نے خود کہا تھا کہ سرکاری خزانے سے رقم آسانی سے نہیں نکلا کرتی۔ پتا نہیں انعام کی تجویز پر کب سے کام ہو رہا ہوگا۔ اب تم بھارت جانے والوں کی ..."

"ہاں ہاں۔ وہ میری اور ڈینی کی بات تھی۔" ویرا نے اس کی بات کاٹ دی "ڈینی کو قائل کرنے کے لیے میں بہت سی بے سروپا باتیں کر جاتی ہوں۔ تمہیں ان سے کوئی سروکار نہیں ہونا چاہیے۔ دس لاکھ کے انعام پر اب تمہاری رال ٹپک رہی ہے۔"

سلطان شاہ کی طبیعت میں لالچ نام کو نہیں تھا۔ بات کچھ ایسے رخ پر چلی گئی کہ وہ روانی میں سب کا ذکر کر بیٹھا جس کا جواز خود ویرا نے ہی فراہم کیا تھا۔ ویرا کی قلابازی اور پھر الزام تراشی پر سلطان شاہ کی کھوپڑی سنک گئی اور وہ بھنّا کر بولا۔ "دس لاکھ تو کیا میں دس کروڑ پر بھی پیشاب نہیں کرتا۔ میں!"

ویرا نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا اور سلگانے والے انداز میں بولی "کرو گے کیسے؟ تمہارا تو مثانہ ہی خراب ہے۔"

"لعنت ہے تم پر اور تمہاری حمایت کرنے والے پر۔" سلطان شاہ پیر پٹخ کر دبی دبی آواز میں تقریباً چیخ پڑا۔ اس نے بے ساختہ اپنے دونوں کان مروڑتے ہوئے اپنی بات جاری رکھی۔ "مجھ سے خطا ہوئی جو میں نے ڈینی کے بجائے تمہارا ساتھ دیا۔"

ویرا کے بے رحمانہ تبصرے سے سلطان شاہ کا دل ایسا خراب ہوا کہ وہ پھر وہاں نہیں رکا۔ بکتا جھکتا اور پیر پٹختا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

ویرا نے مزید کچھ نہیں کہا۔ اسے مزید اشتعال دلانے کے لیے بے پروایانہ انداز میں مسکراتی رہی۔ جب وہ کمرے سے چلا گیا تو ویرا نے ہلکی سی انگڑائی لی اور مجھے آنکھ مارتے ہوئے بولی "یہ اس قدر احمق آدمی ہے کہ میں آسانی سے اسے اپنی انگلیوں پر نچا لیتی ہوں۔ اس وقت میں اسے بھگانا چاہ رہی تھی اور دیکھ لو کہ وہ کتنی آسانی سے خود ہی چلا گیا۔ ویسے میں اس کی ہزار خوشامدیں کر لیتی تب بھی وہ یہاں سے نہ ہلتا۔"

"تم اس کے ساتھ بہت بے دردی سے پیش آتی ہو۔ تمہاری ان حرکتوں کی وجہ سے اس کا دل کھٹا ہو جائے گا۔" میں نے اسے ملامت کی۔

"میں جب چاہوں گی' ذرا سی دیر میں اسے منا لوں گی۔" ویرا نے پورے اعتماد سے جواب دیا "میں اس کی رگ رگ سے واقف ہوں اور اس کی کمزوریاں جانتی ہوں۔"

"تمہاری حد سے بڑھی ہوئی یہ خود اعتمادی کسی دن تمہیں لے ڈوبے گی۔ تھوڑی دیر پہلے تم جلال کے بارے میں ایسی ہی خوش فہمیوں کا شکار تھیں۔ اس نے اگر تمہیں بہن کہہ دیا ہے تو تم کیسی ہی بدمعاشی پر اتر آؤ' وہ تم پر بری نظر نہیں ڈالے گا۔ میں اسے جانتا ہوں۔ اس ٹائپ کے افراد اپنے جذبات پر کنٹرول کے معاملے میں بہت سنگ دل ہوتے ہیں۔ اپنے ہر قسم کے جذبات کا گلا گھونٹ دیتے ہیں مگر اپنے مردانہ وقار اور کردار پر آنچ نہیں آنے دیتے۔"

"خوب ... اس وقت میری ساری باتیں سن رہے تھے۔ اب اس کی خوبیاں یاد آ رہی ہیں۔"

"سلطان شاہ کے لوٹ آنے کی وجہ سے میں خاموش ہونے پر مجبور ہو گیا تھا ورنہ تمہیں کھری کھری سنانے کا ارادہ کر چکا تھا۔" میں نے تلخی سے کہا۔

انتباہ

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والی ہر تحریر کے حقوق طبع و نقل بحق ادارہ محفوظ ہیں۔ کسی بھی فرد یا ادارے کے لیے اس کے کسی بھی حصے کی اشاعت یا کسی بھی طرح کے استعمال سے پہلے تحریری اجازت لینا ضروری ہے۔ بصورت دیگر ادارہ قانونی چارہ جوئی کا حق رکھتا ہے۔

تمام اشتہارات نیک نیتی کی بنیاد پر شائع کیے جاتے ہیں۔ اس سلسلے میں ادارہ کسی بھی طرح ذمے دار نہ ہوگا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"وہ اتنا عظیم آدمی ہے تو تم اس کا چیک لوٹانے پر کیوں مصر تھے؟" ویرا نے پوچھا۔

"دو الگ الگ باتوں کو ملانے کی کوشش نہ کرو۔ لاؤ چیک مجھے دے دو۔"

اس نے اپنے سر کو نفی میں جنبش دیتے ہوئے اپنی شوخ نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز کردیں۔ "تمہیں معلوم ہے کہ میں نے چیک کہاں رکھا ہے۔ نرمی اور محبت سے اسے نکال لو۔ میں کوئی اعتراض نہیں کروں گی۔" دھیمے اور مخمور لہجے میں بولتے بولتے یکایک اس کی آواز سرگوشیانہ ہوگئی "میں تمہاری طلب میں اندر سے پھٹی جارہی ہوں۔"

"اوہ!" اس بار میرے طنز کی باری تھی۔ میں نے کہا "تو یوں کہو کہ تمہارے دماغ میں گرمی چڑھی ہوئی ہے۔ جلال تمہارے لاشعور میں کہیں چپکا ہوا ہے اسی لیے وہ تمہیں اپنے اوپر ریجھتا نظر آرہا ہے۔ اس وقت تم نے مجھے بلاؤز سے دوسری مرتبہ چیک نکالنے کی دعوت دی ہے۔"

"اب زیادہ نہ بولو۔" وہ برا سا منہ بنا کے بولی "مجھ سے پہلے تم نے اس کی نظروں میں عجیب سی بات کا ذکر چھیڑا تھا۔"

"وہ مذاق کی بات تھی اور تم اسے لے اڑیں۔ میں نے تو یہ بھی کہا تھا کہ لفافے میں تمہارے رشتے کا پیغام تھا تو کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ جلال تم سے شادی کا خواہاں ہے؟"

"میں ضرورت کے بغیر جھوٹ نہیں بولتی۔ مردوں کا ذہن میرے سامنے کھلی کتاب کی طرح ہوتا ہے۔" اس نے مدافعانہ لہجے میں کہا۔

"بات صرف اتنی سی ہے کہ تم نے بھارت سے گرین کو برا فائل اور دوسرے کاغذات وہاں سے لاہور پہنچا کر اتنا اہم کام سرانجام دیا ہے کہ وہ تمہارا حد سے زیادہ احترام کرنے لگا ہے اور مجھے یہی بات عجیب محسوس ہوئی تھی۔ یہ قصہ ختم ہوچکا ہے۔ اس پر بحث میں میرا وقت برباد مت کرو۔"

وہ اپنی جگہ چھوڑ کر اچانک میرے قریب آبیٹھی اور میرا ہاتھ اپنے گداز ہاتھ میں تھام کر ملتجی آواز میں بولی "تم مجھے مت ترساتے ہو۔ میں کچھ وقت تمہارے ساتھ گزارنا چاہتی ہوں۔"

"خدا کا خوف کرو ویرا!" میں اچھل کر اس سے دور ہوگیا "ہم روح کو منجمد کردینے والے بھیانک خطرات سے گزر کر کچھ دیر پہلے ہی محفوظ سرحد میں داخل ہوئے ہیں۔ دو عارتی فوجیوں کی ادھڑی ہوئی لاشیں اور بنگو کا عبرت ناک انجام میرے اعصاب پر سوار ہے۔ ذرا کچھ سوچنے اور سمجھنے کی کوشش کرو۔"

"تم تھک گئے ہو۔ تمہیں آرام کی ضرورت ہے۔ میں تمہاری خدمت کروں گی۔ بس....."

"کچھ نہیں۔" میں نے اسے مزید بولنے کا موقع نہیں دیا۔ "میری سب سے بڑی خدمت یہ ہوگی کہ چیک مجھے لوٹا دو۔"

وہ سرسری مطالبہ کرتے ہوئے مجھے پورا یقین تھا کہ ویرا انکار کردے گی لیکن اس نے ذرا بھی توقف کیے بغیر اپنے کھلے گریبان سے بلاؤز میں انگلیاں ڈال کر، مڑا ہوا چیک نکالا اور میری طرف بڑھا دیا۔

"چیک ملنے کا مطلب ہے کہ تم میری ہم خیال ہوچکی ہو؟" میں نے تحیر آمیز بے یقینی سے کہا۔

"میری رائے میں بال برابر فرق نہیں آیا۔ میری دانست میں چیک واپس نہیں ہونا چاہیے۔"

"تمہیں معلوم ہے کہ میں یہ چیک جلال کو لوٹا دوں گا پھر تم نے اسے واپس کیوں کردیا؟"

"تاکہ تمہیں یہ شبہ نہ ہو کہ اس رقم پر میری نیت خراب ہوگئی ہے۔ تمہیں یاد ہوگا کہ شمی میں، میں کروڑوں روپوں میں نہیں ڈالروں میں کھیلتی تھی۔"

"مجھے سب کچھ یاد ہے اسی لیے میں بھی تمہارا احترام کرتا ہوں۔" میں نے نرمی سے کہا۔

"آئندہ یہ نہ کہنا۔" ویرا یکایک بھڑک اٹھی "ایسی باتیں مجھے دوستوں کی زبان سے زہر لگتی ہیں۔ کسی لڑکی کو جیتے جی درگور کرنا ہو تو اس کا احترام کیے جاؤ۔ اس کے اندر بھڑکنے والی آگ کے طوفانی شعلوں کا درماں کرنے کے بجائے اس کی پوجا شروع کردو۔ وہ سسک سسک کر مرجائے گی۔ مجھے کسی عزت اور احترام کی ضرورت نہیں۔ میں صرف محبت کی پیاسی ہوں اور تم سے جواب میں یہی چاہتی ہوں۔ اپنا احترام کسی اور کے لیے اٹھا رکھو۔"

میں پُرتشویش نگاہوں سے اسے دیکھتا رہا۔ اس وقت میرا کوئی کڑوا کسیلا جملہ اسے مزید بھڑکانے کا سبب بن سکتا تھا۔

"خاموش کیوں ہو؟ میں اپنی بات کا جواب سننا چاہتی ہوں۔" خاموشی کا وقفہ طویل ہوجانے پر وہ اضطراری انداز میں بول پڑی۔

"میرا جواب کانوں سے سننے کے بجائے اپنے دل سے محسوس کرنے کی کوشش کرو۔ تم خود مطمئن ہوجاؤ گی۔" میں نے سنجیدگی سے دھیمی آواز میں جواب دیا۔

"مجھے تم ہمیشہ سے بہلاتے آئے ہو۔ اپنی زبان سے اقرار کردیا کھل کر انکار کردو۔" اس نے ضد کی۔

Downloaded from https://paksociety.com

"ہر نشیب و فراز کے باوجود ہماری دوستی برسوں سے برقرار ہے۔ اپنے بارے میں شکوے کرتے ہوئے تم یہ بات بالکل بھول جاتی ہو کہ غزالہ سے شادی ہوجانے کے بعد میری پوزیشن نازک ہوگئی ہے۔ اب میں پہلے کی طرح آزاد پنچھی نہیں رہا ہوں۔" میں نے اسے سمجھانے کی کوشش کی۔

"میں اب تمہاری ان حیلہ سازیوں کو خوب سمجھنے لگی ہوں۔ مجھ سے کتراتے ہو تو غزالہ کی آڑ لے لیتے ہو۔ جب مہربان ہونے کا موڈ ہوتا ہے تو اسے یکسر نظرانداز کردیتے ہو۔ وہ دودھ پیتی بچی نہیں ہے۔ تمہارے سامنے زبان نہ کھولنے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ میری اور تمہاری دوستی سے بے خبر ہے۔ بیوی بننے کے بعد ہر لڑکی کی چھٹی حس بہت تیز ہوجاتی ہے۔ وہ اپنے شوہر کی نظروں سے تاڑ لیتی ہے کہ اس کے آس پاس کیا کھیل ہو رہا ہے۔"

میں بے اختیار ہنس پڑا "بھارت یاترا میں شاید تمہارے دماغ کا کوئی پرزہ ڈھیلا ہوگیا ہے جو ایسی اوٹ پٹانگ باتیں کررہی ہو۔ یہ سب جانتی ہو تو تمہیں یہ بھی معلوم ہونا چاہیے کہ غزالہ کی چشم پوشی کا بھرم برقرار رہنا چاہیے۔"

وہ یکایک اداس ہوگئی۔ اس نے ایک گہرا سانس لے کر صوفے کی پشت گاہ سے ٹیک لگالی اور تھکی ہوئی آواز میں بولی "کبھی کبھی مجھے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے میں تپتے ہوئے صحرا میں ایک سراب کے پیچھے بھاگ رہی ہوں جو کبھی میرے ہاتھ نہ آئے گا۔ اس تھکا دینے والی بھاگ دوڑ میں میرا سایہ تک میرے ساتھ نہیں ہے۔ میں بالکل تنہا ہوں۔ میرا کوئی بھی نہیں ہے۔"

"اس وقت تم مایوسی کی حالت میں احسان فراموشی کی مرتکب ہورہی ہو۔" میں نے اسے ٹوکا "ہم چاروں ایک خاندان کی طرح اکٹھے رہتے ہیں۔ اول خان ہماری فیملی کا پانچواں رکن ہے۔ ہم سب ایک دوسرے کا بہت زیادہ خیال رکھتے ہیں۔ تمہیں علم نہیں ہے کہ دلی میں غزالہ تمہارے لیے کتنی فکرمند تھی۔"

"مجھ سے جہالت کی باتیں مت کرو۔" ویرا برہم ہوکر بولی "مغرب میں یہ سب بکھیڑا نہیں ہوتا مگر مشرق میں ماں باپ اپنی بیٹیوں کا سب سے زیادہ خیال رکھتے ہیں پھر بھی کوئی اپنی بیٹی کو عمر بھر اپنے گھر میں نہیں رکھتا۔ اکثر اوقات آسودہ گھرانوں کی لڑکیاں اپنے میکے کی ساری آسائشوں کو تج کر غریب اور متوسط طبقے کے گھروں میں بہو بننا قبول کرلیتی ہیں۔ جانتے ہو کہ یہ سب کیوں ہوتا ہے۔"

"مجھے اپنے بے ہودہ نظریوں میں الجھانے کی کوشش نہ کرو۔" میں نے بے رخی سے کہا۔

"یہ کوئی فلسفہ نہیں' اس روئے زمین کی سب سے بڑی حقیقت ہے۔ لڑکی کسی کی بہن اور بیٹی بن کر سدا سکھی نہیں رہتی۔ تنہائی کا زہریلا ناگ اسے چپکے چپکے اور اندر ہی اندر ڈستا رہتا ہے۔ عورت کسی کی بیوی یا کم از کم محبوبہ بن کر ہی خود کو مکمل محسوس کرتی ہے۔"

"تم کو کس نے روکا ہے؟ تم شادی کے لیے آمادگی ظاہر کرو تو میں تمہارے لیے ایک سے ایک رشتہ تلاش کرسکتا ہوں۔"

"شادی تنہائی کا اکلوتا حل نہیں ہے۔ میں بارہا تمہیں بتا چکی ہوں کہ میں نے دوسری راہ کا انتخاب کیا ہے۔ تمہاری شادی سے پہلے تم کو چاہتی تھی اور میں آج بھی اپنے اس فیصلے پر پورے خلوص سے قائم ہوں۔"

"ویرا! یہ وقت ان باتوں کا نہیں ہے۔ میں لمبے سفر سے تھکا ہارا واپس آیا ہوں۔" میں نے اس کے قریب ہوکر اسے سمجھایا۔

اس نے میری آنکھوں میں آنکھیں ڈال دیں اور میں بے ساختہ احمقانہ انداز میں مسکرا دیا۔

"ویری گڈ!" ویرا کو میری مسکراہٹ میں نہ جانے کیا نظر آیا کہ وہ یکایک خوش ہوگئی اور میرے شانے پر ہاتھ مارتے ہوئے صوفے سے اٹھ گئی "کبھی کبھی عہدِ وفا کی تجدید ہوتی رہے تو مجھے دلی سکون رہتا ہے ورنہ میں مضطرب ہوجاتی ہوں۔"

"تم سے زیادہ بے باک' خود غرض اور احمق لڑکی میں نے اپنی زندگی میں نہیں دیکھی۔"

"میرا بھی یہی خیال ہے کہ تم نے نہیں دیکھی ہوگی" اس نے سنجیدگی سے کہا "تم میری محبت ہو اور غزالہ تمہاری محبت ہے۔ اس عجیب تکون میں تم میری زندگی کا حاصل ہو۔ جب بھی تم سے دور ہونے کا خوف لاحق ہوتا ہے' مجھے اپنی زندگی بے روح اور پھیکی محسوس ہونے لگتی ہے۔ جی چاہتا ہے کہ تمہیں قتل کردوں یا اپنی زندگی کا خاتمہ کرلوں۔"

آخری فقرے پر وہ خود ہی کھلکھلا کر ہنس پڑی مگر میں اندر سے لرز کر رہ گیا۔ اس نے میرے روبہ رو پہلی مرتبہ اپنی اس سفاکانہ سوچ کا اظہار کیا تھا۔ میں اس کے مزاج کو خوب سمجھتا تھا۔ اس کے اعتراف سے پہلے مجھے اندازہ تھا کہ اس کی تحکمانہ اور قابضانہ ذہنیت مایوسی کی انتہا پر پہنچنے کے بعد کوئی بھی ایسا گل کھلا سکتی تھی کہ جس کی وجہ سے سب کی عقلیں دنگ رہ جائیں۔

Downloaded from https://paksociety.com

وہ جوان، حسین، خوش کلام اور خوش بدن ضرور تھی مگر میرے لاشعور کے کسی کونے کھدرے میں ابتدا سے اس کے کسی بھیانک ردِعمل کا خوف پل رہا تھا۔ شاید اسے میرا عذرِ لنگ قرار دیا جائے مگر اس خوف کی وجہ سے میں نے ہمیشہ اسے خوش رکھنے کی کوشش کی تھی۔ مجھے اس کے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنا پسند تھا نہ اپنے بچاؤ کے لیے اس کا خون بہانا گوارا تھا۔ پُرامن بقائے باہمی کے لیے یہ ضروری تھا کہ ویرا کے انتہاپسندانہ جذبات کو محبت سے مغلوب رکھا جائے۔

وہ میرے منہ سے انکار یا اقرار سننے پر تلی ہوئی تھی لیکن گفتگو کا سلسلہ چل نکلا تو وہ اس گورکھ دھندے میں اپنا مطالبہ بھول گئی۔ ہم دونوں خوش گوار موڈ میں باتیں کرتے ہوئے اس ڈرائنگ روم سے باہر نکلے تو راہ داری خالی پڑی ہوئی تھی۔ ڈرائنگ روم کا ایک دروازہ براہ راست برآمدے میں اور دوسرا اس اندرونی راہ داری میں کھلتا تھا۔

"تمہاری نظریں کسی کی تلاش میں بھٹک رہی ہیں۔ کسے ڈھونڈ رہے ہو؟" راہ داری میں چند قدم بڑھنے کے بعد ویرا نے سوال کیا۔

"ہر طرف سناٹا ہے۔ یہاں کسی نہ کسی معاون یا خدمت گار کو موجود ہونا چاہیے تھا" میں نے کہا۔

ویرا نے مجھے کوئی جواب دینے کے بجائے فضلو کہہ کر کسی کو پکارا اور قریبی ڈرائنگ روم کے حریری پردوں کے پیچھے سے ایک ادھیڑ عمر اور باریش شخص اچانک نکل آیا۔

"ہم کمرے میں جا رہے ہیں۔ کھانا لگوانے کی تیاری کرو۔" ویرا نے اسے طلب کیا تھا اس لیے کوئی کام بتانا بھی ضروری تھا۔ ویرا کی ہدایت پر اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر فضلو دوبارہ اسی پردے کے پیچھے غائب ہو گیا۔

"آئی پی کے ڈراسیور، خانساماں اور فراش بھی پُراسرار ہیں" فضلو کے چلے جانے پر ویرا نے ہنستے ہوئے مجھے بتایا "ویسے ہر طرف سناٹے اور ویرانی کا راج نظر آتا ہے لیکن جب کسی کو پکارو، کوئی نہ کوئی آدمی کسی جن کی طرح کہیں سے نکل آتا ہے۔"

"یہ خطرناک بات ہے۔ ہو سکتا ہے کہ فضلو نے میری اور تمہاری باتیں سن لی ہوں۔"

"اپنے بڑوں کے حکم کے بغیر وہ ایسی حرکت نہیں کر سکتا۔ جلال کو ہم پر پورا بھروسا ہے۔"

اس خوبصورت مکان میں کل چار بیڈ روم تھے۔ ویرا مجھے میرا اور اپنا کمرا باہر سے دکھاتی ہوئی آگے نکل گئی۔ اس کا اندازہ تھا کہ سلطان شاہ غزالہ کے کمرے میں گھسا، اس کا مغز چاٹ رہا ہوگا کیونکہ دہلی میں رونما ہونے والے واقعات کے بارے میں سب سے زیادہ تشنگی اسی کو ہو سکتی تھی۔

کمروں کے تعین سے ویرا باخبر تھی۔ اس نے غزالہ کے لیے مخصوص کیے ہوئے کمرے کے دروازے پر دستک دی اور اندر سے سلطان شاہ کی اجازت پا کر اندر داخل ہو گئی۔

وہ دہرے بستر والا ایک وسیع و عریض کمرا تھا جہاں مسہری کے سوا ایک گوشے میں چار نشستوں والا صوفہ سیٹ بھی موجود تھا۔ سلطان شاہ، غزالہ کے ساتھ وہیں بیٹھا ہوا تھا۔ غزالہ کے گیلے بالوں سے اندازہ ہو رہا تھا کہ سلطان شاہ کے سوالات کا سامنا کرنے سے پہلے اس نے غسل کر کے سفر کی دھول اور تکان سے نجات حاصل کر لی تھی۔

"گریٹ ... واقعی تم گریٹ ہو!" مجھے دیکھتے ہی سلطان شاہ وفورِ جذبات سے بے قابو ہو کر میری طرف لپکا اور پھر میرے گلے میں جھول گیا۔

"ارے ... یہ کیا حرکت ہے۔ میری گردن ٹوٹ جائے گی۔" میں اس ناگہانی افتاد پر بوکھلا گیا۔

سلطان شاہ کو بھی فوراً احساس ہو گیا کہ وہ تیسیں بدن نہیں تھا۔ وہ والہانہ انداز میں میرے رخساروں کے بوسے لے کر الگ ہو گیا۔

"سب کچھ ہماری توقع سے بڑھ کر شاندار رہا لیکن بنگاہ کے انجام پر بہت دکھ ہوا" سلطان شاہ کہہ رہا تھا۔

"بنگو کو کیا ہوا؟" ویرا نے چونک کر پوچھا۔ ملاقات ہونے کے بعد اس نے ہماری مہم کے بارے میں کچھ بھی جاننے کی کوشش نہیں کی تھی اس لیے وہ مکمل تاریکی میں تھی۔

"پاکستان پہنچنے کے بعد اسے مار دیا گیا" میں نے سگریٹ سلگا کر سپاٹ لہجے میں جواب دیا۔

"اسے کس نے مارا؟" ویرا نے تحیر زدہ آواز میں بے ساختہ سوال کیا "وہ ہمارے لیے بہت کار آمد تھا۔ جلال نے بتایا تھا کہ امرتسر سے وہی تم کو پاکستان لا رہا تھا۔"

"ہمیں اسی نے پہنچایا تھا مگر راستے میں کچھ ایسے واقعات رونما ہوئے کہ وہ مجھے پہچان گیا۔ اس کی پک اَپ کی لوہے کی باڈی بھارتی فوجیوں کی چلائی ہوئی گولیوں سے چھلنی ہو چکی تھی اور دو فوجی مارے جا چکے تھے۔ وہ امرتسر جاتا تو اس کا پکڑا جانا یقینی تھا" میں نے اس بار ذرا وضاحت سے بتایا۔

"وہ انٹیلی جنس بیورو والوں کا بہت پرانا اور پکا انفارمر

Downloaded from https://paksociety.com

ا۔ پکڑا بھی جاتا تو کچھ نہ اگلتا۔ کیا اسے تم نے مار ڈالا؟"
یرا کا ذہن اس حقیقت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا۔
"وہ سیکرٹ ایجنٹ نہیں' تیسرے درجے کا بدمعاش تھا
پیسے کے لالچ میں جلال کے لیے کام کررہا تھا۔ اس کے
ارے میں جلال نے میرے مشورے سے سوچ سمجھ کر فیصلہ
یا اور آئی بی کے ایک آدمی نے اسے اڑا دیا۔ اسے نہ مارا
اتا تو امرتسر پہنچنے کے بعد وہ ہم سب کو مروا دیتا۔"
"تمہارا نام پہلے ہی جھنڈے پر چڑھا ہوا ہے۔ وہ تمہارا
زید کیا بگاڑ سکتا تھا؟" ویرا کی ہمدردیاں بدستور بنگو کے
اتھ تھیں۔
مجھے معلوم تھا کہ جب تک ویرا کو اپنے سوال کا تسلی
ش جواب نہیں ملے گا' وہ بار بار سوال کرکے تنگ کرتی رہے
ی۔ میں نے اسے تفصیل سے وہ سارا پس منظر بتا دیا جو بنگو
ے قتل کے فیصلے کے پس پشت کارفرما تھا۔ درمیان میں اس
نے چند سوال بھی کیے جن کے مسکت جوابات موجود تھے۔
فتگو مکمل ہونے پر وہ اس خیال سے متفق ہو چکی تھی کہ
نگو کو مارنے کا فیصلہ ناگزیر تھا مگر ہم سب کی طرح وہ بھی
اس بھارتی بدمعاش کے انجام پر دل گرفتہ سی تھی۔
"بنگو بہت اہم آدمی تھا" میں نے آخر میں کہا "وہ نہ
وتا تو مکمل ترین رازداری کے ساتھ ہمارا بھارت میں داخلہ
ا ممکنات میں سے تھا۔ اسی کی وجہ سے یہ ممکن ہوا کہ گرین
ویرا فائل اور را کا دوسرا اہم ترین ریکارڈ بروقت بھارت
ے نکال کر پاکستان پہنچا دیا گیا اور ہم دونوں کی بہ سلامت
اپسی اس کے تعاون کے بغیر ناممکن تھی مگر یہ بہت بھیانک
یل تھا جو انسانی لہو کا طلب گار تھا۔ اسے نہ مارا جاتا تو
اری صفوں میں سے نہ جانے کون کون مارا جاتا۔ سب سے
یادہ خطرہ عابد علی اور اس کے دونوں ساتھیوں کی جانوں کو
وتا۔ وہ تین برس سے پوری احتیاط کے ساتھ دہلی میں رہ
رہے ہیں اور ان کے دامن بے داغ ہیں۔ بنگو کے پکڑے
جانے کے بعد وہ کسی بھی لمحے چیونٹیوں کی طرح مسل دیے
اتے۔ را والے اپنے جہنم رسیدہ افسروں کے جوشِ انتقام
ں اس وقت خونی بھیڑیے بنے ہوئے ہوں گے۔"
"یہ مجبوری تھی' اس کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔ اب
کوئی اور بات کرو" ویرا نے مضمحل آواز میں کہا۔
"فکر نہ کرو۔ میں نے غزالہ سے ہر بات پوچھ لی ہے۔ پتا
یں تم ڈرائنگ روم میں اتنی دیر تک ڈینی سے کیا باتیں کرتی
ہی ہو" سلطان شاہ نے ہنستے ہوئے لہجے میں کہا "ان
دونوں کو اب آرام کرنے کا موقع ملنا چاہیے۔ میں تم کو ان
کی پوری کہانی سنا دوں گا۔"
"مجھے ٹال کر اپنے نمبر بڑھانے کی کوشش مت کرو۔"
ویرا نے رکھائی سے اسے ڈانٹ دیا "میں ان کی کہانیاں ان
کی زبان سے سننا چاہتی ہوں۔"
"بہت سی باتیں تمہیں معلوم ہیں کیونکہ تم خود دہلی میں
موجود تھیں" سلطان شاہ نے ڈھٹائی سے کہا "درمیان کی جو
باتیں رہ گئی ہیں' وہ میں پوچھ چکا ہوں۔"
"تم چند ہو" ویرا جل کر بولی "مجھے جان اسمتھ کے قتل
کے سوا کچھ معلوم نہیں۔۔۔"
"پھر اللہ تم پر رحم کرے" سلطان شاہ دونوں ہاتھ اٹھا کر
بزرگانہ انداز میں بڑبڑایا "معلوم ہوتا ہے کہ دہلی پہنچنے کے بعد
تم ہاجی اللہ والی بن گئی تھیں۔"
"کیا تم کچھ دیر کے لیے خاموش نہیں رہ سکتے" ویرا نے
درشتی سے کہا۔
"کوشش کروں تو شاید رہ سکتا ہوں مگر سوال یہ پیدا ہوتا
ہے کہ میں کوشش کیوں کروں۔ جب تم نے دہلی میں ہوتے
ہوئے ڈینی اور غزالہ کا ہاتھ بٹانے کی کوئی کوشش نہیں کی تو
میں بھی بس اللہ پر توکل کیے لیتا ہوں۔ وہ صرف ایک بار آدمی
کی زبان بند کرتا ہے اور یہ بندش قیامت تک کے لیے ہوتی
ہے۔"
"خاموش نہیں ہو سکتے تو کچھ دیر کے لیے سنجیدہ ہی
ہو جاؤ۔ میرے ذہن میں اس وقت ایک نیا خیال آیا ہے۔"
ویرا نے زچ ہو کر کہا۔
"راگ' راگنیاں اور خیال یہاں الاپنے کی کیا ضرورت
ہے۔ کراچی جا کر یہ شوق پورے کر لینا" سلطان شاہ اسے عاجز
کرنے پر تل گیا تھا۔ "یہاں تم۔۔۔؟"
ویرا کے بشرے سے ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس وقت کوئی
سنجیدہ بات کرنے کے موڈ میں تھی۔ میں نے تیکھی نظروں
سے سلطان شاہ کی طرف دیکھا اور وہ اپنا فقرہ ادھورا چھوڑ کر
یکایک یوں خاموش ہو گیا جیسے اس کی چابی ختم ہو گئی ہو۔
"تھینک یو ڈارلنگ!" ویرا نے مجھ سے مخاطب ہو کر کہا
"اسے تم ہی خاموش کرا سکتے تھے۔"
"میں اپنی مرضی سے خاموش ہوا ہوں۔ مجھے کسی نے
نہیں گھورا تھا" سلطان شاہ نے احتجاج کیا۔
"تم اپنی بات شروع کرو۔ میں جاننا چاہتا ہوں کہ
تمہارے ذہن میں اب کیا خیال آیا ہے؟" میں نے ویرا سے
کہا۔
"میرا خیال ہے کہ اپنا کھیل تم نے خود بگاڑا ہے ورنہ

Downloaded from https://paksociety.com

ڈینی کا نام بھولے سے بھی سامنے نہ آتا" ویرا بولی۔

"بدترین حالات میں پھنس جانے کے بعد آدمی کے حواس زائل ہوجاتے ہیں اور وہ سوچنے سمجھنے کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے...." غزالہ نے کچھ کہنا شروع کیا مگر ویرا نے مسکراتے ہوئے اس کی بات کاٹ دی۔

"میں تنقید نہیں کررہی۔ ڈینی کوئی عام آدمی نہیں ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ مشکلات میں گھر جانے کے بعد اس کا ذہن زیادہ تیزی سے کام کرتا ہے۔ اب تک جو کچھ ہوچکا' اس کو واپس لوٹانا ناممکن ہے لیکن اپنے فیصلوں اور کارکردگی کا جائزہ لے کر کوئی سبق حاصل کیا جاسکتا ہے تو ہمیں اس سے گریز نہیں کرنا چاہیے۔"

"میں تمہاری بات سننے سے پہلے کہہ رہی ہوں کہ انہوں نے ہر مرحلے پر اپنی حیران کن صلاحیتوں سے کام لیا ہے۔ زندگی اور موت کے دوراہے پر ان سے بہتر فیصلے کوئی نہیں کرسکتا۔"

"یہ بحث بے کار ہے تم بتاؤ کہ کیا کہنا چاہ رہی ہو" میں نے ویرا سے مخاطب ہوکر کہا۔

"تم بھارت میں را کے مزید دس آدمیوں کو مار دیتے تب بھی انڈین پریس میں تمہارا نام نہیں آسکتا تھا۔ تم نے نریش شرما کو بیم گن سے ہلاک کرکے مسئلہ شروع کیا۔ لیزر گن یا بیم گن کا ذکر سامنے آتے ہی سب کا ذہن ڈینی کی طرف مبذول ہوگیا۔ تمہارے اس ہتھیار سے تمہارے دشمن دہشت زدہ رہتے ہیں۔ وہ بھارت کی سرزمین پر اس انوکھے ہتھیار کا پہلا استعمال تھا۔ بات واضح ہوگئی کہ ڈینی دہلی میں ہے اور نریش شرما کا قاتل ہے۔"

ویرا سانس لینے کے لیے رکی تو غزالہ جھٹ بول پڑی "وہ بھارت میں بیم گن کا پہلا نہیں' دوسرا استعمال تھا۔"

"میں جلال سے سن چکی ہوں کہ را کے پاکستانی ونگ میں نریش کی تجوری اسی سے کاٹی گئی تھی لیکن لوہے کی کسی تجوری کا پوسٹ مارٹم نہیں ہوتا۔ آگ میں سب کچھ جھلس کر برباد ہوگیا تھا۔ ناگر کی لاش بھی جل کر کوئلہ ہوگئی ہوگی۔ یہ سمجھا گیا ہوگا کہ تجوری گیس کٹر سے کاٹی گئی تھی۔ اب نریش کا معاملہ سامنے آیا ہے تو اس تجوری کے جلے ہوئے حصوں پر بھی کام ہوگا اور یہ بات سامنے آجائے گی کہ تجوری مقفل کرنے کے پورے میکانزم کو انتہائی شدید حرارت سے پگھلایا گیا تھا۔ اتنی حرارت لیزر شعاعیں ہی پیدا کرسکتی ہیں۔" ویرا نے ایک باقاعدہ نظریہ قائم کرلیا تھا۔

"وہ تجوری پر سر کھپا کر نتائج اخذ کرتے رہیں۔ ہماری صحت پر کیا اثر پڑے گا؟" غزالہ نے تنک کر پوچھا۔

"چند روز میں وہ پتا چلالیں گے کہ ساری واردا توں میں ڈینی کا ہاتھ تھا۔ اگر نریش پر بیم گن استعمال نہ ہوتی تو ڈینی کا نام پردے میں رہتا۔"

"تم کو اندازہ نہیں ہے۔ وہ خبیث مزاحمت پر تُلی گیا تھا۔ اس نے آئی بی کے ایک آدمی کو پکڑلیا تھا۔" میں نے اپنے فیصلے کا دفاع کرتے ہوئے کہا "انگوٹھی کا زہر استعمال کرنے کے لیے اس کے قریب جانا ضروری تھا۔ مجھے اپنے قریب پاتے ہی وہ کوئی گڑبڑ کرسکتا تھا۔"

"اگر آئی بی کا کوئی آدمی تمہارے ساتھ تھا تو وہ زندہ نہیں رہا ہوگا۔ وہ اسے گولی مار دیتا۔" ویرا نے بیزاری سے کہا۔

"اور فائر کی پُرشور آواز کے نتائج تم بھگت لیتیں!" میں نے استہزائیہ انداز میں کہا "ویرا! بچوں جیسی باتیں مت کرو۔ میں نے مجبوری کی حالت میں' بہت سوچ سمجھ کر' بیم گن استعمال کی تھی۔ اسے کسی اور ترکیب سے مارنے یا زیر کرنے کی کوشش کی جاتی تو ہمارا وہاں سے بچ نکلنا مشکل ہوجاتا۔"

"چلو' مان لیا کہ وہاں تم مجبور تھے لیکن ویران سرحدی جنگل میں کیا مشکل درپیش تھی۔ تم نے بھارتی فوجیوں پر بھی بیم گن چلادی۔"

"وہاں سب کچھ بہت تیزی سے ہوا۔ سوچنے سمجھنے کی مہلت نہیں تھی۔ وہ بنگو کو مار دیتے تو ہم اسی جنگل میں پھنک جاتے اور ان کے ساتھی ہمیں پکڑلیتے۔ بس جو کچھ ذہن میں آتا چلا گیا' میں اس پر عمل کرتا چلا گیا۔"

"میں چشم دید گواہ ہوں۔" غزالہ بولی "وہ بہت بڑی اور ناگہانی مصیبت تھی۔ میں سوچ رہی تھی کہ ہم پک اپ کے آہنی پنجرے میں ہی پھنسے رہ جائیں گے لیکن ان کے حواس قائم تھے۔ اگر یہ بیم گن سے دروازے کا بیرونی کنڈا نہ کاٹتے تو بھارتی فوجیوں نے ہمیں زیر کرلیا تھا۔"

"وہاں ایکشن ہورہا تھا۔" میں نے ویرا کو بتایا "دونوں فوجیوں کے سروں پر خون سوار تھا۔ وہ بے تحاشا گولیاں برسا رہے تھے۔ انہیں جہنم واصل کرنے میں ذرا بھی تاخیر کی جاتی تو وہ مرتے مرتے بھی ہمیں گولیوں کی باڑ پر رکھ لیتے۔"

"مجھے اندازہ نہیں تھا کہ تم نے اتنی شدید مجبوریوں کے عالم میں بیم گن استعمال کی ہوگی۔" ویرا نے ایک گہرا سانس لے کر ہتھیار ڈال دیے۔

"بھارت میں مجھے قدم قدم پر احساس تھا کہ بیم گن کا

Downloaded from https://paksociety.com

استعمال میری موجودگی کا اشتہار بن سکتا ہے۔ میں حتی الامکان اس کے استعمال سے بچتا رہا لیکن اس بار بچنے کی کوئی گنجائش نہیں رہی تھی۔" میں نے ویرا کو بتایا "جب میں نے تمہیں رات کی آخری ٹرین سے دہلی سے نکل جانے کی ہدایت کی تو میں بھی صبح کی پہلی پرواز سے امرتسر جانے کا فیصلہ کرچکا تھا۔ آئی بی والوں نے میرے اور غزالہ کے ٹکٹ بنوا لیے تھے مگر میں نے محض اپنا نام اچھلنے کے اندیشے کی وجہ سے دہلی چھوڑنے کا ارادہ عین وقت پر ملتوی کردیا۔ جان اسمتھ کی موت اور نریش کے دفتر میں نقب زنی کے بعد میرا وہاں رکنے کا کوئی ارادہ نہیں تھا۔"

"امرتسر میں عابد فائلوں کا پلندا لے کر آیا تو میں حیران ہوئی تھی کہ میرے اور تمہارے درمیان ایسی کوئی بات طے نہیں ہوئی تھی پھر ایک اجنبی میرے کمرے پر کیسے پہنچ گیا۔" ویرا کسی عذر کے بغیر میری کہی ہوئی ہر بات مانتی جارہی تھی اور ساتھ ہی وہ درمیانی کڑیاں بھی جوڑتی جارہی تھی جو ہمارے درمیان کھلا رابطہ نہ ہونے کی وجہ سے اس وقت تک خلش کا سبب بنی ہوئی تھیں۔ وہ کہہ رہی تھی "اس وقت تم غائب ہوجاتے تو اودھم مچ جاتا کہ یہ سب کیا دھرا مظہر خان کا ہے۔ رات میں اپنا کام دکھاتے ہی وہ ہوٹل سے بھاگ گیا۔ راوالوں نے ان معاملات میں تم کو پریشان تو کیا ہوگا۔"

"راوالے زمین پر شیطان کے چیلے ہیں۔ میں اس وقت تمہیں صحیح وسلامت نظر آرہا ہوں تو یہ نہ سمجھو کہ میں دہلی میں عیش کرتا رہا ہوں۔ شدید ترین ذہنی تشدد کے ساتھ میں نے نریش کے ہاتھوں مار بھی کھائی ہے۔ اس کے ہر بے رحمانہ تھپڑ پر میرا خون کھول اٹھتا تھا مگر میں سر جھکائے پٹتا رہا تاکہ وہ مجھے پکا بزدل سمجھتا رہے۔"

"اس سؤر کے بچے نے تم کو تھپڑ لگائے تھے۔" سلطان شاہ صدمے اور حیرت سے بولا۔

"انتہائی کرارے اور ایسے زوردار کہ میری آنکھوں سے پانی نکل آیا تھا۔" میں نے مسکراتے ہوئے بتایا۔

"آپ کا صبر رائگاں نہیں گیا۔ اس سے ہونے والی آخری ملاقات میں آپ نے سارے بدلے چکا دیے۔" غزالہ بولی "یہ باتیں آپ نے مجھ سے بھی چھپائے رکھیں۔"

"یہ سن کر تمہارا حوصلہ ٹوٹ جاتا۔ آدمی مشکل حالات میں گھرا ہوا ہو تو حوصلہ اس کا سب سے بڑا ہتھیار ہوتا ہے۔" میں نے کہا۔

"تم سن رہی ہو۔" غزالہ نے چہکتے ہوئے لہجے میں ویرا کو مخاطب کیا "یہ سارے روگ اپنی جان پر لیے دشمنوں سے لڑتے رہے اور تم کہہ رہی ہو کہ انہوں نے غلطیاں کی تھیں جن کے نتیجے میں آج بھارتی پریس میں ان کے نام کا چرچا ہورہا ہے۔"

"میں کہہ رہی تھی!" ویرا نے بھویں چڑھا کر' ایک ایک لفظ پر زور دیتے ہوئے کہا "اب میں اپنے الفاظ واپس لے چکی ہوں۔"

"نریش سؤر کا بچہ تھا۔ وہ اپنے صحیح انجام کو پہنچا ہے۔" سلطان شاہ نے غصے سے مغلوب لہجے میں کہا "وہ اپنی دانست میں مظہر خان نامی ایک پاکستانی کو مار رہا تھا۔ اگر اسے معلوم ہوتا کہ اس کے سامنے ڈینی موجود ہے تو دہشت سے اس کا پیشاب خطا ہوجاتا۔"

"سب سے زیادہ دلچسپ بات یہی ہے۔" میں نے ان کی گفتگو سے محظوظ ہوتے ہوئے زبان کھولی "وہ لوگ ڈینی سے ڈرتے ہیں اور مظہر خان کو ایک بزدل چوہا سمجھ رہے تھے۔ نریش کو بس اتنا شبہ تھا کہ کہیں مظہر خان کسی پاکستانی ایجنسی کے لیے کام نہ کررہا ہو۔"

"تم نے واقعی وہاں بہت دکھ اٹھائے۔ ان حالات میں جو کچھ تم نے کیا وہ ہر ایک کے بس کی بات نہیں تھی۔" ویرا نے پہلی بار کھل کر اعتراف کیا۔

"میں مانتا ہوں کہ بیم گن کے استعمال نے ان کی عقلوں پر پڑے ہوئے پردے ہٹا دیے اور یکایک انہیں ہوش آگیا کہ ڈینی ان کی صفوں سے بہت قریب گھوم رہا ہے۔" ویرا کی فراخ دلی دیکھتے ہوئے میں نے بھی کسی عار کے بغیر' کھلے دل سے حقیقت تسلیم کرلی "راوالے غبی اور عقل سے پیدل نہیں ہیں۔ ان کے قریب رہ کر میں نے اندازہ لگایا ہے کہ ان کی تربیت میں ذہانت' چالاکی اور مکاری کے جوہروں کو نکھارنے پر خاصا زور دیا جاتا ہے۔ بیم گن کا غلغلہ نہ اٹھتا تو انہیں واقعات کی کڑیاں جوڑنے میں کچھ وقت ضرور لگتا مگر وہ جان لیتے کہ دہلی میں ہم لوگ ہی ان کی پشت پر پیاز کتر کر چلے گئے ہیں۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ اب وہ ڈینی اور مظہر خان کے درمیان تعلق جوڑنے میں کتنا وقت لیتے ہیں۔" غزالہ گہرا سانس لے کر بولی۔

"شاید اس میں زیادہ دیر نہیں لگے گی۔" یہ پیش گوئی کرکے میں نے سگریٹ سلگالی۔

اسی لمحے غزالہ کے کمرے کے کھلے ہوئے دروازے پر فضلو کا گمبھیر چہرہ نظر آیا۔ وہ میز تیار ہونے کی خبر لایا تھا۔

جب تک ہم بھارت کی سرزمین پر اپنی بقا کی جدوجہد

Downloaded from https://paksociety.com

رہے تھے' بھوک اور پیاس کا دور دور تک نام و نشان نہیں تھا لیکن بنگو کی زبان سے پاکستانی علاقے کا سفر شروع ہونے کی خبر سنتے ہی میری بھوک شدت سے جاگ اٹھی تھی۔ اپنے پرانے ساتھیوں کے حد سے بڑھے ہوئے جوش و خروش کی وجہ سے میں نے اپنی اس خواہش کو دبالیا تھا لیکن فضلو کا اعلان سننے کے بعد بھوک کا احساس میری برداشت سے باہر ہوگیا۔ میں نے نئی جلائی ہوئی سگریٹ ایش ٹرے میں مسلی اور اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہ تینوں بھی میری تقلید میں خاموشی سے میرے پیچھے ہولیے۔

میز پر انواع و اقسام کے کھانوں کی اشتہا انگیز بھاپ اڑاتی ہوئی قابیں سجی ہوئی تھیں اور فضا خوشبوؤں سے بھری ہوئی تھی۔ جلال کو میری اور غزالہ کی آمد کی پیشگی اطلاع مل گئی تھی۔ اس لیے اس نے ہماری استقبالیہ دعوت کے اہتمام میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی۔ کمی تھی تو بس اتنی کہ ہمارا میزبان اس دعوت میں موجود نہیں تھا۔

ابتدا میں میز پر تھوڑی سی ہلچل ہوئی لیکن پھر پلیٹیں بھرنے کے ساتھ سکون ہوتا چلا گیا اور ہم چاروں خاموشی سے کھانے میں مصروف ہوگئے۔

"ابھی تک تم نے کوئی اعتراض نہیں کیا۔" پیٹ میں کچھ جانا پڑجانے کے بعد ویرا نے اچانک مجھ سے مخاطب ہو کر کہا۔

"اعتراض کی گنجائش ہی نہیں ہے۔ سب کھانے بہت لذیذ ہیں۔" میں نے لقمہ نگل کر جواب دیا۔

"یہ بات مجھے بھی معلوم ہے۔ میں کھانے کی نہیں' کمرے کی بات کررہی تھی۔" ویرا نے میری تصحیح کی۔

"کمرے کو کیا ہوا؟" مجھ سے پہلے سلطان شاہ نے تجسس کے ساتھ سوال داغ دیا۔

"سب کو معلوم ہے کہ ڈینی اور غزالہ کے درمیان میاں بیوی کا رشتہ ہے پھر بھی جلال نے دونوں کی شب خوابی کے لیے یہاں الگ الگ کمرے مخصوص کیے ہیں۔"

"اچھا!" غزالہ نے چونک کر سر اٹھایا اور بولی "تمہیں یہ بات کس نے بتائی؟"

"میں یہاں تم دونوں سے سینئر ہوں۔" ویرا نے بات شروع کی لیکن سلطان شاہ نے درمیان میں اپنی ٹانگ اڑا دی۔

"یہاں قیام کے سلسلے میں' میں بھی ان دونوں سے سینئر ہوں۔ مجھے یہ بات معلوم نہیں تھی۔" اس نے اعتراض کیا۔

"کان اور آنکھیں کھلی رکھو تو تمہیں کچھ معلوم ہو۔"

ویرا نے منہ بنا کر کہا "ویسے بھی تمہیں آئے ہوئے چند گھنٹے ہوئے ہیں۔ میں کئی دنوں سے یہاں رہ رہی ہوں۔ یہاں کام کرنے والوں سے میری خاصی جان پہچان اور بے تکلفی ہوگئی ہے۔"

"تم میں سب سے بڑی خرابی یہی ہے کہ تم ہر ایک سے زبردستی بے تکلف ہونے پر تُل جاتی ہو بلکہ اس کے سر پر سوار ہونے لگتی ہو۔"

"خاموش ہوجاؤ!" میں نے اُکتا کر سلطان شاہ سے التجا کی "تم دونوں اپنی بحث میں بات کو کہیں سے کہیں لے جاتے ہو۔ ذرا سکون سے کھانا کھالینے دو۔"

"الگ الگ کمروں کے بندوبست کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔" چند ثانیوں کے سکوت کے بعد ویرا نے پھر شوشا چھوڑ دیا۔

"ضروری نہیں کہ ہر کام جلال نے خود کیا ہو۔" میں نے بے پروائی سے کہا "اس نے اپنے ماتحتوں کو دو مہمانوں کی آمد کے لیے تیار رہنے کی ہدایت کی اور انہوں نے دونوں کے لیے الگ الگ کمرے مخصوص کردیے۔ یہ ضروری نہیں ہے کہ ہم الگ الگ رہیں۔ ہم دونوں ایک کمرے میں ہی رات بسر کریں گے۔"

"ہوں۔ اوں!" ویرا نے ہنکارا بھرا پھر بولی "اپنی اپنی سوچ ہے۔ میرے نزدیک یہ بات اہم ہے کہ جلال نے اس بندوبست میں ذاتی دلچسپی نہیں لی اور سارا کام اپنے آدمیوں پر ڈال دیا۔"

"تمہاری آنکھوں سے شرارت ٹپک رہی ہے۔" سلطان شاہ بے ساختہ بول پڑا "ڈینی کو جلال کے خلاف اکسانے کی کوشش مت کرو۔"

سلطان شاہ کا وہ تجزیہ سو فیصد درست تھا۔ جلال نے ویرا کو ایک خوب صورت' کج ادا اور دل نواز دوشیزہ کی سی پذیرائی دینے کے بجائے اسے بہن قرار دے دیا تھا۔ جلال کی اس مشرقی گستاخی پر ویرا بری طرح چڑی ہوئی تھی۔ وہ دانستہ یا لاشعوری طور پر جلال کے خلاف زہر اگلنے پر تُل گئی تھی۔ یہ بات ویرا کے سوا ہم میں سے ہر ایک نے محسوس کرلی تھی اور کوئی بھی اس کی باتوں میں آنے والا نہیں تھا مگر میں نے اس وقت سلطان شاہ کی تائید میں کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا۔ مجھے اندازہ تھا کہ میری طرف سے ذرا سی حوصلہ افزائی ہوتے ہی وہ فوراً بے لگام ہوجائے گا۔

ہم چاروں خاصے طویل وقفے کے بعد یک جا ہوئے تھے اس لیے کھانے کے درمیان نوک جھوک کا سلسلہ چلتا رہا

Downloaded from https://paksociety.com

لیکن کوئی بھی نکتہ زیادہ زور نہ پکڑ سکا۔ غزالہ کچھ زیادہ خاموش تھی مگر ویرا خوب چہک رہی تھی۔ غزالہ کی چھٹی حس نے شاید اسے یہ احساس دلا دیا تھا کہ اس شام ویرا میرے اوپر ضرورت سے زیادہ مہربان ہونے کی کوشش کررہی تھی۔ یہ بات ویرا نے خود ہی کہی تھی کہ شوہروں کے بارے میں بیویوں کی نگاہیں عقابی ہوتی ہیں۔ وہ ایک نظر میں بھانپ لیتی ہیں کہ ان کا شوہر کس کھونٹے کے گرد منڈلا رہا ہے لیکن پھر بھی ویرا غیر محتاط تھی۔ مجھ سے بے تکلف ہونے اور ہاتھا پائی کرنے کا کوئی موقع ضائع نہیں کررہی تھی۔

ویرا کی وہ بے ساختہ اور بہت زیادہ بے تکلفانہ ادائیں مجھے برانگیختہ کررہی تھیں۔ میں پتھر یا فولاد کا بنا ہوا کوئی بے جان مجسمہ نہیں تھا۔ جیتے جاگتے اور بہتے ہوئے گرم لہو سے سرشار ایک انسانی پیکر تھا۔ ویرا کے گداز اور حسین سراپا کے ہر لمس سے میرے بدن میں گدگدیاں سی دوڑ رہی تھیں لیکن غزالہ کی غیر معمولی خاموشی مجھے ویرا کی شوریدہ سری کا جواب دینے سے روکے ہوئے تھی۔ میں دل ہی دل میں دعائیں مانگ رہا تھا کہ آئی بی کے مہمان خانے میں میری وہ اکلوتی رات سکون سے گزر جائے۔

ویرا نے سب سے پہلے کھانے سے ہاتھ روکا مگر وہ میز پر جمی رہی۔ کوئی اور موقع ہوتا تو یہ سمجھا جاسکتا تھا کہ وہ دوسروں کا ساتھ دینے کے لیے ازراہِ مروت میز پر بیٹھی ہوئی تھی مگر اس کا موڈ کچھ ایسا خطرناک ہورہا تھا کہ میرے بارے میں کوئی بھی اس کے تیوروں کا صحیح اندازہ لگا سکتا تھا۔

کھانے کا دور ختم ہونے کے بعد ہم چاروں کچھ دیر تک میز کے گرد بیٹھے رہے۔ ویرا کے تیکھے اور معنی خیز جملوں کا سلسلہ جاری رہا۔ آخر غزالہ نے اکتائے ہوئے انداز میں کہا "میرا خیال ہے کہ اب ہمیں یہاں سے اٹھ جانا چاہیے۔ یہ کرسیاں زیادہ دیر تک ہمارا بوجھ نہیں سہہ سکیں گی۔"

"ہم میں سے کوئی بھی اتنا بھاری نہیں ہے کہ یہ کرسیاں ٹوٹ جائیں۔" ویرا نے تمسخرانہ لہجے میں کہا۔

"ہم بھاری نہیں ہیں۔ ہماری باتیں ہم سے زیادہ بھاری ہیں۔" سلطان شاہ نے فوراً لقمہ دیا۔

غزالہ نے اپنی کرسی چھوڑ دی تھی۔ میں نے اس کی تقلید کی۔ سلطان شاہ بھی کرسی سے اٹھنے پر مجبور ہوگیا۔ ویرا نے آخر میں اپنی کرسی چھوڑی تھی۔

میں نے کھانے کے کمرے سے نکل کر ڈرائنگ روم کا رخ اختیار کرنا چاہا تھا لیکن غزالہ اس سے پہلے اپنے کمرے کی طرف ہولی۔ ویرا اس کے پیچھے پیچھے تھی۔ میں نے اسے روکنا چاہا کہ ہم کچھ دیر کے لیے ڈرائنگ روم میں بیٹھیں گے مگر ویرا نے صاف انکار کردیا۔ "ڈرائنگ روم میں بیٹھ کر ایسا معلوم ہورہا تھا جیسے ہم تھوڑی دیر کے لیے یہاں مہمان بن کر آئے ہوں۔ بیڈ روم میں بے تکلفی سے لیٹنے بیٹھنے کا مزہ ہی اور ہوتا ہے۔"

ویرا کے اس اصرار کے بعد مزید کچھ کہنا بے سود تھا۔ ہم چاروں دوبارہ غزالہ کے کمرے میں پہنچ گئے۔

ہمیں وہاں بیٹھے چند منٹ گزرے ہوں گے کہ فضلو نے کمرے کے دروازے پر دستک دے کر کراچی سے آئے ہوئے فون کے بارے میں اطلاع دی۔ اس وسیع و عریض مکان میں ہر قسم کی سہولتیں میسر تھیں لیکن بیڈ رومز میں فون کی لائنیں نہیں تھیں۔ صرف ڈرائنگ روم میں ایک انسٹرومنٹ موجود تھا۔

کراچی سے فون کی اطلاع پاتے ہی میں نے تیزی سے اپنی جگہ چھوڑ دی۔ وہاں سے اول خان ہی فون کرسکتا تھا۔ مجھے حیرت تھی کہ اتنے قلیل سے وقفے میں اسے کیسے پتا چل گیا کہ ہم لاہور کے اس فون نمبر پر مقیم تھے۔

میں نے ڈرائنگ روم میں پہنچ کر تپائی پر رکھا ہوا ریسیور اٹھا کر صرف ہیلو ہی کہا تھا کہ دوسری طرف سے اول خان کی زندگی سے بھرپور آواز گونجنے لگی "مبارک ہو' آج میرا رواں رواں خوش ہے کہ تم دونوں خیروعافیت سے اپنے وطن واپس لوٹ آئے۔"

"تمہیں اس خفیہ پروگرام کی سن گن کیسے مل گئی؟" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"آج صبح سے میرا دل تم سے بات کرنے کے لیے تڑپ رہا تھا۔ میں نے مضطرب ہوکر چیف کو اسلام آباد فون کیا تو اس نے بتایا تھا کہ تم دونوں آج رات کسی بھی وقت لاہور واپس آسکتے ہو۔ چند منٹ پہلے جلال سے میری بات ہوئی تو اس نے تمہارا یہ نمبر دے دیا۔"

"جلال سے تمہارا کہاں رابطہ ہوگیا؟" اول خان کے جواب پر میری حیرت دوچند ہوگئی۔

"وہ اسلام آباد میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا ہے۔ تم بہت بروقت وہاں سے نکل آئے۔ اس وقت میں نے آل انڈیا ریڈیو پر ایک اعلان سن کر جلال کو فون کیا تھا۔ بھارت میں تمہاری اور غزالہ کی تلاش شروع ہوچکی ہے۔ اطلاع دینے والے کے لیے پچاس ہزار روپے کا انعام رکھا گیا ہے۔"

"کیا تم نے یہ اعلان اپنے کانوں سے سنا ہے؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔ وہ اپنے ہر نقطے کے ساتھ میری

Downloaded from https://paksociety.com

رت میں اضافہ کر رہا تھا۔

"جب سے تم بھارت گئے تھے' میں آل انڈیا ریڈیو
قاعدگی سے سن رہا تھا۔ یہ اعلان کچھ دیر پہلے میں نے خود سنا
ہے۔" اس نے بتایا۔

"یہ ضروری تو نہیں تھا کہ ہمارے بارے میں ریڈیو وغیرہ
کوئی خبر نشر ہوتی۔" میں نے ہنستے ہوئے ماؤتھ پیس میں کہا۔

"ضروری نہیں تھا مگر تمہارا مشن بہت اہم تھا۔ میرا
ران کہہ رہا تھا کہ تم کامیاب رہو گے۔ تمہاری ہر
روائی کی خبریں بھارتی ریڈیو اور ٹیلی وژن نے نشر کی ہیں۔
ا کے پاکستانی ونگ میں آتش زنی کی خبر میں دور درشن پر سنی
ں۔"

بھارت میں رہتے ہوئے میرے شب و روز اتنے
روف اور کٹھن تھے کہ میں ان باتوں پر دھیان نہیں دے
ا تھا۔ ریڈیو اس دور میں اپنی افادیت کھو چکا تھا۔ شہری
اقوں میں ریڈیو کی نشریات سننا ضروری نہیں رہا تھا کیونکہ
یلی وژن پر خبر اور تصاویر کے انضمام نے ہر چیز پر سبقت
صل کر لی تھی۔ ریڈیو دور افتادہ اور پس ماندہ دیہی علاقوں
ے باسیوں کا شغل بن کر رہ گیا تھا۔ دہلی میں ہمارے پاس اتنا
ت نہیں تھا کہ ہم ٹیلی وژن سے چپکے بیٹھے رہتے۔ اپنی
ر گزاریوں کا ردِ عمل جاننے کے لیے ہمارا تمام انحصار دہلی
ے شائع ہونے والے دو انگریزی روزناموں پر تھا جو انٹر کانٹی
ل ہوٹل میں ٹھہرنے والے مسافروں کو بلا قیمت کمروں
ں فراہم کیے جاتے تھے یا کمرے کے کرائے میں شامل تھے۔

مجھے یہ جان کر خوشی ہوئی کہ اول خان ہمارے بارے
ں بہت زیادہ فکر مند تھا۔ اپنے ذاتی ذرائع کے ساتھ ساتھ
ابلاغ کے دوسرے ذرائع سے بھی ہمارے بارے میں خبریں
صل کرتا رہا تھا۔ میرے لیے یہ خبر بہت اہم تھی کہ نریش
ر انیل بسواس کی ہلاکت کے تقریباً بارہ گھنٹے بعد ہی دہلی کے
تیشی اداروں کی توجہ میری اور غزالہ کی طرف مبذول
چکی تھی۔

"میں دور درشن اور آل انڈیا ریڈیو کی زہر فشانی سے
ے خبر ہوں مگر یہ بات ذو معنی ہے کہ بھارتیوں نے پورے زور و
ور سے مظہر خان اور غزالہ کی تلاش شروع کر دی ہے۔
وں نے ریڈیو پر اس تلاش کا کوئی سبب بھی بتایا ہوگا۔"
ں نے پوچھا۔

"بھارت میں ہونے والی دہشت گردی کی کئی بھیانک
ر داتوں کی چھان بین کے لیے تم دونوں کو اہم ملزم قرار دیا
یا ہے۔ میرے لیے یہ حیرت کی بات تھی کہ آج تم نے
بھارت کو خیرباد کہا اور آج ہی بھارتی ایجنسیوں کو تم دونوں کا
خیال آگیا۔"

"شاید تمہیں را کے انیل بسواس اور نریش شرما کے
بارے میں پتا نہیں چل سکا۔" میں نے کہا۔

"صبح سے وہ خبر ٹیپ کے بند کی طرح بار بار دہرائی جا رہی
ہے۔" اول خان کی طرف سے کسی توقف کے بغیر جواب آیا
"ان دونوں کے جہنم واصل ہونے کی خبر سننے کے بعد ہی مجھے
تم دونوں کی سلامتی کی طرف سے فکر لاحق ہوئی تھی۔ ان
جیسے موذیوں کو مار کر بھارت سے نکل آنا آسان کام نہیں
تھا۔"

"مجھے نئی خبر کی تفصیل بتاؤ۔ کیا جلال کو معلوم ہے کہ
بھارتیوں نے ہماری تلاش کی مہم شروع کر دی ہے۔"

"جلال باخبر نہ ہوتا تو مجھے صدمہ ہوتا۔ ایسی اطلاعات
سے واقف رہنا اس کے فرائضِ منصبی میں داخل ہے۔"

"اپنے اعلان میں انہوں نے مظہر خان کو کس روپ میں
پیش کیا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"مظہر خان پاکستانی پاسپورٹ پر دہلی میں مقیم تھا۔ وہ
اسے پاکستانی دہشت گرد قرار دے رہے ہیں۔" اول خان
نے بتایا۔

"دوسری طرف انہیں ڈینی کی تلاش ہے جس نے اپنی
لیزر گن سے نریش شرما کو مار دیا۔" میں نے معنی خیز لہجے میں
کہا۔

"ہاں' یہی ایک نکتہ ہے جو حوصلہ افزا ہے۔ ابھی تک
وہ ان دونوں کو ایک دوسرے سے الگ سمجھ رہے ہیں۔ میں
نے ان کا ہر نشریہ غور سے سنا ہے۔ بھارتی حکام نے ابھی تک
ایسی کوئی بات نہیں کی ہے جس سے یہ شبہ ہو کہ وہ ڈینی اور
مظہر خان کو ایک شخصیت کے دو روپ سمجھ رہے ہیں۔ یہ
باتیں میں تمہاری زبان سے سننا چاہتا ہوں۔ تم نے دہلی میں
اپنی بساط لپیٹ لی تھی کہ وہ ابھی تک اس ابہام کا شکار
ہیں۔"

"یہ لمبی کہانی ہے۔ آج کی رات گزر جانے دو۔ کل
کراچی آؤں گا تو سب کچھ بتا دوں گا۔"

"دہلی سے لاہور تک تمہارا سفر کیسا رہا؟" اول خان
سب کچھ جان لینے کے لیے بے چین تھا۔

"ہولناک!" میں نے ہلکا سا قہقہہ لگا کر جواب دیا "یہ
کہانی بھی کل سن لینا۔ دو بھارتی فوجیوں نے ہمیں موت کے
دہانے تک پہنچا دیا تھا۔"

"میں تمہیں ایک بات بتا دوں!" اول خان کی آواز میں

Downloaded from https://paksociety.com

یک بہ یک گہری سنجیدگی آگئی "اس بار بھارتیوں کا لب ولہجہ خطرناک ہے۔ وہ دہلی میں پیش آنے والے واقعات کو زور دے کر اور تکرار کے ساتھ عالمی دہشت گردی کا حصہ قرار دے رہے ہیں۔"

"مجھے یہ سن گن مل چکی ہے۔" میں نے دل ہی دل میں اس گفتگو کو یاد کرتے ہوئے جواب دیا جو میرے اور رینا اجیت رائے کے درمیان ہو چکی تھی۔ "اس وقت بھارتی حکمراں بہت خطرناک راستے پر چل پڑے ہیں۔ ان کی پوری کوشش ہے کہ دہشت گردی کے خلاف پائے جانے والے عالمی غم وغصے کو بھرپور انداز میں پاکستان کے خلاف استعمال کیا جائے۔"

"ہو سکتا ہے کہ ان کا یہ رویّہ ہمارے لیے مشکلات پیدا کرنے کا سبب بن جائے۔" اول خان کی آواز پُرتشویش ہو گئی۔

"کیا تم یہ کہنا چاہ رہے ہو کہ دہلی میں آج صبح تک جو کچھ ہوتا رہا وہ ہمارے لیے سود مند نہیں تھا۔" میں نے چونک کر پوچھا۔

"اوہ...! تم نے تو اچانک بہت لمبی جست لگا دی۔" ایک گہرے سانس کے بعد اول خان کی آواز آئی "وہاں جو کچھ ہوا' اس کے لیے ایک مدت سے خواب دیکھے جا رہے تھے۔ تم نے چند دنوں میں ایسی کامیابیاں حاصل کی ہیں جن کے اثرات برسوں تک محسوس کیے جائیں گے مگر ہمارا حریف بہت خطرناک ہے۔ وہ اپنی اس ہزیمت میں بھی سرخ روئی کے پہلو تلاش کرنے کی تگ ودو کر رہا ہے۔ وہ ان واقعات سے سیاسی فائدے اٹھانے کی کوشش کر رہے ہیں۔"

"یہ مجبوری ہے۔ ان کی حرکتوں کا کوئی نہ کوئی سدباب کرنا پڑے گا۔ ہر ہوشیار قیادت اپنے حریفوں کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتی ہے۔ ہمیں اپنی کمزوریوں کا اعتراف کر کے عاجزانہ رویّہ اختیار کرنے کے بجائے دبنگ ہو کر جارحانہ انداز میں ان کا مقابلہ کرنا چاہیے۔" میں نے اس کی تشویش کی نوعیت سمجھتے ہوئے کہا "میں اپنے ملک کے ان دشمنوں سے ہر محاذ پر لڑ سکتا ہوں لیکن سیاسی لڑائی میرے بس سے باہر ہے۔"

ریسیور پر اول خان کی ہلکی سی ہنسی کی آواز آئی پھر اس نے کہا "میں اپنا اور تمہارا موازنہ نہیں کر رہا لیکن ہماری کمزوریاں کم وبیش یکساں ہیں۔ مجھے بھی سیاست کے نام سے الجھن بلکہ وحشت ہونے لگتی ہے۔ جھوٹ سچ بولنا اور جوڑ توڑ کرنا میرے بس سے باہر ہے۔"

"یہ نہ کہو۔ دشمن کے چنگل میں پھنس جانے کے بعد ہر فریب سے کام لینا پڑتا ہے۔" میں نے نرمی سے جواب دیا "سیاسی جوڑ توڑ میں کوئی حصہ لیے بغیر میں ہزاروں بار جھوٹ سچ اور جوڑ توڑ سے کام لے چکا ہوں۔ اس کے بغیر زندگی بہت دشوار ہو جاتی ہے۔"

"یہ متنازع بات ہے۔ یہ بتاؤ کہ کراچی کب آ رہے ہو؟" اول خان نے فوراً ہی موضوع بدل دیا۔

"میں نے کہا نا کہ ہم کل کراچی پہنچ رہے ہیں۔" میں نے اسے یاد دلایا۔

اول خان دھیرے سے ہنس دیا "ویرا واپس آ کر لاہور میں بیٹھ گئی ہے۔ میں نے سوچا کہ تم بھی وہاں لمبا قیام کرو گے۔"

"ویرا کی بات مختلف ہے۔ فائلیں اور را کے کاغذات لانے والے قاصد کی حیثیت سے لاہور میں اس کی ضرورت سے زیادہ آؤ بھگت ہو رہی تھی اس لیے اس کا یہاں دل لگا ہوا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ کل وہ بھی ہمارے ساتھ کراچی لوٹ آئے۔"

"تمہاری غیر حاضری میں اس کا چراغ جل رہا تھا۔ تمہارے لوٹ آنے کے بعد صورتِ حال مختلف ہو جائے گی۔ اب وہ لاہور میں کیا کرے گی۔"

"یہ سوال اسی سے کرنا۔" اس سے مزید چند منٹ تک اِدھر اُدھر کی باتیں ہوتی رہیں پھر سلسلہ ختم ہو گیا۔

"دہلی میں را اور دوسری بھارتی ایجنسیوں کو ہوش آ گیا ہے۔" میں نے ویرا' غزالہ اور سلطان شاہ کی مستفسرانہ نگاہوں میں چھپے ہوئے سوال کو پڑھ کر ان کے زبان کھولنے سے پہلے کلیدی نکتہ بتا دیا۔ "وہاں مظہر خان اور غزالہ کی تلاش کی مہم شروع ہو چکی ہے۔"

"یہ ہونا ہی تھا۔" غزالہ نے سنجیدگی سے کہا "بس انہوں نے ذرا سی تیزی دکھائی ہے۔"

"اول خان کو یہ اطلاع کیسے مل گئی؟ جلال نے تو اس بارے میں کچھ نہیں بتایا تھا۔" ویرا نے اعتراض کیا۔

"جلال مصروف آدمی ہے۔ تھوڑی دیر پہلے تک وہ ہمارے ساتھ تھا۔ اس وقت اسلام آباد میں اپنے دفتر میں بیٹھا ہوا ہے۔" اول خان کہہ رہا تھا کہ جلال اس بات سے واقف ہے کہ بھارتیوں نے ہماری تلاش کی مہم شروع کر دی ہے۔"

"یہ اس کے دفتر کا کون سا وقت ہے۔" سلطان شاہ نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈال کر حیرت سے کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"ذمے دار سرکاری ملازم کے دفتر کا کوئی وقت مقرر نہیں ہوتا۔ جب بھی کوئی اہم کام درپیش ہو وہ دفتر میں موجود ہوتا ہے۔" ویرا نے طنزیہ لہجے میں کہا "سارے سرکاری افسر تمہاری طرح گھڑی دیکھ کر کام کرنے لگیں تو اس ملک کا اللہ ہی حافظ ہوگا۔" سلطان شاہ کو سنانے کے بعد وہ مجھ سے مخاطب ہوگئی "تم نے یہ نہیں بتایا کہ جلال اور اول خان کو اطلاع ملنے کے کیا ذرائع ہیں۔ دہلی میں موجود آئی بی والوں کے رابطے اتنے مؤثر تو نہیں ہیں کہ وہ پل پل کی خبریں اپنے بڑوں کو پہنچاتے رہیں۔"

"اول خان ہماری فکر میں آل انڈیا ریڈیو اور دوردرشن سنتا اور دیکھتا رہا ہے۔" میں نے ہنس کر جواب دیا "آئی بی والے بھی بھارتی نشریات کو مانیٹر کرتے ہوں گے۔ ہمیں ان فضول باتوں پر سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔ اتنا کافی ہے کہ اب وہ ہماری راہ پر لگ گئے ہیں۔"

"تو کیا انہوں نے واقعات کی ساری کڑیاں جوڑ لی ہیں؟" سلطان شاہ نے متجسس انداز میں پوچھا۔

"یقین سے نہیں کہا جاسکتا۔ بس ایک بات واضح ہے کہ ابھی تک وہ ڈینی اور مظہر خان کو الگ الگ شخصیات سمجھ رہے ہیں۔" میں نے بتایا۔

"تم نے یہ کیسے فرض کرلیا؟" ویرا نے مجھے گھورتے ہوئے سوال کیا۔

"انہوں نے مظہر خان اور غزالہ کے بارے میں صحیح اطلاع دینے والے کے لیے پچاس ہزار روپے کے معمولی انعام کا اعلان کیا ہے۔"

"آپ کے لیے امریکیوں نے دس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔" غزالہ نے فخر سے یاد دہانی کرائی۔

"آثار یہ بتاتے ہیں کہ میرے ہم وطنوں کی وہ رقم ہمیشہ محفوظ رہے گی۔ عام انسانوں کی طرح ذہنی بھی لازوال نہیں ہے۔ کبھی نہ کبھی اس کا وقت پورا ہوگا مگر اس میں اس کے لہو کے پیاسوں کا کوئی ہاتھ نہیں ہوگا۔ یہ اپنے فطری انجام سے دوچار ہوگا۔" ویرا نے رائے ظاہر کی۔

کچھ دیر تک وہ محفل غزالہ کے کمرے میں جمی رہی پھر ویرا کے ایما پر چاروں دوبارہ ڈرائنگ روم میں پہنچ گئے۔ جہاں بڑی اسکرین والا رنگین ٹیلی وژن موجود تھا۔ خبرنامے کا وقت بہت پہلے نکل چکا تھا لیکن گیارہ بجے اہم خبروں کی نشریات متوقع تھیں۔ باتوں باتوں میں وہ وقت بھی گزر گیا۔ گیارہ بجے کی مختصر اور اہم خبروں میں چند مقامی اور عالمی واقعات کا ذکر تھا۔ بھارت میں رونما ہونے والے واقعات

وغیرہ وغیرہ

آفاقی صاحب، بٹ صاحب اور خان صاحب کا ہائیک کانگ جانے کا پروگرام بنا تو آفاقی صاحب نے ایک ہوٹل کو پیشگی ٹیلی گرام دے دیا۔

"ہمارے لیے ٹاپ فلور پر ایک سوئٹ بک کردیا جائے جہاں سے نظارہ بہت خوب صورت دکھائی دیتا ہو ... سوئٹ تین کمروں پر مشتمل ہو .... اس میں تمام آسائشیں موجود ہوں ... فرنیچر نیا اور آرام دہ ہو ... وغیرہ وغیرہ ... وغیرہ۔"

جب وہ مذکورہ ہوٹل پہنچے تو انہیں ان کا سوئٹ دکھایا گیا۔ واقعی بہت عمدہ تھا لیکن وہ یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ اس میں تین خوبصورت لڑکیاں بھی موجود تھیں۔

"یہ کون ہیں؟" آفاقی صاحب نے منیجر سے پوچھا۔

"یہ وغیرہ وغیرہ وغیرہ ہیں ..." منیجر نے جواب دیا۔

اور ان کے سرکاری ردِعمل کا کوئی نشان نہیں تھا۔ پاکستانی وزارت اطلاعات اور نشریات کے ذمے داروں کو ان خفیہ سرگرمیوں کا کوئی علم نہیں تھا جو بعض افراد کے تعاون سے بھارت میں جاری تھیں۔

خبریں ختم ہوتے ہی غزالہ اٹھ گئی۔ میں نے اس کا ساتھ دیا۔ امرتسر سے لاہور تک کے سفر کا شدید ذہنی اور جسمانی دباؤ اس وقت بستر کی ضرورت کا احساس دلا رہا تھا۔ شاید ویرا اور سلطان شاہ کو بھی ہماری تھکن کا احساس تھا۔ انہوں نے کوئی اعتراض نہیں کیا اور میں غزالہ کے ساتھ اسی کے کمرے میں پہنچ گیا۔ دشمن کے ملک میں بھیانک شب و روز گزارنے کے بعد ہمیں اپنے وطن کی آزاد فضاؤں میں پہلی رات یک جا ہو کر بسر کرنے کا پورا حق حاصل تھا۔

"مظہر خان اور غزالہ کی تلاش پر پچاس ہزار روپے کے انعام سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ بھارتی حکام کو ہمارے اس

Downloaded from https://paksociety.com

روپ پر شک ہو چکا ہے۔" غزالہ باتھ روم میں کچھ وقت گزار کر شب خوابی کے حریری لباس میں برآمد ہوئی تو اس کے ہونٹوں پر سحر انگیز مسکراہٹ ناچ رہی تھی اور ذہن میں ایک نیا خیال موجود تھا۔

"کسی شبہے کے بغیر تلاش شروع نہ ہوتی۔ انہیں جلد از جلد کچھ نہ کچھ کر کے دکھانا ہوگا ورنہ بھارت میں را کی ساکھ بری طرح تباہ ہو جائے گی۔" میں نے کہا "اس وقت وہ پوری مستعدی سے ہر مشتبہ نام کا پیچھا کریں گے۔"

"میں نے یہ بات بھری چوپال میں نہیں چھیڑی ورنہ وہاں ہر ایک اپنی بولی بولنا شروع کر دیتا۔ آخر انہیں مظہر خان پر کیا شبہ ہو سکتا ہے۔"

"پس پردہ واقعات کو بھول کر سوچو تب بھی تم کو ان کی تلاش کا جواز مل جائے گا۔" میں نے بستر پر اپنے پہلو میں غزالہ کے لیے جگہ بناتے ہوئے جواب دیا "مظہر خان کو را نے اپنا مخبر بنانے کے لیے منتخب کیا تھا۔ وہ نریش شرما اور انل بسواس سے قریبی رابطے میں تھا۔ ان دونوں نے اپنی بساط کے مطابق یہ یقین کر لیا تھا کہ مظہر خان کوئی جعلی نام نہیں تھا۔ نریش نے اپنے ذہنی اور جسمانی حربے آزما کر دیکھ لیے تھے مگر مظہر خان کی زبان سے کوئی منفی بات اگلوانے میں کامیاب نہیں ہو سکا تھا۔ یہ سب باتیں اپنی جگہ درست ہیں مگر نریش اور انل کی موت کا راز کھلنے کے ساتھ یہ انکشاف بھی ہوتا ہے کہ مظہر اور غزالہ نے اس واقعے سے پچھلی رات اپنے ہوٹل کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ آگرے میں ان کا سراغ نہیں ملتا۔ اٹاری پر ان کی پاکستان واپسی کا کوئی اندراج نہیں ہے۔ دہلی میں کوئی نہیں جانتا کہ وہ دونوں کہاں گئے۔ ان ناموں کو مشتبہ بنانے کے لیے یہ مواد کافی ہے۔"

"ایک طرف بھارتیوں نے سارا الزام ڈینی کے سر ڈال دیا ہے۔ دوسری طرف وہ مظہر خان کو تلاش کرنے میں مصروف ہیں۔ کیا یہ دونوں باتیں ایک دوسرے سے متضاد نہیں ہیں؟" غزالہ نے ایک ادا کے ساتھ مسہری پر دراز ہوتے ہوئے پوچھا۔

"مظہر خان سے رابطہ رکھنے والے را کے دونوں افسر جنم واصل ہو چکے ہیں۔ ان کے سفاکانہ قتل کی تحقیقات کرنے والے یہ سوچ بھی نہیں سکتے کہ وہ کام ایک دو آدمیوں نے سرانجام دیا ہوگا۔ ان کے دماغوں میں ڈینی کا گروہ گھسا ہوا ہے۔ وہ ڈینی کے ساتھ اس کے گروہ کے کارندوں کی بھی تلاش میں لگے ہوئے۔ وہ ہر اس شخص پر ہاتھ ڈال دیں گے جو ان کی دانست میں دشمن سے ذرا سا بھی تعاون کر سکتا تھا۔ ان میں مظہر خان کا نام اب سرفہرست ہے۔"

"بعض اوقات آپ واقعات کا اتنا اچھا تجزیہ کرتے ہیں کہ وکیل معلوم ہونے لگتے ہیں۔" غزالہ نے اطمینان کا ایک گہرا سانس لے کر کہا "میں ابھی تک ان دونوں باتوں کو ملا کر سوچ رہی تھی تو خوف آ رہا تھا۔ آپ کی وضاحت کے بعد یہ خوف کم ہو چکا ہے۔"

"خوف! اب ہم پاکستان کی محفوظ سرحدوں میں ہیں۔" میں نے اس کی طرف کروٹ لے کر پوچھا "یہاں تمہیں کس بات کا خوف ہے۔"

"یہ نہ کہیں، رسل و رسائل اور مواصلات کی سہولتوں نے آج کی دنیا کو واقعی ایک بڑے عالمی گاؤں میں بدل کر رکھ دیا ہے۔ کوئی بھی کہیں بھی محفوظ نہیں ہے۔ خون کے پیاسے کسی کے لہو کی بوند پر جائیں تو واشنگٹن کے وائٹ ہاؤس میں بھی اس تک پہنچ سکتے ہیں۔"

"آج ارسطو زندہ ہوتا تو وہ بھی ایسے بے بنیاد خوف کا علاج نہیں کر سکتا تھا۔" میں نے اس کے گلابی رخسار پر ہلکی سی چپت لگا کر کہا۔

"میرا خوف بے بنیاد نہیں ہے۔ آپ کو بھی ہوشیار رہنا چاہیے۔" اس نے سنجیدگی سے جواب دیا "جب جلال امرتسر کے بنگلو کو خرید سکتا ہے تو را والے بھی آپ کے خلاف کسی پاکستانی کو خرید سکتے ہیں۔ معاشروں کے لحاظ سے غداروں کی تعداد کم و بیش ہو سکتی ہے مگر یہ دنیا کے ہر خطے میں پائے جاتے ہیں۔"

غزالہ کا وہ اندیشہ بلاجواز نہیں تھا۔ وہ کم بولتی تھی لیکن جب بھی زبان کھولتی تھی، اس کی ہر بات کی پشت پر تجربہ کارفرما ہوتا تھا۔

"اور مجھے دہلی میں رہنے والے مظلوم مسلمانوں کی بھی فکر ہے۔" چند ثانیوں تک میرے سینے کے بالوں سے کھیلتے رہنے کے بعد غزالہ منمنائی "مشتبہ آدمیوں کی تلاش میں ان غریبوں کی شامت آ جائے گی جن کا کوئی والی وارث نہ ہو، لمبی مدت کے لیے بھارتی جیلوں میں سڑا دیے جائیں گے۔"

"بھارت میں یہ بربریت آئے دن ہوتی رہتی ہے۔ اسے کوئی نہیں ٹال سکتا۔ حد ہے کہ کشمیر میں ہونے والے واقعات کی سزا بھارت میں رہنے والے مسلمانوں کی دی جاتی ہے۔ پاکستان میں ایسا نہیں ہوتا۔ ہندوؤں پر ایک قوم اور ان کے مذہب کی بنا پر کوئی زیادتی نہیں ہوتی۔ اس معاملے میں ہم سب مجبور ہیں۔ بھارت کی ان زیادتیوں کو نوشتہ دیوار سمجھ کر قبول کرنا پڑتا ہے۔ جب تک دونوں حکومتوں کے

Downloaded from https://paksociety.com

ان مفاہمت کی فضا پیدا نہیں ہوتی' ایسے واقعات ہوتے رہیں گے۔"

"ساری گڑبڑ مفاہمت نہ ہونے کی وجہ سے ہے۔" نے کہا "جس دن دوستی ہوگئی' سب جھمیلے ختم ہوجائیں گے۔"

"تم نے دہلی کے مسلمانوں کا ذکر کرکے میری ذہنی رو کو سے اتار دیا ہے۔" میں نے تفکر آمیز لہجے میں کہا "مظہر کے مشتبہ قرار پانے کے بعد سب سے زیادہ خطرہ رینا رائے کو ہے۔ یہ بات را کے ریکارڈ میں موجود ہوگی کہ ش کے ایما پر وہ مجھ سے کئی بار ملی تھی۔"

"پھر تو بیلا سنگھ کی باری بھی آنی چاہیے۔" غزالہ میری ن سے رینا کا ذکر سن کر خوش نہیں ہوئی۔

"بیلا سنگھ کو میں نے اپنے قریب آنے یا بے تکلف نے کا موقع نہیں دیا تھا۔" میں غزالہ کو کیسے بتاتا کہ ان ں سے میرے مراسم کی نوعیت مختلف تھی۔ بے خبری میں کے ساتھ میری ویڈیو فلم بنالی گئی تھی جب کہ بیلا اپنی ششوں میں بری طرح ناکام ہوئی۔

"آپ نے تو رینا کے بارے میں بھی کہا تھا کہ وہ ناکام تھی۔" غزالہ نے چونک کر مجھے یاد دلایا۔

میں گڑبڑا گیا۔ اپنی خانگی زندگی کے امن وسکون کو ار رکھنے کے لیے میں نے اپنے اور رینا کے مراسم کے پہلو غزالہ سے مخفی رکھے تھے۔ میں نے جلدی سے ب دیا "وہ دونوں میرے خلاف بلیک میلنگ کا مواد حاصل نے میں کامیاب نہیں ہوسکی تھیں۔ بیلا کے بارے میں' وشیار تھا۔ میں نے شروع سے اسے منہ نہیں لگایا تھا مگر جھ سے کچھ بے تکلف ہوگئی تھی۔ تمہیں معلوم ہے کہ نے کئی نازک مواقع پر ہماری بہت مدد کی تھی۔

غزالہ کھلکھلا کر معصومیت سے ہنس پڑی "آپ تو ے ذرا سے سوال پر اس طرح گھبرا گئے جیسے میں نے آپ ئی چوری پکڑلی ہو۔"

اس نے وہ بات مذاق میں کہی تھی مگر مجھے یوں محسوس یے وہ تجاہل عارفانہ سے کام لے رہی ہو۔ بیوی ہونے تے سب کچھ جان گئی ہو لیکن انجان بن رہی ہو۔ میں س سے نظریں چرالیں اور اس نے بھی اپنے مذاق کو دینے کی کوشش نہیں کی۔

رینا اجیت رائے بھارت میں میرے متعلق سب سے حساس حیثیت کی مالک تھی۔ اس سے میرے سامنے ایک لغزش ہوئی تھی کہ اس نے دہلی کی کلاسیکل ڈانس

جدید لغت

ادھیڑ عمری... جب عورت کے سفید بال سیاہ ہونے لگتے ہیں۔

ماہر نفسیات... وہ شخص جو اس وقت تک آپ کی بات نہایت توجہ سے سنتا ہے جب تک آپ احمقانہ اور بے سروپا گفتگو کرتے ہیں۔

ٹپ... وہ تنخواہ جو ہم دوسروں کے ملازموں کو دیتے ہیں۔

سڑک... وہ بے ہودہ راستہ جو اس طرف نہیں مڑتا جس طرف عورت گاڑی موڑتی ہے۔

اکیڈمی سے اپنے تعلق کا اقرار کیا تھا اور پھر میرے جال میں پھنس گئی تھی۔ آئی بی کے عابد علی نے مجھے بتادیا تھا کہ اس اکیڈمی میں رقص کی تربیت دینے کے بہانے حسین وجواں سال بھارتی دوشیزاؤں کو داخلے دیے جاتے ہیں اور ہر کھیپ میں سے مجبور وبے سہارا آوارہ مزاج لڑکیوں کو چھانٹ کر الگ کرلیا جاتا تھا۔ انہیں مردوں کو رجھانے اور پھانسنے کے فن کی خصوصی تربیت دے کر میدان میں اتارا جاتا تھا۔ میں نے اپنی ان معلومات کی روشنی میں رینا کو دبایا اور اس نے نہ صرف سب کچھ اگل دیا بلکہ اپنی کہانی بھی سنا ڈالی۔

اپنی خفیہ معلومات کو اپنی ذات تک محدود رکھنا میری ضرورت تھی مگر بعد میں رینا کی دہشت دیکھتے ہوئے میں نے یہ ظاہر کیا کہ میں کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں اس کی کہی ہوئی باتیں نریش یا انل بسواس کے سامنے دہرانے کا ارادہ رکھتا ہوں تو وہ میرے قدموں میں آگری۔ اس نے مجھے میری زبان بندی کے لیے اپنی بیمار ماں کی علالت کا واسطہ دیا۔ اسے اپنی ماں کے علاج اور گھر چلانے کے لیے را کی نوکری کی اشد ضرورت تھی۔ میں نے اس پر احسان جتاتے ہوئے خاموش رہنے کا وعدہ کرلیا۔

رینا میری اس خاموشی کے لیے میری ایسی احسان مند ہوئی کہ را کے مفادات کو بھول کر میری ہمدرد بن گئی۔ اس نے کئی مواقع پر مجھے یقینی خطرات سے بچایا۔ اس سے راہ ورسم برقرار رکھنا میرے لیے سودمند تھا اس لیے دہلی میں قیام کے دوران میں وہ مسلسل مجھ سے ملنے کے لیے آتی رہی۔ ہماری وہ ملاقاتیں ڈنکے کی چوٹ پر ہوتی تھیں لیکن ان

Downloaded from https://paksociety.com

ملاقاتوں میں ہونے والی باتیں ہمارے درمیان محفوظ رہتی تھیں۔

کثرت سے ہونے والی ان ملاقاتوں کے حوالے سے رینا کی ذات راوالوں کی نظروں میں آسکتی تھی۔ وہ میری احسان مند اور وفادار ضرور تھی مگر ایک کمزور لڑکی تھی۔ ذرا سے تشدد یا کسی کڑے نفسیاتی حربے کے سامنے ہتھیار ڈال سکتی تھی۔ اگر وہ زبان کھول بیٹھتی تو را کے گھاگ افسران اس کے دیے ہوئے اشاروں سے یہ نتیجہ اخذ کرسکتے تھے کہ ڈینی ہی مظہر خان کا روپ دھار کر دہلی پہنچا تھا اور سب کی آنکھوں میں دھول جھونک کر را کا اہم ترین ریکارڈ لے اڑا تھا۔

ڈینی اور مظہر خان کی دہری شخصیت کا راز کھلنے کے بعد جہاں نریش اور انل کے قتل کی گتھیاں سلجھ جاتیں وہیں را کے بڑوں کو یہ بھی معلوم ہوجاتا کہ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی کے بارے میں رسوا کن مواد بھارتی اخبارات میں کیسے پہنچا تھا۔

میں نے اس بارے میں جتنا غور کیا' میری تشویش میں اسی قدر اضافہ ہوتا چلا گیا۔ را والے اپنی ایڑی چوٹی کا زور لگا کر بھی وہ باتیں نہیں جان سکتے تھے جو رینا ذرا سی دیر میں اگل دیتی۔ میرے رازوں کی حفاظت کے لیے اس لڑکی کا شکوک و شبہات سے بالا رہنا ضروری تھا۔

کمرے میں غزالہ نے اندھیرا کیا تو میرے اندیشے سایوں کے ڈراؤنے روپ دھار کر کمرے کے در و دیوار پر ناچنے لگے۔ آخر میں نے یہ سوچ کر کہ میں را والوں کی دسترس سے بہت دور' پاکستان پہنچ چکا تھا' سب کچھ اپنے ذہن سے جھٹک دیا اور اپنی بھرپور توجہ غزالہ کے سحر انگیز سراپا پر مرکوز کردی۔

○☆○

جلال کو معلوم ہوچکا تھا کہ بھارتیوں نے مظہر خان کی تلاش شروع کردی تھی مگر وہ اسلام آباد میں نہ جانے کن چکروں میں الجھا ہوا تھا کہ اسے دوبارہ مجھ سے رابطہ کرنے کی فرصت ہی نہیں ملی۔ لاہور میں موجود اس کے عملے نے ہم چاروں کے لیے کراچی واپسی کی نشستوں کا بندوبست کیا اور تیسرے پہر ہم کراچی ائرپورٹ پر اتر گئے۔

کراچی کے قائداعظم ائرپورٹ پر طیارے سے کھلی فضا میں نکلے بغیر ہم گینگ وے سے ائرپورٹ کی خوب صورت اور جدید عمارت میں داخل ہوئے اور اپنا سامان لینے کے مرحلے سے گزر کر باہر آئے تو لوگوں کی بھیڑ میں اول خان کا جوش سے تمتمایا ہوا چہرہ الگ ہی نظر آرہا تھا۔

دوسروں کے عزیز اور دوست صرف لاہور سے آئے تھے لیکن اول خان کے تین شناسا جان لیوا خطرات کی دلدل عبور کرتے ہوئے دہلی سے براستہ لاہور' کراچی پہنچے تھے اس لیے اس کا جوش و جذبہ دیدنی تھا۔ میرے باہر نکلتے ہی وہ والہانہ انداز میں مجھ سے بغل گیر ہوگیا۔ اس نے گرم جوشی سے میرے رخساروں پر یوں چٹاچٹ بوسے دیے کہ قریب کھڑے ہوئے بہت سے پڑھے لکھے اور سنجیدہ لوگ چونک کر ہمیں دیکھنے لگے۔ کئی خواتین اور مردوں کے ہونٹوں پر مسکراہٹ عود کر آئی تھی۔ مجھے خفت کے ساتھ خود کو اول خان کی گرفت سے نکالنے کی کوشش کرنا پڑی مگر وہ شیر نر دنیا و مافیہا سے بے خبر' اپنے جوش و جذبے کے پُرخلوص اظہار میں مصروف رہا۔ غنیمت یہ تھا کہ اس وقت وہ اپنی غیر فوجی یونیفارم میں نہیں تھا ورنہ وہاں زیادہ بڑا تماشا بن جاتا۔

ائرپورٹ کی عمارت کے باہر انتہائی گرم جوشی سے ہمارا استقبال کرنے کے بعد اول خان واپس مڑا۔ میرا اور غزالہ کا سامان صرف دستی تھا۔ دہلی سے روانگی کے وقت دیر ابھی کی وبیش اتنے ہی اسباب کی مالک تھی لیکن اس نے لاہور میں اپنے چند روزہ قیام کے دوران میں کپڑوں اور اپنی ضروریات کی دوسری اشیا کی خریداری کرکے درمیانی سائز کا ایک سوٹ کیس تیار کرلیا تھا۔ سلطان شاہ کراچی سے ایک چھوٹا سوٹ لے کر ہم سے ملنے کے لیے لاہور پہنچا تھا۔ اس مشترکہ اسباب کی مقدار اتنی تھی کہ ایک عدد ٹرالی کا جواز پیدا ہوگیا تھا۔

قائداعظم ائرپورٹ کی نئی عمارت کے برآمدے کے آخری سرے پر وی آئی پی حضرات اور اہم سرکاری عہدے داروں کے لیے مخصوص قطار میں اول خان کا ڈرائیور امر کی بڑی جیپ لیے ہمارا منتظر تھا۔

جیپ ہمیں لے کر روانہ ہوئی تو اِدھر اُدھر کی باتیں ہورہی تھیں۔ گاڑی شارع فیصل پر آئی تو میرے ذہن میں چبھتا ہوا نکتہ سوال بن کر میری زبان پر آگیا "ہمیں لاہور کے مہمان خانے میں پہنچانے کے بعد جلال نے دوبارہ ہم سے رابطہ کیوں نہیں کیا؟"

"وہ اسلام آباد میں بری طرح الجھا ہوا ہے۔ دہلی پولیس نے اس کے ایک آدمی کو سمراٹ ہوٹل کی عمارت میں مشتبہ انداز میں گھومتے ہوئے دھرلیا ہے۔ وہ اس کی طرف سے سخت فکرمند ہے۔" اول خان کے اس انکشاف نے مجھے بری طرح چونکا دیا۔

"کون پکڑا گیا؟ وہاں آئی بی کے صرف تین آدمی ہیں۔" میں نے اپنا سوال بھول کر پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"تم ان تینوں کے نام دہراؤ تو شاید مجھے یاد آجائے۔ میں نے نام پر زیادہ دھیان نہیں دیا۔ میرے لیے یہ خبر زیادہ اہم تھی کہ دہلی میں ایک پاکستانی ایجنٹ کے ستارے گردش میں آچکے ہیں۔ نام سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس وقت ساری اہمیت اس کی قومیت کی ہے۔"

"عابد علی، پرویز احمد اور عبداللہ!" میں نے اول خان کی طرف دیکھتے ہوئے آئی بی کے تینوں ایجنٹوں کے نام دہرائے۔

"شاید عبداللہ ہے۔ دہلی میں وہ ولی رام کے نام سے رہ رہا تھا۔" اول خان کا جواب سن کر میرا دل بو جھل ہوگیا۔

"میں نے اس سے تمہارا نمبر لیتے ہوئے کہہ دیا تھا کہ وہ تمہیں فون کروں گا۔" وہ بے فکر ہوگیا ہوگا کہ میں تمہیں زیادہ ترین خبروں کے بارے میں بتادوں گا۔ پاکستان لوٹ آنے کے بعد تم عبداللہ کے لیے کچھ بھی نہیں کرسکتے۔ جلال اپنے ایک آدمی کی رہائی کے لیے فکرمند ہے۔"

"میں کچھ نہیں کرسکتا تو جلال یہاں بیٹھ کر اس کے لیے کیا کرے گا۔ میں نے ان تینوں کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ اللہ بھارتی پولیس کے ہاتھوں مرجانا گوارا کرلے گا مگر اپنی زبان نہیں کھولے گا نہ اپنے دونوں ساتھیوں کے بارے میں بتائے گا۔ سمراٹ ہوٹل میں جان ابھی تھوڑا ہی مارا گیا تھا۔ وہ بہت خطرناک ہوچکی تھی۔ عبداللہ کو ادھر کا رخ نہیں کرنا چاہیے تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اس کا وقت پورا ہوچکا تھا اور اس کی اجل اسے وہاں لے گئی ہے۔"

"ایسے بے رحمانہ کلمات اپنی زبان سے مت نکالو۔" خان شاہ نے میرے اندیشے پر شبنم کرکہا "پاکستان کو ایسے سرفروش سپوتوں کی ضرورت ہے۔"

"یہاں ان کے کئی آدمی آئی بی والوں کی نظر میں ہیں۔ ان کی کوشش ہے کہ اسلام آباد میں سفارتی افسر کے بھیس میں کام کرنے والے را کے ایک ایجنٹ کو رنگے ہاتھوں پکڑلے شاید اس طرح عبداللہ کی جان بچ سکے۔"

"کچھ نہیں ہوگا۔" ویرا مایوسانہ آواز میں بولی "سفارتی استثنا کی شناخت ہوجانے کے بعد اسے حراست میں نہیں رکھا جاتا۔ زیادہ سے زیادہ اسے ملک بدر کیا جاسکتا ہے۔ یہ بین الاقوامی سفارتی قانون ہے۔ اس کی گرفتاری سے عبداللہ کی رہائی ممکن نہیں ہوگی۔"

"مجھے ان باریکیوں کا علم نہیں ہے۔" اول خان نے جھنجلا کر کہا "مجھے اتنا معلوم ہے کہ جلال اپنے آدمی کی رہائی کے لیے کسی جوڑ توڑ میں لگا ہوا ہے۔"

عبداللہ کی گرفتاری کی بُری خبر کی صورت میں مجھے یہ معلوم ہوچکا تھا کہ جلال کس الجھن میں گرفتار تھا۔ میں نے خاموشی اختیار کرلی۔

شارع فیصل سے کارساز روڈ اور پھر نیشنل اسٹیڈیم سے ہوتے ہوئے ہم اپنے گھر پہنچ گئے۔ وہاں ایس بی ایف کا ایک سادہ پوش مگر مسلح سنتری پہرے پر مامور تھا جس نے اول خان کو دیکھتے ہی ہمارے لیے دروازہ کھول دیا۔

گھر کی حدود میں قدم رکھتے ہی مجھے نجات اور آزادی کا ایک عجیب سا احساس ہوا۔ یقین نہیں آرہا تھا کہ ہم دہلی میں اپنا خون آشام مشن مکمل کرکے اپنے ملک اور اپنے گھر میں واپس آچکے تھے۔ اس وقت وہ سب ایک خواب سا معلوم ہورہا تھا۔

"عبداللہ والی خبر سننے کے بعد تم اداس اور خاموش ہوگئے ہو۔" ڈرائنگ روم میں بیٹھنے کے بعد اول خان نے مجھے ٹوکا۔

"اداس ہی نہیں، میں اس جاں باز کے لیے دل گرفتہ ہوں۔" میں نے پرخیال آواز میں جواب دیا "آج کل کے دور میں اپنی جان کی پروا کیے بغیر مادر وطن کی خدمت کرنے

مندرجہ ذیل الفاظ کو امریکا میں خوبصورت، حسین اور خوشگوار ترین سمجھا جاتا ہے۔

مجھے تم سے محبت ہے۔

کھانا لگ چکا ہے۔

میں نے سب کچھ معاف کردیا۔

دوپہر تک پڑے سوتے رہو۔

ریزگاری تم رکھ لو۔

مندرجہ ذیل الفاظ کو امریکا میں سب سے ناگوار، دل شکن اور اداس کردینے والے سمجھا جاتا ہے۔

مجھے یہ خرید دو۔

کار میں پیٹرول ختم ہوگیا۔

بل ادا نہیں کیے جاسکے۔

رقم ناکافی ہے۔

صرف بیرونی استعمال کے لیے۔

Downloaded from https://paksociety.com

والوں کا کال ہے۔ اگر عبداللہ کو کچھ ہوا تو اس کا بوجھ میں اپنی گردن پر بھی محسوس کروں گا۔"

"تمہاری گردن اتنی مضبوط نہیں ہے کہ تم اس پر دنیا جہان کا بوجھ لادتے پھرو۔" ویرا نے قدرے ترشی سے کہا "سارا قصور اس کا ہے۔ جان اسمتھ جہنم واصل ہو چکا تھا تو عبداللہ وہاں کیا کرنے گیا تھا۔ اب جلال کو اپنے آدمیوں سے کہہ دینا چاہیے کہ وہ نرپش اور انل کے گھروں کے چکر لگانا شروع نہ کردیں۔ ان دونوں کی کلبلاتی ہوئی بدروحیں ایک عذاب بن کر آئی بی کے رہے سہے دونوں آدمیوں کو بھی نگل سکتی ہیں۔"

"وہ تفریح یا خودکشی کے ارادے سے وہاں نہیں گیا ہوگا۔" میں نے ویرا کو سرد نگاہوں سے گھورتے ہوئے کہا "میں ان تینوں کے بارے میں ایسی تلخ اور ناروا زبان برداشت نہیں کرسکتا۔ وہ تینوں اپنے کاز کے لیے مرمٹنے کے جذبے سے دہلی میں رہ رہے ہیں۔ عبداللہ کسی کام سے ہی وہاں گیا ہوگا۔"

"تم دونوں عورتوں کے لوٹ آنے سے یہ گھر دوبارہ آباد ہوگیا ہے۔ کچن میں ضرورت کی ہر چیز موجود ہے۔ جلدی سے چائے لے آؤ۔" اول خان نے دخل اندازی کی۔

اس کی فرمائش پر ویرا نے ملتجی نظروں سے غزالہ کی طرف دیکھا اور غزالہ نے جھٹ اپنی نظریں ایک تصویر پر مرکوز کردیں۔

ناچار ویرا کو ہی باورچی خانے کا رخ کرنا پڑا۔ وہ برا سا منہ بنا کر زیرلب کچھ بڑبڑا رہی تھی۔

دہلی میں پچھلے چند دنوں میں جو کچھ ہوا' اس کا نچوڑ اول خان کے علم میں تھا مگر وہ یہ جاننے کے لیے بے چین تھا کہ ہم نے وہاں کے بدترین مخاصمانہ ماحول میں وہ بڑی بڑی کامیابیاں کیسے حاصل کرلیں۔ واقعات کے دھارے سے الگ ہو کر وہ نتائج حیران کن ہی نہیں' محیر العقول نظر آتے تھے۔ ہماری کامیابیوں میں بعض چھوٹی چھوٹی جزئیات نے بہت اہم کردار ادا کیا تھا جنہیں الگ سے یاد کرکے بیان کرنا ممکن نہیں تھا۔

میں نے اول خان کی تسلی کے لیے جستہ جستہ نکات پر اس کے لیے سوالوں کے جوابات دینے شروع کردیے۔

ویرا بھارت میں ہماری ہم سفر ضرور رہی تھی لیکن دہلی میں حفاظتی نکتہ نظر سے اسے ہم دونوں سے بالکل الگ تھلگ رہنا پڑا تھا۔ وہاں اس سے ہمارا گہرا رابطہ بھی نہیں رہا تھا اس لیے اس کی ذہنی کیفیت اول خان سے بہت زیادہ مختلف نہیں تھی۔ اس نے لاہور میں ایک رات کے قیام کے دوران میں بہت کچھ جان لیا تھا مگر پھر بھی اس کی تشفی دور نہیں ہوئی تھی۔ وہ چائے کی ٹرے لا کر جلد ہی ہماری گفتگو میں شامل ہوگئی۔

"را والے مٹی کے مادھو نہیں ہیں۔" چائے نوشی کے دوران میں دہلی کے واقعات کے بارے میں باتیں کرتے ہوئے مظہر خان کا ذکر نکلا تو ویرا نے کہا "تمہارے ستارے یاوری کررہے تھے۔ آئی بی والے پس پردہ رہ کر تمہاری بھرپور مدد کررہے تھے۔ تمہاری مکاری کی وجہ سے رینا بلاوجہ تمہارے احسان کے بوجھ سے جھکی ہوئی تھی۔ تم ایک کے بعد دوسری کامیابی حاصل کرتے چلے گئے۔ حد یہ ہے کہ را کے رسوائے زمانہ اور خطرناک ترین ایجنٹ' ناگر کی قتل پر پردہ پڑ گیا اور وہ اپنے کسی چھوٹے بڑے کو اعتماد میں لیے بغیر آگ میں کود پڑا اور تمہارے ہاتھوں مارا گیا۔ اس کی جلی ہوئی لاش نے معاملہ بہت الجھا دیا ورنہ تمہارا کھیل وہیں ختم ہوجاتا....."

"اس تقریر سے تم کیا ثابت کرنا چاہ رہی ہو۔" سلطان شاہ نے اس کی بات کاٹ کر بیزاری سے پوچھا۔

"را والوں کا دماغ چل پڑا ہے۔" ویرا نے چند ثانیوں تک اسے گھورنے کے بعد اپنی بات جاری رکھی "اب وہ تمہاری کارروائی کے بخیے ادھیڑ ڈالیں گے۔ اس کا پہلا ثبوت یہ ہے کہ انہوں نے مظہر خان اور غزالہ کے جوڑے کی تلاش شروع کردی ہے۔"

"اگر تم یہ کہنا چاہ رہی ہو کہ ڈینی کے ستارے گردش میں آگئے ہیں تو آنے دو۔ اس سے کوئی فرق نہیں پڑے گا۔ جب تک یہ لوگ بھارت میں تھے' انہیں ہر بات کی فکر تھی۔ پاکستان آنے کے بعد یہ ہر فکر سے بے نیاز ہوچکے ہیں۔"

"یہاں را والوں کے اپنے آدمی ہیں۔ ان کے زرخرید مخبر بھی ہوسکتے ہیں۔" ویرا نے سگریٹ سلگا کر گہرا کش لینے کے بعد جواب دیا "وہ ذرا سی محنت کرکے یہ کھوج نکال لیں گے کہ مظہر خان نے کبھی پاکستان سے باہر قدم نہیں نکالا تھا۔ اس کے نام اور جعلی پاسپورٹ پر کسی اور نے بھارت کا سفر کیا تھا۔"

"سفر اور اس کے مقاصد پورے ہوگئے۔ اب یہ ساری تگ و دو سانپ گزرنے کے بعد لکیر پیٹنے کے مترادف ہوگی۔" میں نے ہنس کر ویرا کو جواب دیا اور پھر ایک فوری خیال کے تحت چونک کر اول خان کی طرف متوجہ ہوگیا "میری اس مہم کی کامیابی کا سنگِ بنیاد تم نے جانے سے پہلے کراچی میں رکھ

Downloaded from https://paksociety.com

دیا تھا۔"

"تم کہہ رہے ہو تو درست ہی کہہ رہے ہوگے۔" اول خان نے سرسری انداز میں جواب دیا۔

"جانے سے پہلے مجھے اندازہ نہیں تھا کہ میرا پاسپورٹ اس قدر اہمیت اختیار کرجائے گا۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "راولوں نے مجھے ایک دل پھینک پاکستانی سمجھ کر میرے اوپر ہاتھ ڈالا تھا۔ اگر پاکستان سے میرے سفری کوائف کی تصدیق نہ ہوتی تو وہ میری طرف سے اپ سیٹ جاتے اور مجھ پر اعتبار کرنے کے بجائے مشتبہ سمجھ کر پکڑ لیتے۔ کیا اس وقت تمہارے ذہن میں یہ بات تھی کہ میرے پاسپورٹ کے اندراجات حقیقت سے قریب ہوں۔"

"پاکستان اور بھارت کی روایتی دشمنی ہر وقت میرے پیش نظر رہتی ہے۔" اول خان نے پہلو بدل کر جواب دیا "تم ایک خاص مشن پر بھارت جارہے تھے۔ میرے ذہن میں یہ خوف سوار تھا کہ اپنا کام کرنے کے دوران میں بھارتی پولیس یا کسی اور خفیہ ایجنسی کے ہاتھ لگ گئے تو کیا ہوگا۔ اس اندیشے کی وجہ سے میں نے مظہر خان کو تلاش کرلیا تھا۔"

"وہ کون ہے اور کہاں ہے؟" میں نے متجسس ہوکر سوال کیا۔

"یہ مجھ سے پوچھو۔ وہ حقیقی وجود رکھتا ہے اور اس وقت گدھے کے سر سے سینگوں کی طرح غائب ہے۔" سلطان شاہ نے اپنے سینے پر ہاتھ مار کر جواب دیا۔

"یہ کیا حماقت تھی کہ اس کے کوائف کی اکلوائری کرنے والے کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے تھے؟" میں نے ترشی سے پوچھا۔

"بس، معاملہ تازہ تھا۔ تمہاری مخدوش پوزیشن کا علم ہوتے ہی میری کھوپڑی سنک گئی۔" اس نے خفت آمیز ہنسی کے ساتھ کہا۔

"تمہاری اس کوشش کا کیا نتیجہ نکلا؟" میرے تیور مزید سخت ہوگئے۔

"اتنا پتا چلا کہ مظہر خان اپنا گھر مقفل کرکے کہیں چلا گیا ہے۔ اس کی چھان بین کرنے والے کا سراغ نہیں ملا۔"

"کراچی انسانوں کا ایک سمندر ہے۔ یہاں کسی بے نام نشان شخص کو تلاش کرنا ایسا ہی ہے جیسے سمندر میں گری ہوئی پانی کی ایک بوند کی تلاش میں جھک مارنا۔" ویرا نے سخت اور ناصحانہ انداز میں اس سے کہا "شاید تمہیں اس حقیقت کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔"

"کوئی مظہر خان کا دوست بن کر اس کے گھر پہنچا تھا اور

ارادہ

ایک صاحب غصے کے عالم میں گھر سے نکلے۔ ہاتھ دے کر ٹیکسی روکی اور اس میں بیٹھ گئے۔

"کہاں چلنا ہے جناب؟" ٹیکسی ڈرائیور نے پوچھا۔

"کسی اونچی پہاڑی پر لے چلو اور وہاں سے ٹیکسی سمندر میں گرادو .... میں خودکشی کرنا چاہتا ہوں" جواب ملا۔

پڑوسیوں سے اس کے بارے میں پوچھ گچھ کرکے چلا گیا۔" سلطان شاہ نے بتایا۔

"تم نے میرے سوال کا جواب نہیں دیا۔" میں نے اول خان سے مخاطب ہوکر دونوں کی بات کاٹ دی۔

"وہ مظہر خان ہے۔ اکیلا رہتا ہے اور پرانی گاڑیوں کی خرید و فروخت کا کام کرتا ہے۔ میں نے تمہیں کوئی غلط بات نہیں بتائی تھی۔"

"میری روانگی کے بعد وہ کہاں غائب ہوگیا اور اب وہ کہاں ہے؟"

"وہ اپنے اصلی پاسپورٹ کے ذریعے دبئی چلا گیا اور اب وہیں ہے۔ سال چھ مہینے سے پہلے اس کی واپسی کی امید نہیں ہے۔"

"میری وجہ سے تم نے اس بے چارے کو بلاوجہ دبئی کے تپتے ہوئے ریگ زار میں بھیج دیا!" میں نے حیرت سے پوچھا۔

"دبئی اب ریگستان نہیں، گل و گلزار بن چکا ہے۔ وہاں کی آسائشوں اور تفریح گاہوں کی کشش ہر سال یورپ سے لاکھوں سیاحوں کو وہاں کھینچ لاتی ہے۔" اول خان نے مسکراتے ہوئے میری معلومات میں اضافہ کیا "اسے میں نے کہیں نہیں بھیجا۔ وہ میرے گاؤں کا آدمی ہے۔ اس کا ایک رشتے دار دبئی میں پرانی گاڑیوں اور انجن والی کشتیوں کا

Downloaded from https://paksociety.com

کاروبار کرتا ہے۔ اس نے اپنی مدد کے لیے مظہر خان کو وہاں بلایا ہے۔ وہ وہاں سیٹ ہوگیا تو کراچی کا مکان بیچ دے گا اور وہیں رہ جائے گا۔ اس کی کہانی میرے ذہن میں تھی۔ تمہارے بھارت کا پروگرام بنا تو میں نے اسی کا نام استعمال کر ڈالا۔ غزالہ کو تمہاری بیوی بن کر سفر نہیں کرنا تھا۔ اس لیے میرا کام اور آسان ہوگیا۔ کسی اکیلے آدمی کے پاس پیسے کی فراوانی ہو تو وہ اپنا دل بہلانے کے لیے کسی کو بھی اپنا ہم سفر بنا سکتا ہے۔"

"ویری گڈ!" میں اول خان کی دور اندیشی کی داد دیے بغیر نہ رہ سکا۔ یہ اندیشہ نہیں تھا کہ بھارت سے میری واپسی کے بعد را کا کوئی مقامی ایجنٹ میرے دھوکے میں اصلی مظہر خان کو کوئی نقصان پہنچا سکے۔ وہ دبئی میں ہر خطرے سے محفوظ تھا۔

"بعض اوقات ذرا ذرا سی باتیں اچانک اہمیت اختیار کرلیتی ہیں۔" وہ بولا "میری کوشش ہوتی ہے کہ ہر وقت حقیقت سے قریب رہ کر چلوں۔"

"تم بھارت میں را والوں کی ایسی کی تیسی کر آئے۔ کلاسیکل ڈانس اکیڈمی پر کیچڑ اچھال کر انہیں ان کے ملک میں رسوا کردیا۔ اب کیا پروگرام ہے تمہارا؟" سلطان شاہ نے سوال کیا۔

"بس، تمہارے اور ویرا کے ہاتھ پیلے کرنے کی فکر ہے پھر تج کر کے گوشہ نشینی کی زندگی اختیار کرلوں گا۔" میں نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

میری بات پر ویرا اچانک بدک گئی۔ "میری نہیں، اپنے آوارہ سانڈ کی فکر کرو۔ اس کے ہاتھ پیلے بلکہ نیلے اودے کردو۔ میں شادی وادی کے جھنجٹ میں نہیں پڑوں گی۔"

"یہ مذاق کررہے ہیں۔ تم بلاوجہ سنجیدہ ہورہی ہو۔" غزالہ نے معصومانہ سنجیدگی سے چٹکی لی۔

"میں ایک مدت سے تم سب لوگوں کے تیور دیکھ رہی ہوں۔ تم لوگ مجھے بھی سلطان شاہ کی طرح اکیلا اور بے سہارا سمجھ کر مجھ پر ترس کھانے کی کوشش کرتے رہتے ہو۔ کان کھول کر سن لو کہ مجھے کسی کی ہمدردی کی ضرورت نہیں رہی۔ میں اپنی ذات میں انجمن ہوں...."

سلطان شاہ زور سے ہنس پڑا "بے بنیاد دعوے مت کرو۔ تم کو تین دفعہ تولا جائے تو مشکل سے ایک انجمن بنے گی۔ انجمن اپنی ذات میں ویرا ہو سکتی ہے۔ دوسری صورت ممکن نہیں ہے۔"

"تم نے پھر میرے منہ لگنے کی کوشش کی۔" ویرا اس پر غرائی۔

"ابھی تم مجھے کیا کہہ رہی تھیں؟ میں نے تمہیں کون سے سینگ مارے ہیں جو تم مجھے سانڈ بنا رہی تھیں۔"

"جس دن مجھے سینگ مارنے کی کوشش کی، سینگ توڑ دوں گی۔"

"اسی وقت فون کی گھنٹی بج اٹھی۔ میں نے ہاتھ اٹھا کر ان دونوں کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا اور ریسیور اٹھالیا۔

"کیا حال چال ہیں؟" ریسیور پر جلال کی تھکی تھکی آواز سن کر میں حیران رہ گیا۔

"تم اس وقت تھکے ہوئے معلوم ہورہے ہو۔ سنا ہے کہ اسلام آباد میں کسی مصروفیت نے تمہیں گھیر لیا ہے۔" میں نے کہا۔

نہیں، اب میں کراچی میں ہوں۔" جلال کی مضمحل آواز آئی۔

"اوہ! تم کب آئے۔ اس وقت کہاں ہو۔ میں تم سے ملنے کے لیے بے چین ہوں؟" میں نے اضطراری انداز میں کہا۔

"بنگلو کا خون شاید رنگ لا رہا ہے۔ کل رات تمہارا استقبال کرتے ہوئے میں خود کو بہت ہلکا پھلکا محسوس کررہا تھا کہ اب سکون کا سانس لینے کا موقع ملے گا لیکن پچھلی رات ہی دہلی سے پریشان کن خبریں آنا شروع ہوگئیں۔ میں عبداللہ کے لیے بہت پریشان ہوں۔"

"مقدر کے لکھے کو کوئی نہیں ٹال سکتا۔" میں نے ہمدردی کا اظہار کیا "وہ بہت پُرعزم اور جی دار لڑکا ہے۔ ساری صعوبتوں کو سہہ کر آخر کار سرخ رو رہے گا۔ اس کا معاملہ اب اللہ پر چھوڑ دو۔ اس کے بارے میں زیادہ فکرمند ہو کر ہم کچھ نہیں کرسکتے۔ اسے کس الزام میں پکڑا گیا ہے۔"

"ابتدا میں کوئی الزام نہیں تھا۔ وہ محض شبے میں پکڑا گیا تھا۔ تازہ ترین پوزیشن کے بارے میں، میں اندھیرے میں ہوں۔"

"وہ سمراٹ ہوٹل کی طرف گیا ہی کیوں تھا۔ وہ اس وقت تفتیشی ایجنسیوں کا گڑھ بنا ہوا ہوگا۔"

"کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ یہ بات وہ بھی جانتا ہوگا۔ کوئی مجبوری اسے وہاں لے گئی ہوگی۔ تم نے یہ نہیں پوچھا کہ میں کراچی کیوں آیا ہوں۔"

"کسی نہ کسی کام سے یا پھر ہم سے ملنے کے لیے آئے ہو گے۔" میں نے روا روی میں کہہ دیا۔

"را والوں کے ساتھ امریکی سی آئی اے بھی مل کر

Downloaded from https://paksociety.com

میدان میں آگئی ہے' انہیں ڈینی اور مظہر خان کی تلاش ہے۔"

جلال کا وہ انکشاف خطرناک تھا "را اور سی آئی اے کا اشتراک پرانی بات ہے مگر اس وقت ان کا یک جا ہونا ہمارے لیے سخت خطرناک ہے۔" میں نے اپنے دل کی گہرائیوں میں جنم لینے والے اندیشے کو بلا کم و کاست الفاظ کے روپ میں ڈھال دیا۔

"آج شام چار بجے مجھے ایک اہم اجلاس میں شرکت کرنی ہے۔" جلال نے اطلاع دی "سی آئی اے کا ایک ڈپٹی ڈائریکٹر اس اجلاس میں شرکت کے لیے استنبول سے کراچی پہنچ رہا ہے۔ اس بار ان کے تیور جارحانہ نظر آرہے ہیں۔"

"تم پہلے ہی محتاط تھے۔" میں نے بے ساختہ کہا "تم نے کل رات کہہ دیا تھا کہ ذاتی طور پر پاکستان کا ہر انتظامی افسر ہمارا خیر خواہ اور دعا گو ہے لیکن سرکاری سطح پر ہمیں کہیں کوئی سرپرستی نہیں مل سکے گی۔ مجھے اندازہ ہے کہ اس اجلاس میں تم کھل کر میرا دفاع نہیں کر سکو گے۔"

"میں مخمصے میں پڑ گیا ہوں۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ شام کو کیا ہوگا۔"

"اپنے ذہن پر زیادہ زور نہ دو۔ اپنی پوزیشن کا دفاع کرتے ہوئے تم جہاں تک انہیں چکر دے سکتے ہو' دیتے رہو۔ تمہارے سر پر کوئی عذاب آنے لگے تو جو چاہو کر گزرنا۔ مجھے تم سے کوئی شکوا نہیں ہوگا۔ بس اتنی گزارش ضرور ہے کہ مجھے اجلاس کے نتیجے سے آگاہ کر دینا تاکہ میں اپنے بچاؤ کا بندوبست کر سکوں۔"

"میری اس کال کا مقصد بھی یہی ہے کہ تم فوری طور پر زیر زمین چلے جاؤ۔ کسی کو یہ بھنک نہیں ملنی چاہیے کہ تم بھارت سے لوٹ آئے ہو۔"

"فکر نہ کرو۔ یہ بات میں سمجھ چکا ہوں۔" میں نے اسے اطمینان دلایا اور پھر چونک کر کہا "رات تم نے جو چیک دیا تھا' وہ ہم نے شکریے کے ساتھ قبول کر لیا ہے۔"

"اس کے لیے تمہیں کسی کا شکر گزار ہونے کی ضرورت نہیں۔ وہ تمہارا واجب الادا قرض تھا جو سیکرٹ فنڈ سے خاموشی سے لوٹا دیا گیا۔ اس سرکاری فنڈ کا کوئی باضابطہ حساب رکھا جاتا ہے نہ اس کا آڈٹ ہوتا ہے۔ مجاز اتھارٹی اپنی صوابدید کے مطابق ہر حق دار کو ادائیگی کرتی ہے اور بس!"

"مجاز اتھارٹی کو الہام نہیں ہوتا۔ کوئی نہ کوئی اس کی مدد کرتا ہوگا۔ تم نے ہماری نشان دہی کی۔ اس کے لیے میں تمہارا شکر گزار ہوں۔"

غلط فہمی

ہالی ووڈ میں ایک چھوٹی اداکارہ کو ایک فلم میں اہم رول مل گیا۔ فلم میں اس کی "کامن لا میرج" ہو چکی تھی۔ اداکارہ اپنے رول کو صحیح طور پر سمجھ نہیں پا رہی تھی۔ آخر ڈائریکٹر سے ایک طرف لے گیا اور بولا "تمہیں معلوم ہے کامن لا میرج کسے کہتے ہیں؟"

اداکارہ نے نفی میں سر ہلایا تو ڈائریکٹر بولا "اس میں مرد اور عورت بالکل میاں بیوی کی طرح رہتے ہیں لیکن کاغذات میں اس شادی کا اندراج نہیں ہوتا اور قانونی طور پر دونوں کسی قسم کے حقوق کے پابند نہیں ہوتے۔"

"اوہ.... اچھا...." اداکارہ کھل اٹھی "میں سمجھتی تھی اسے مشکل کہتے ہیں۔"

"یہ سب لوگوں کے لیے نہیں ہے۔ یہ صرف تمہارا حق یا انعام ہے۔" جلال نے زور دے کر کہا۔

"ایک ہی بات ہے۔" میں نے وہ تذکرہ وہیں گول کر دیا۔ میں نے کن انکھیوں سے ان چاروں کی طرف دیکھا تو ان کے چہرے کھلے ہوئے تھے۔ ویرا سب سے زیادہ خوش تھی کہ میں نے اس کا مشورہ مان کر جلال کا دیا ہوا وہ چیک قبول کر لیا تھا جو اس وقت تک کیش نہیں کرایا گیا تھا۔

"آج لاہور چھوڑنے سے پہلے تم میں سے کوئی نیشنل بینک گیا نہ تم نے وہ چیک میرے کسی آدمی کو دیا۔" جلال فون پر کہہ رہا تھا "اسے پہلی فرصت میں کیش کرا لینا کیونکہ فنڈ کا سارا انحصار بینک اسٹیٹ منٹ پر ہوتا ہے۔ چیک تمہاری جیب میں پڑا رہا تو بیلنس کی رقم کہیں اور کام آجائے گی۔"

"اس سنہرے مشورے کے لیے تمہارا مزید شکریہ!" میں نے ہنس کر کہا۔

اس وقت جلال اپنی الجھنوں میں گرفتار تھا جن کا تعلق ہم لوگوں کی سلامتی سے بھی تھا۔ وہ گفتگو زیادہ دیر تک جاری نہ رہ سکی اور فون کا سلسلہ منقطع ہو گیا۔

فون پر میری یک طرفہ گفتگو سن کر ان چاروں نے اندازہ لگا لیا تھا کہ جلال سے میری بات چیت کا موضوع

Downloaded from https://paksociety.com

خوشگوار نہیں تھا۔

"کیا کوئی نیا مسئلہ کھڑا ہوگیا؟" سوال کرنے میں ویرا نے پہل کی تھی۔

"وہی پرانا مسئلہ ہے۔ میرے خلاف امریکی ایک بار پھر سرگرم ہورہے ہیں۔ آج شام سی آئی اے کا کوئی ڈپٹی ڈائریکٹر کراچی پہنچنے والا ہے۔ دیکھنا ہے کہ وہ کیا شگوفے کھلاتا ہے۔ ہم لوگ بے فکری سے کبھی بھی وقت نہیں گزار سکتے۔"

"امریکی بدمعاش ہیں۔" ویرا برہم ہو کر بولی "پاکستانی افسروں کو انہیں کورا جواب دے دینا چاہیے۔ ان میں ہمت ہے تو وہ خود ڈینی کو تلاش کرکے پکڑلیں۔ اس معاملے میں پاکستان ان کی کوئی مدد نہیں کرسکتا۔"

"ملزموں کے بارے میں رائے عامہ کتنی ہی ہمدردانہ کیوں نہ ہو' سرکاری سطح پر ایسا رویہ اختیار کرنا ممکن نہیں ہے۔ ایک ملک کے ملزموں کو دوسرے ملکوں میں پناہ ملنے لگے تو یہ دنیا جرائم سے بھرے ہوئے ایک خوفناک جنگل میں تبدیل ہوجائے۔"

"لیکن ڈینی پر کیا الزام ہے؟" ویرا جوش میں آگئی "اپنے ملک اور معاشرے کے دشمنوں کو چن چن کر مارنا اگر جرم ہے تو یہ جرم ہر محب وطن شہری کرسکتا ہے۔"

"مجھ سے بحث نہ کرو۔ میں خود نئی اطلاع سے پریشان ہوں۔ امریکیوں کو سمجھانا اتنا آسان نہیں ہوگا۔"

اول خان یا اس کی اسپیشل ٹاسک فورس کے پاس بھی اس مسئلے کا کوئی حل نہیں تھا۔ خاصی دیر تک اس مایوس کن صورت حال پر تھکے تھکے انداز میں بات ہوتی رہی لیکن کوئی نتیجہ برآمد نہیں ہوسکا۔ مجھے یقین تھا کہ سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر کراچی میں ہونے والے اجلاس میں اس خواہش کا اظہار کرے گا کہ پاکستانی حکام ڈینی کو تلاش کرکے امریکیوں کے حوالے کردیں تاکہ وہ گن گن کر مجھ سے اپنے بدلے چکا سکیں۔

چلتے وقت میں نے دس لاکھ روپے کا چیک اول خان کو دے دیا۔ وہ ایسے وسائل رکھتا تھا کہ کراچی میں بیٹھے بیٹھے لاہور کے بینک سے وہ رقم حاصل کرسکے۔

اول خان کو رخصت کرکے ہم چاروں ایک مرتبہ پھر سر جوڑ کر بیٹھ گئے۔

○☆○

کراچی کے کمشنر ہاؤس کے ایک سجے سجائے اور آراستہ کمرے میں بڑی سی میز کے پیچھے پانچ ادھیڑ عمر اور سنجیدہ افراد گمبھیر چہروں کے ساتھ خاموش بیٹھے سگریٹ نوشی میں مصروف تھے یا پھر اپنے سامنے کھلے ہوئے کاغذوں میں سر کھپا رہے تھے۔ ان ہی میں جلال بھی تھا جو شاید عمر میں سب سے چھوٹا تھا۔ ان سب کے سامنے چائے یا کافی کی پیالیاں رکھی ہوئی تھیں۔

وہ بظاہر کھانے کی میز نظر آرہی تھی۔ جس کے گرد بارہ نفوس کے بیٹھنے کی گنجائش تھی۔ سات کرسیاں اس وقت خالی پڑی ہوئی تھیں۔

کمشنر ہاؤس کی عمارت کے گرد اس شام غیر معمولی حفاظتی بندوبست کیا گیا تھا۔ معمول کے مطابق ڈیوٹی انجام دینے والے مسلح پولیس گارڈز کے علاوہ رینجرز کا ایک دستہ بھی تھوڑے تھوڑے فاصلے سے عمارت کے گرد پہرے پر مامور تھا۔ وہ اہتمام دیکھ کر دور ہی سے اندازہ لگایا جاسکتا تھا کہ عمارت میں کوئی خاص کام سرانجام دیا جارہا تھا۔

"اس سے پہلے بھی امریکی آتے جاتے رہے ہیں۔ وہ اپنے پورے وسائل کے ساتھ ڈینی کی تلاش میں مصروف ہیں مگر انہیں اپنی کوششوں میں ذرا بھی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔" ملٹری انٹیلی جنس کے کرنل شعبان نے سگار کا دھواں اڑاتے ہوئے نرم اور متحمل لہجے میں کہا "اب وہ ہم سے کیا چاہتے ہیں۔"

"ایم آئی اس بارے میں کچھ نہیں کرسکتی۔" فیڈرل انوسٹی گیشن ایجنسی کے شاہد رانا نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دیتے ہوئے کہا "اس معاملے میں صرف سویلین ادارے ہی کچھ کرسکتے ہیں لیکن پھر بھی یہاں پانچ اداروں کے سینیر نمائندوں کی موجودگی ضروری سمجھی گئی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ امریکی اب بڑے پیمانے پر کام کا آغاز کرنا چاہتے ہوں۔"

"امریکی اپنی دانست میں ہر کام کا آغاز بڑے پیمانے پر کرتے ہیں۔" انٹر سروسز انٹیلی جنس کے کرنل غفور نے قدرے بیزاری سے کہا "یہ اور بات ہے کہ ان کے شروع کیے ہوئے بیشتر کاموں کا انجام پھس پھسا اور بے معنی ہوتا ہے۔"

تقریباً سب کے ہونٹوں پر دبی دبی مسکراہٹ پھیل گئی۔ کراچی کے آئی جی نے بات آگے بڑھائی "شاید دہلی کے واقعات نے انہیں پریشان کردیا ہے۔ وہاں کے ایک فائیو اسٹار ہوٹل میں جان اسمتھ کا قتل کوئی معمولی واقعہ نہیں ہے۔"

"جان اسمتھ یہاں نہیں مرا۔" کرنل شعبان نے تیکھے لہجے میں کہا "یہاں سے وہ اپنے پیروں سے چل کر دہلی گیا تھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

ر وہاں مارا گیا ہے۔ امریکیوں کو اگر کچھ کرنا ہے تو انہیں دبلی جانا چاہیے۔ یہاں آکر وہ اپنا اور ہمارا وقت برباد کریں گے۔ انہیں کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ میری ایجنسی ڈیتی کے بارے میں کچھ نہیں جانتی۔"

"اس کے بارے میں ہمارا ریکارڈ بھی بے داغ ہے۔" شاہد نے مسکراتے ہوئے کہا "جلال کی خاموشی سے ظاہر ہو رہا ہے کہ آئی بی والوں کو اس کی کچھ خیر خبر ہے۔"

"کیوں جلال! تم کیوں خاموش ہو؟" کرنل غفور نے جلال کو ٹوکا۔ وہ پانچوں ایک دوسرے کے پرانے شناسا اور آپس میں کسی حد تک بے تکلف نظر آرہے تھے۔

"میں خاموش نہیں ہوں۔ کچھ سوچ رہا ہوں۔" جلال نے مسکراتے ہوئے اپنا دفاع کیا۔

"ذرا بلند آواز میں سوچو تاکہ ہمیں بھی کچھ معلوم ہو سکے۔" آئی جی نے لقمہ دیا اور سب ہنس پڑے۔

"حیرت ہے!" کرنل غفور نے چونک کر کہا "آج یہاں اسپیشل ٹاسک فورس کا کوئی نمائندہ نظر نہیں آرہا۔"

"یہ کون سی فورس ہے؟" کرنل شعبان نے معصومانہ سادگی سے پوچھا۔

"اوہ... کم آن یار کرنل!" آئی جی نے میز پر ہاتھ مار کر کہا "اب اتنے بھولے نہ بنو..."

کرنل شعبان نے اس کی بات کاٹ دی "جس چیز کا ہمارے ریکارڈ پر کوئی وجود نہ ہو۔ اس کے بارے میں انجان ہی رہنا ہی سود مند ثابت ہوتا ہے۔ جس طرح ہم ڈیتی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اسی طرح ایس ٹی ایف کے وجود سے بھی بے خبر ہیں۔"

"میں اس میٹنگ میں نہیں تھا مگر میں نے سنا ہے کہ کافی عرصہ پہلے امریکیوں سے ہونے والی ایک میٹنگ میں ایس ٹی ایف کا اول خان اپنے ایک مشتبہ ماتحت کے ساتھ شریک ہوا تھا۔" کرنل شعبان نے اپنے ذہن پر زور دیتے ہوئے کہا۔

"تم ٹھیک کہہ رہے ہو۔" جلال نے اس کی تائید کی "امریکی ان دنوں ایس ٹی ایف کے بارے میں بہت زیادہ حساس ہو رہے تھے۔ ان کی فرمائش پر مجبور ہو کر ایس ٹی ایف کے نمائندوں کو بلایا گیا تھا۔ وہ میٹنگ قطعی آف دی ریکارڈ تھی۔"

"وہ میٹنگ آف دی ریکارڈ تھی تو تمہیں اس کا حوالہ نہیں دینا چاہیے۔" کرنل غفور نے جلال کو یاد دلایا۔

جلال کھسیائے ہوئے انداز میں مسکرا کر رہ گیا۔ اسے علم تھا کہ اس وقت وہ اپنے شعبوں کے تجربے کار ماہرین کے درمیان موجود تھا۔ اگر وہ کوئی دلیل دینے کی کوشش کرتا تو اس کے ساتھ عذر گناہ بدتر از گناہ والا معاملہ پیش آسکتا تھا۔ وہ چاروں مل کر اس کی ٹانگ کھینچنا شروع کر دیتے۔

"جان ایش کوف یہاں کتنے دن قیام کرے گا۔" شاہد رانا نے پوچھا۔

"پتا نہیں۔ ہمیں صرف آج کی میٹنگ میں اس سے ملنا ہے۔ اس کے بعد وہ یہاں رہے یا چلا جائے۔ یہ ہمارا دردِ سر نہیں ہوگا۔" کرنل شعبان نے بتایا۔

گھڑی کی سوئیاں چار بجنے کا اعلان کر رہی تھیں۔ وہ پانچوں اپنے مہمان کا استقبال کرنے کے لیے مقررہ وقت سے چند منٹ پہلے وہاں پہنچ گئے تھے۔ چند منٹ بعد کمشنر ہاؤس کے دراز قامت اور باوردی دربان کے ساتھ دو امریکی اس کمرے میں داخل ہوئے۔ دربان انہیں پہنچا کر دروازے سے ہی لوٹ گیا۔

امریکیوں نے دور ہی سے ہیلو ہائے کے گرم جوش نعرے بلند کیے۔ وہ دونوں اس اجلاس کے بیشتر شرکا سے ذاتی واقفیت رکھتے تھے۔ شاید اپنی اپنی پیشہ ورانہ سرگرمیوں کے

سچائی

کچھ لوگوں کا خیال ہے اچھی عائلی زندگی کے لیے ضروری ہے کہ میاں بیوی ایک دوسرے کو اپنا ماضی بتادیں۔ ایک میاں نے سچ بولتے ہوئے بیوی کو بتادیا کہ میں ایک سائیکاٹرسٹ کے پاس جاتا رہا ہوں تو اس کی بیوی نے بھی بتادیا کہ وہ بھی ایک سائیکاٹرسٹ، ایک جرنلسٹ، دو انجینئروں اور ایک بزنس مین کے پاس جاتی رہی ہے۔

(خوشاب سے شان وشوکت کا تحفہ)

Downloaded from https://paksociety.com

سلسلے میں ان کی باہمی ملاقاتیں بھی ہوتی رہتی تھیں۔ امریکیوں کی طرف سے گرم جوشی کے اظہار کے نتیجے میں انہیں پُرتپاک انداز میں خوش آمدید کہا گیا۔ کرنل شعبان نے جان اور لیری کا جلال سے تعارف کرایا۔ جان سی آئی اے کا ڈپٹی ڈائریکٹر تھا اور لیری اس کا چیف کلرک۔

وہ دونوں اپنی جگہیں سنبھال رہے تھے کہ کمشنر ہاؤس کا باوردی خانساماں چائے اور دیگر لوازم کی ٹرالی لے آیا۔ اس نے میز پر سے خالی پیالیاں اٹھائیں اور پھر ٹرالی پر سے سامان اتار کر میز پر سجانے میں مصروف ہو گیا۔ جب تک ساتوں افراد کو ان کی پسند کے مطابق چائے یا کافی پیش کی گئی' ذاتی مزاج پرسیوں اور خوش گپیوں کا سلسلہ چلتا رہا۔ ملازم کے واپس جانے کے بعد اس کمرے کی فضا یکایک تبدیل ہو گئی۔

"دہلی میں جان اسمتھ کے روح فرسا قتل کی خبر تم لوگوں نے سن لی ہوگی۔" جان ایش کوف نے چند ثانیوں کے سکوت کے بعد بات شروع کی "میں اس کے قاتل کی تلاش کے مشن پر نکلا ہوں اور مجھے امید ہے کہ اپنے دوستوں کے تعاون سے ہم اس مہم میں کامیابی حاصل کرلیں گے۔"

"جان اسمتھ کو مرے ہوئے کئی دن گزر چکے ہیں۔" کرنل شعبان نے رسانیت سے کہا "تمہاری اب تک کی پیش رفت کیا ہے۔"

"کل تک ہم اندھیرے میں ہاتھ پیر مار رہے تھے۔ کل انڈین سیکرٹ سروس نے کچھ سراغ فراہم کیے ہیں۔ بھارت میں ڈپٹی سرگرم عمل ہے۔ اس کی موجودگی کا سب سے بڑا ثبوت بیم گن کا استعمال ہے۔ اس نے را کے ایک ذمے دار افسر کو بیم گن سے ہلاک کیا ہے۔"

"تو یوں کہو کہ تمہیں را کے مجرم کی تلاش ہے۔" شاہد نے وقفہ پا کر کہا۔

"نہیں۔ اس واردات سے کچھ دیر پہلے را کے ایک کلیدی عہدے دار کو زہر کی سوئی استعمال کرکے ٹھکانے لگایا گیا تھا۔" جان نے اپنی بات جاری رکھی "ان دونوں مقامات پر بقیہ افراد پر ایسی سریع الاثر سوئیاں استعمال کی گئیں جن کے ذریعے جسم میں اترنے والا مواد انسان کو کئی گھنٹوں کی طویل مدت کے لیے بے حس و حرکت کردیتا ہے۔ اس سراغ سے یہ ثبوت مل گیا ہے کہ بیم گن اور زہریلی سوئیوں سے ہونے والی اموات میں ڈپٹی ملوث ہے۔"

"تم نے اب تک جان اسمتھ کے بارے میں کچھ نہیں بتایا۔ ہمیں را والوں کے انجام سے زیادہ ہمدردی نہیں ہے۔" کرنل شعبان نے کہا۔

"سچ پوچھو تو را کے دو افسروں کے مختلف انداز میں مارے جانے سے مجھے خوشی ہوئی ہے۔" جان نے بے لاگ انداز میں کہا "اسی کے بعد ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ دہلی میں ہونے والی ساری وارداتوں میں ڈپٹی کا ہاتھ ہے۔ جان اسمتھ کو ڈپٹی اور ویرا نے ایک سازش کے ذریعے مارا تھا۔"

"تم نے اتنا بڑا نتیجہ اتنی آسانی سے کیسے اخذ کرلیا؟" کرنل غفور نے چبھتے ہوئے لہجے میں پوچھا۔

"میں ابتدا سے بتاؤں تو زیادہ بہتر ہوگا۔ جان اسمتھ کے فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر کو سننے کے بعد پتا چلا ہے کہ ویرا فون پر آوازیں بدل بدل کر مجنونانہ انداز میں جان کو دھمکیاں دے رہی تھی کہ وہ بہت جلد اس کا نوحہ اخبار دے گی اور اسے مار دے گی۔ وہ نیم پاگل اور مہم پسند لڑکی ہے۔ قتل و غارت گری ہمیشہ اس کا شوق رہا ہے۔ جان خوف زدہ ہو کر چھٹی پر دہلی چلا گیا وہاں شاید ڈپٹی بھی اس کے پیچھے پیچھے پہنچ گیا۔" جان ایش کوف نے چائے کا ایک گھونٹ لے کر اپنا گلا تر کیا اور پھر تفصیل بتانے لگا "ڈپٹی نے زہریلی سوئی استعمال کرکے جان کو اس کے ہوٹل کے کمرے میں مار ڈالا۔ وہ طریقہ نیا تھا اس لیے ہم بھٹکتے رہے لیکن کل علی الصباح انل اور نریش کی لاشیں ملنے کے بعد را والوں نے زبردست کارکردگی دکھائی اور پتا چل گیا کہ ڈپٹی بھارت میں اپنے عزائم پورے کرنے کے لیے بیم گن کے ساتھ زہریلی سوئیاں بھی استعمال کر رہا ہے۔"

جلال کے سوا بقیہ چاروں افراد کے لیے وہ بالکل نئی کہانی تھی۔ وہ توجہ سے جان کی بات سنتے رہے۔

"یہ براہِ راست ثبوت نہیں ہے پھر بھی یہ تعین ہو جاتا ہے کہ جان کا قاتل کس فریق سے تعلق رکھتا تھا۔" کرنل شعبان نے کہا۔

"آج صبح سویرے ایک سرحدی مقام پر پاکستانی فوج نے تین بھارتیوں کی لاشیں بھارتی فوج کے حوالے کی ہیں۔" جان نے پیالی سے چائے کا دوسرا گھونٹ لینے کے بعد بات جاری رکھی "وہ تینوں بھارتی ہیں۔ ایک امرتسر کا غنڈا ہے۔ دو بھارتی فوجی ہیں۔ فوجیوں کو بیم گن سے مارا گیا ہے۔ غنڈے کو اس کی پیک اپ میں مارا گیا ہے۔ وہ مشتبہ انداز میں سرحدی علاقوں کا سفر کرتا رہتا تھا۔ یہ سمجھ میں نہیں آتا کہ وہ اپنی گاڑی میں بھارتی فوجیوں کی لاشیں لے کر پاکستان کیوں آیا تھا۔"

"یہ سب واقعات بھارت میں ہوئے۔" جلال نے قدرے مضطرب ہو کر اپنی کرسی پر پہلو بدلتے ہوئے کہا "مجھے

Downloaded from https://paksociety.com

اطلاع ملی ہے کہ سرحد پر ایسا واقعہ ہوا ہے۔ اس کی تفتیش کے لیے تمہیں بھارت کا رخ کرنا چاہیے تھا۔ تم یہاں کیوں آئے ہو؟"

"یہ واشنگٹن کا فیصلہ ہے۔" جان نے اپنا رخ جلال کی طرف گھمالیا "بھارتی ابھی کسی نتیجے پر نہیں پہنچے لیکن ہمیں ڈینی کا ٹریک مل گیا۔ جب تک وہ دہلی میں رکا رہا' زہر میں بجھی ہوئی سوئیاں یا زہریلا انجیکٹ کرنے کا طریقہ استعمال کرکے اپنے حریفوں کو قتل اور بے ہوش کرتا رہا۔ شاید دہلی کے ہوٹلوں میں ٹھہرے ہوئے کسی مشتبہ فرد کی تلاش میں ڈیوڈ نامی پولیس افسر نے اس کی کسی دکھتی رگ پر ہاتھ ڈال دیا تھا۔ وہ بھی بدن میں زہر سرایت ہونے کی وجہ سے مرگیا۔ ڈینی خاموشی سے اپنا کام کرتا رہا۔ دہلی کی انتظامیہ اس کے وجود سے بے خبر رہی۔ اپنے قیام کے آخری مرحلے پر اس نے نریش کو مارا تو فاتحانہ انداز میں اپنی موجودگی کا اعلان کرنے کے لیے بیم گن استعمال کرڈالی۔ یہ ہر بڑے مجرم کی نفسیات ہوتی ہے کہ اسے اس کے کارناموں سے پہچانا جائے۔ ڈینی اس مقصد میں کامیاب ہوگیا۔ اب پورے بھارت میں اس کی تلاش جاری ہے۔"

"اور تم اسے ڈھونڈنے کے لیے کراچی آئے ہو۔" جلال نے قدرے طنزیہ انداز میں کہا۔

"لینگلے میں سی آئی اے ہیڈ کوارٹرز میں بیٹھے ہوئے ماہرین نے ان تھک عرق ریزی کے بعد مجھے یہاں بھیجنے کا فیصلہ کیا ہے جس کی منظوری صدر نے دی ہے۔" جان نے فخر آمیز لہجے میں بتایا "ان کی متفقہ رائے ہے کہ بھارت میں اب ڈینی کا سایہ بھی نہیں مل سکے گا۔ انل اور نریش کو مارنے کے بعد ڈینی امرتسر پہنچا اور مقامی غنڈے کے ذریعے سرحد پار نکل گیا۔ اس کی گاڑی کو راستے میں روکنے کی کوشش کی گئی ہوگی مگر اس نے مزاحم ہونے والے دونوں فوجیوں کو بیم گن سے اڑا دیا۔ ان کی لاشیں پک اپ میں لادیں اور اپنا سفر جاری رکھا۔"

"وہ پک اپ چلانے والا بنگو نامی بدمعاش پاکستانی فوج کی فائرنگ سے مرا ہے۔" جلال نے زور دے کر کہا "ڈینی اس پک اپ میں تھا تو وہ کہاں گیا۔"

جلال کا ذہن اس وقت پوری سرعت سے کام کررہا تھا۔ جان کی تفتیشی کہانی سن کر اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہوگئی تھیں اور گلا خشک ہونے لگا تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ پاکستان اور بھارت کی سرحد سے ہزاروں میل دور' فیڑ فیکس کے لینگلے نامی علاقے میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ماہرین

جڑ

ایک خاتون اپنی بیٹی کے سلسلے میں پریشان تھیں۔ بیٹی صبح اٹھتی تھی تو اس کا سر بھاری ہوتا تھا۔ کئی ڈاکٹروں سے علاج کرا چکی تھیں۔ آخر ایک مشہور اسپیشلسٹ کے پاس لے گئیں۔

"کیا آپ کی بیٹی سوتے وقت دودھ پیتی ہے؟" اسپیشلسٹ نے معائنے کے بعد پوچھا۔

"جی ہاں۔" ماں نے جواب دیا۔

"بس.... یہی تو بیماری کی جڑ ہے..." ڈاکٹر صاحب فوراً بولے "بچی دودھ پی کر سوتی ہے۔ کروٹیں بدلتی ہے تو دودھ سے لعاب نکل آتا ہے۔ لعاب چربی میں بدل جاتا ہے۔ چربی شوگر میں تبدیل ہوجاتی ہے۔ شوگر' الکحل بن جاتی ہے۔ چنانچہ بچی صبح اٹھتی ہے تو اس کا سر بھاری ہوتا ہے۔"

اتنی آسانی سے اصل کہانی تک پہنچ جائیں گے۔"

"یہ ملین ڈالر کا سوال ہے۔ اسی کا جواب تلاش کرنے کے لیے میں یہاں آیا ہوں۔" جان نے اپنی پیالی خالی کردی۔ "بنگو والا واقعہ ریکارڈ پر ہے۔" کرنل غفور نے جان کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہا "جس وقت اسے للکارنے کے بعد گولیوں کی باڑ ماری گئی' پک اپ میں دو لاشوں کے سوا کوئی اور متنفس نہیں تھا۔ صرف بنگو تھا اور وہ مارا گیا۔"

"میری بات سمجھنے کی کوشش کرو' ڈیر کرنل!" جان نے بہت رسانیت سے کہا "دونوں فوجی بیم گن کی لیزر سے مرے ہیں۔ یہ اس مخدوش علاقے میں ڈینی کی موجودگی کا ثبوت ہے۔ وہ دہلی سے نکلا اور امرتسر ہوتا ہوا سرحدی ویرانے میں پہنچ گیا۔ وہ پاکستانی فوج کے ہاتھ نہیں آیا پھر کہاں گیا؟"

جلال کو یوں محسوس ہوا جیسے اس کی پیشانی عرق آلود ہوتی جارہی ہے۔ اپنے فیصلے کرتے ہوئے اسے ایک لمحے کے لیے بھی گمان نہیں ہوا تھا کہ میرا کوئی حریف اتنی آسانی سے کڑیاں ملالے گا۔

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہیں ہمارے بیان پر یقین

Downloaded from https://paksociety.com

نہیں ہے۔" کرنل شعبان نے قدرے برہمی سے کہا۔

"میری بات سے غلط مفہوم اخذ نہ کرو۔" جان کا لہجہ ملتجیانہ ہوگیا "ڈینی ایک ملزم بلکہ مجرم ہے۔ اس کے ہاتھ بہت سے بے گناہ امریکیوں اور دوسروں کے خون سے داغ دار ہیں۔ وہ ہمارا یا تمہارا دوست نہیں ہوسکتا۔ ہمیں سر جوڑ کر اپنے اس مشترکہ دشمن کا کھوج نکالنا ہوگا۔"

اس کا لب ولہجہ اس قدر مفاہمانہ تھا کہ کوئی اس کی رائے سے اختلاف کرنے کی جرأت نہیں کرسکا۔ سب سر ہلا کر رہ گئے۔

چند ثانیوں کے لیے اس کمرے میں روح کو منجمد کردینے والا بھیانک سکوت طاری ہوگیا جسے کرنل شعبان نے غیر ارادی طور پر اونچی آواز سے توڑا "اگر تمہارے اس نظریے کو درست مان لیا جائے تو اب ڈینی کہاں ہوسکتا ہے۔"

"یہاں!" جان نے اپنے داہنے ہاتھ کے انگوٹھے سے میز کی چوبی سطح ٹھونکتے ہوئے کہا "وہ پاکستانی شہری ہے۔ یہ ملک اس کے لیے بہترین پناہ گاہ ہے۔ رنگ، نسل، زبان اور اپنے خدوخال کی بنا پر وہ یہاں عام لوگوں میں گھل مل کر بے فکری سے اپنی زندگی گزار سکتا ہے۔ ہمارے پاس اس کی کوئی واضح اور نئی تصویر نہیں ہے جسے ہم لوگوں کے لیے مشتہر کرکے انہیں خبردار کرسکیں۔ ہم نے اس کے بارے میں خبر دینے والے کے لیے دس لاکھ ڈالر کا انعام مقرر کیا ہوا ہے۔ اسے اور اس کے خاندان کو امریکی شہریت اور باعزت روزگار کی ضمانت دی ہے مگر ہماری یہ ساری کوششیں ناکام رہی ہیں۔ کیونکہ ہمارے پاس اسے ٹریک ڈاؤن کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔"

"تم سب کچھ کہے جارہے ہو لیکن تم نے ابھی تک یہ نہیں بتایا کہ وہ ہمارے سرحدی دستوں کی آنکھوں میں دھول جھونک کر پاکستان کیسے پہنچ گیا۔" شاہد رانا نے بھی نرمی سے کہا۔

"اوہ ڈیر! میں بار بار التجا کررہا ہوں کہ میری کسی بات سے غلط مفہوم اخذ نہ کرو۔" جان نے خوشامدانہ انداز میں کہا "میں کسی پر کوئی الزام تراشی نہیں کررہا۔ سب کی کوششیں اپنی جگہ پر ہیں لیکن ڈینی انہیں ناکام بنا کر پاکستان لوٹنے میں کامیاب ہوچکا ہے۔ ہوسکتا ہے کہ وہ بنگو کی پک اپ سے کچھ دور پہلے اتر چکا ہو۔ اسے پاکستانی علاقے میں اتارنے کے بعد بنگو واپس جارہا تھا۔ رات کے اندھیرے اور ویرانے کی یکسانیت کی وجہ وہ ذرا سا بھٹکا اور تمہارے فوجیوں کی نگاہ میں آگیا۔"

"اگر بنگو اور ڈینی کا یہی پروگرام تھا تو وہ بھارتی فوجیوں کی لاشیں اپنے ساتھ کیوں لیے پھر رہے تھے؟" جلال نے پوچھا۔

"لاشیں چھوڑی جاتیں تو وہ بھارتی فوج کے کسی دستے کی نگاہ میں آجاتیں۔ پوری سرحد پر کھلبلی مچ جاتی اور بنگو کی واپسی کی راہ مسدود ہوجاتی۔"

"امرتسر پہنچنے کے بعد بنگو ان لاشوں کو کہاں ٹھکانے لگاتا؟" جلال نے عاجلانہ انداز میں اگلا سوال داغ دیا۔

جان کے ہونٹوں پر ہلکی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔ وہ محسوس کررہا تھا کہ اس کی باتیں سن کر پانچوں پاکستانی افسر مضطرب سے نظر آنے لگے تھے۔ اس نے اپنے لہجے کی نرمی برقرار رکھتے ہوئے جواب دیا۔ "اسے لاشیں امرتسر لے جانے کی کوئی ضرورت نہیں تھی۔ واپسی پر وہ انہیں کسی بھی گڑھے میں پھینک دیتا اور بھاگ نکلتا۔ ہر گزرتا ہوا لمحہ اسے لاشوں کی دریافت کے خطرے سے دور اور امرتسر کے قریب پہنچا دیتا۔ یہ ایک نظریہ ہے جو غلط بھی ہوسکتا ہے۔ لینگلے میں بیٹھے ہوئے افسروں نے بہت عرق ریزی اور دماغ سوزی کے بعد یہ کہانی تیار کی ہے۔ اس میں ہر سوال اور ہر امکان کا تحریری تجزیہ کیا گیا ہے۔ میں تم کو اسی کے مطابق جواب دے رہا ہوں۔ سب اس فائل میں لکھا ہوا ہے، خود پڑھ لو۔"

اپنی بات مکمل کرکے اس نے بریف کیس میں سے سرخ رنگ کی ایک فائل نکال کر میز پر ڈال دی۔

جلال کا دماغ چند ثانیوں کے لیے سن ہو کر رہ گیا۔ جان حرف بہ حرف صحیح کہانی سنا رہا تھا۔ اس نے لمحوں ہی لمحوں میں خود پر قابو پایا اور بولا "تم بتا رہے ہو کہ راوالوں نے کل تمہیں اٹل اور نزیش کے قتل کے طریقوں سے آگاہ کیا اور آج تم کراچی میں اپنے بڑوں کی تیار کی ہوئی جامع رپورٹ لیے بیٹھے ہو۔ اتنی جلدی یہ سب کیسے ہوگیا؟"

جان کی موت ہم سب کے لیے بہت بڑا صدمہ تھی۔ اس بھیانک واردات پر بہت سا کام کیا جاچکا تھا۔ کچھ کڑیاں غائب تھیں۔ گم شدہ کڑیوں کا سراغ ملنے کے بعد سب کام آسان ہوگیا۔"

"اب تم کیا چاہتے ہو؟" کرنل غفور نے جان ایش کوف سے سوال کیا۔

"ڈینی کی تلاش۔ میں دہلی کا ایک چکر لگاؤں گا پھر یہاں ڈیرا ڈال دوں گا۔ میں پاکستان سے بھرپور مدد کا خواہاں ہوں۔"

"ابھی تم اپنے بڑوں کے تیار کیے ہوئے ایک نظریے پر

Downloaded from https://paksociety.com

بات کررہے تھے۔ اب ہمیں زمینی حقائق پر بھی نظر ڈال لینی چاہیے" کرنل شعبان نے سگریٹ سلگا کر ایسے سرد لہجے میں کہا کہ جلال چونک پڑا۔

"کیا زمینی حقائق ان باتوں سے مختلف ہیں جو میں کرتا رہا ہوں؟" جان نے پوچھا۔

"خاصے مختلف بلکہ شاید تلخ بھی ہیں" کرنل شعبان کے لہجے کی سرد مہری برقرار رہی۔

"اس وقت میں ہر بات سننے کے موڈ میں آیا ہوں۔ ہمارے دلوں میں اگر کچھ تلخیاں ہیں تو آج انہیں دھل جانا چاہیے" جان نے کھلی رواداری کا مظاہرہ کیا۔

"آج تم بہت نرم اور دھیمے لہجے میں بات کررہے ہو۔ آج سے پہلے امریکیوں کا لب ولہجہ تلخ ہوا کرتا تھا" کرنل شعبان نے فیصلہ کن انداز میں لب کشائی کی "ڈینی کے بارے میں مختلف امریکی حلقے شروع سے اس بات کے شاکی رہے ہیں کہ پاکستان کی بعض ایجنسیاں درپردہ ڈینی کی پشت پناہی کرتی ہیں۔"

"ایک شخص پے درپے جرائم کرتا چلا جائے اور قانون کی گرفت سے مسلسل بچتا رہے تو ایسے شکوک وشبہات کا پیدا ہونا فطری امر ہے۔"

"ایسے چالاک مجرم ہر ملک میں پائے جاتے ہیں۔ امریکا میں سیکڑوں افراد ایسے ہوں گے جو برسوں سے قانون کو مطلوب ہیں لیکن کبھی گرفت میں نہیں آتے۔ ان کے بارے میں کیا کیا جاتا ہے۔"

"گرفتاری ہونے تک ان کی سرگرمی سے تلاش رہتی ہے۔ ڈینی کے خلاف پاکستان میں صرف ایک بار بھرپور مہم کا آغاز ہوا تھا۔ اس کے بعد مکمل خاموشی ہے۔ یہاں اسے مفرور مجرم قرار دیا گیا ہے نہ اس کی گرفتاری میں مدد دینے والوں کو ترغیب دلانے کے لیے کوئی انعام مقرر کیا گیا ہے۔"

"بس، میں یہی کہہ رہا تھا کہ تم بھی نرم لہجے میں الزام تراشی کے ارادے سے آئے ہو۔ پاکستان کو انعام مقرر کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے" کرنل شعبان نے کہا۔

"میں الزام تراشی نہیں کررہا۔ تمہاری بات کا جواب دے رہا ہوں" جان بولا۔

"تمہارے ایک ملین ڈالر کے انعام کا کوئی جواب نہیں ملا۔ تم نے بارہا مقامی اخباروں میں ڈینی اور ویرا کے خلاف اشتہار چھپوائے ہیں۔ ان کا کیا نتیجہ نکلا؟ اتنے بڑے انعام کے اعلان بعد کسی چھوٹے انعام کا اعلان مضحکہ خیز ثابت ہوگا۔ ہمارے غریب ملک کے پاس اتنے وسائل نہیں ہیں کہ کسی ایک شخص کی گرفتاری کے لیے کروڑوں روپے کا انعام مقرر کیا جاسکے۔ تمہاری یہ دلیل بالکل بودی اور بے وزن ہے۔"

"ہم ڈینی اور مظہر خان کے بارے میں پاکستان کی مدد چاہتے ہیں" جان کا لہجہ سنجیدہ اور سخت ہوگیا۔ گفتگو آگے بڑھنے کے ساتھ اس کا صبر وسکون رخصت ہوتا جارہا تھا۔

"مظہر خان!" کرنل غفور نے چونک کر پوچھا "یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"یہ مشتبہ پاکستانی ہے جو باقاعدہ ویزا پر اٹاری کے راستے بھارت میں داخل ہوا تھا۔ دہلی میں وہ راوالوں کی نگرانی میں تھا۔ انل اور نریش کے قتل والی رات وہ اپنی گرل فرینڈ سمیت اچانک دہلی سے غائب ہوگیا۔ ہوٹل کے ریکارڈ سے لیے گئے کوائف میرے پاس موجود ہیں۔"

"راوالے اس کی نگرانی کررہے تھے تو وہ کیسے غائب ہوگیا" شاہد رانا نے استہزائیہ انداز میں پوچھا۔

"یہ مجھے دہلی پہنچ کر معلوم ہوگا" جان نے خفت آمیز لہجے میں کہا "وہ مشتبہ ہے۔ ابھی اس کے جرائم کا تعین ہونا باقی ہے۔"

"یہ تو جانتے ہوگے کہ وہ کس سلسلے میں مطلوب ہے!" جلال نے موقع ملتے ہی جارحانہ انداز میں سوال کیا۔

وجہ تاخیر

ایک بڑے بزنس مین کے انتقال کے کئی دن بعد جب اس کے دفتری سامان کا جائزہ لیا گیا تو اس میں ایک خط بھی تھا جو پوسٹ ہونے سے رہ گیا تھا۔ اس کی مستعد اور فرض شناس سیکریٹری نے خط پوسٹ کردیا لیکن خط کے آخر میں تاخیر کی وجہ بیان کرنا بھی بہتر سمجھا۔ اس نے خط میں باس کے دستخط سے پہلے یہ لائن ٹائپ کی!

"یہ خط ارسال کرنے میں تاخیر اس لیے ہوئی کہ خط لکھنے کے بعد میرا انتقال ہوگیا تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"شبہ ہے کہ اس نے را کے مفادات کو ناقابلِ تلافی نقصان پہنچایا ہے" جان نے بتایا۔

"سوری جان!" کرنل غفور نے دوٹوک لہجے میں کہا "تم مظہر خان کے کوائف ہمیں دے دو۔ ہم اپنے طور پر اس کی چھان بین کریں گے لیکن تمہاری کوئی مدد نہیں کرسکتے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ را سے ہماری دیرینہ رقابت ہے۔ ہم ایسا کوئی کام نہیں کریں گے جس سے ہمارے بدترین حریف کو کوئی فائدہ پہنچ سکے۔"

"سرد جنگ کا یہی سب سے بڑا نقصان ہوتا ہے" لیری نے پہلی مرتبہ پُرتشویش انداز میں اپنی زبان کھولی ورنہ وہ خاموشی سے ساری گفتگو سنتا رہا تھا۔

"تم ڈینی کے لیے یہ عذر کیوں پیش نہیں کرتے؟ اس نے بھی را والوں کو بہت نقصان پہنچایا ہے۔" جان نے اعتراض کیا۔

"اس پر تم نے جان اسمتھ کے قتل کا الزام لگایا ہے۔ ماضی میں بھی اس پر کئی امریکیوں کے قتل کے الزامات لگائے جاتے رہے ہیں۔ امریکا ہمارا دوست ملک ہے۔ اس کی مدد کرنے کے لیے ہم بہت کچھ کرسکتے ہیں" کرنل غفور بولا۔

"اور اگر وہ امریکیوں کے خلاف ہونے والے جرائم میں ملوث پایا گیا تو تم اسے ہمارے حوالے کردو گے؟"

"تمہارا یہ سوال مفروضے پر مبنی ہے" کرنل شعبان نے صاف گوئی سے کام لیتے ہوئے کہا "ہم کسی جال میں پھنسنے کے لیے آمادہ نہیں ہیں۔ شہادتیں سامنے آنے کے بعد ہی تم لوگوں سے تعاون کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں کوئی فیصلہ کیا جائے گا۔"

"اس کا مطلب یہ ہے کہ میری نیت کے بارے میں تمہارے کچھ تحفظات ہیں!" جان کا لہجہ پہلی بار تلخ ہوگیا۔

"مجبوری ہے جان!" کرنل غفور نے اپنے شانے اچکا کے بے پروائی سے جواب دیا "وقت نے ہمیں بہت کچھ سکھادیا ہے۔"

"دیٹس اوکے کرنل! تم صرف اپنے آس پاس دیکھتے ہو۔ ہم امریکی پوری دنیا کے حالات پر نظر رکھتے ہیں۔ ڈینی اور اس کے مددگار رفتہ رفتہ اس خطے کے لیے خطرہ بنتے جارہے ہیں۔ اب ان کی سرکوبی کا وقت آگیا ہے۔ تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ امریکی حکومت روئے زمین کے کسی بھی حصے میں موجود ہر امریکی کی جان اور اس کے مال کی حفاظت کی ضامن ہے۔ ہم اتنی طاقت رکھتے ہیں کہ اپنے مفادات کو نقصان پہنچانے والے کی اینٹ سے اینٹ بجادیں۔ ہم نے عبرت کی ایسی کئی مثالیں قائم کی ہیں کہ اپنے ایک دو یا چار مخالفین کو موت کے گھاٹ اتارنے کے لیے چند سو یا چند ہزار بے قصور مردوں، عورتوں اور بچوں کو بھی اڑادیا۔ کسی بھی امریکی پر حملہ امریکا پر حملہ تصور کیا جاتا ہے اور جان اسمتھ بہت بڑا امریکی تھا۔ یہ محض دوستی اور رواداری کی بات ہے کہ میں یہاں میز پر بیٹھا تم سے مساویانہ انداز میں بات کررہا ہوں ورنہ ہمارے پاس اپنے مجرموں سے نمٹنے کے دوسرے طریقے بھی ہیں۔"

جان ایش کوف نے تاؤ میں آکر اپنے لب ولہجے سے نرمی کا نقاب نوچ ڈالا تھا۔ وہ وہی زبان بول رہا تھا جو اس کے پیش رو بولتے چلے آئے تھے۔ جان کے روپ میں آنے والی اس ڈرامائی تبدیلی پر وہ پانچوں حیران رہ گئے۔ وہ سب کھاگ اور تجربے کار افسر تھے۔ انہوں نے اندازہ لگالیا کہ آخر کار جان کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوچکا تھا۔ اس پر مزید نشتر زنی کی جاتی تو وہ آپے سے باہر ہوکر اس اہم میٹنگ کو ناکام بنا سکتا تھا۔

آپس میں کوئی تبادلۂ خیال کیے بغیر وہ پانچوں بہ یک وقت ایک ہی فیصلے پر پہنچ چکے تھے۔

"اس بات سے کسی ہوش مند شخص کو انکار نہیں ہوسکتا کہ آج امریکا دنیا کی اکلوتی سپر پاور ہے" جلال نے سرہلاتے ہوئے کہا "اب تم سنجیدہ ہوگئے ہو تو میں بھی پوری سنجیدگی سے تم کو بتارہا ہوں کہ ہم بھارت پر اعتبار نہیں کرسکتے۔ اپنے مفادات کے حصول کے لیے وہ امریکا کو گمراہ کرتے رہتے ہیں۔ تم ان کی فراہم کی ہوئی معلومات پر انحصار کیے بغیر، اپنے طور پر ہم سے کوئی بات کرو گے تو ہم کو پوری طرح اپنا مددگار پاؤ گے۔"

"ان کی بدنیتی اسی ایک بات سے ظاہر ہوتی ہے کہ مظہر خان ان کی نگرانی کے باوجود نکل گیا اور وہ ہم سے اس کی گرفتاری کے خواہاں ہیں" کرنل غفور نے کہا۔

"یہ صرف اکسانے والی حرکتیں ہیں" جان نے اعتراف کیا "اگر وہ اتنا ہی خطرناک تھا تو اسے دہلی میں دبوچ لیا جاتا مگر ڈینی بھارت کے ساتھ ساتھ ہمارا بھی مسئلہ ہے اس کے لیے تم لوگوں کو کچھ نہ کچھ کرنا ہوگا۔ تمہاری مدد کے بغیر اسے قابو میں کرنا ناممکن ہے۔"

بات بگڑتے بگڑتے سنبھلنے لگی تھی۔ جلال نے جان کی نظریں بچاکر کرنل شعبان کو اشارہ کیا اور وہ بولا "کھل کر بتاؤ کہ تم کیا چاہتے ہو؟"

"ہمیں ڈینی کے خلاف اشتہار دیے ایک مدت ہوگئی ہے اور اس کا دور دور تک پتا نہیں ہے۔ یہ ہمارے لیے بہت سبکی کی بات ہے۔ اپنے وقار کی بحالی کے لیے ہم ضروری

Downloaded from https://paksociety.com

قیمت 150 روپے

روشنی کے مینار

ڈاک خرچ-25 روپے

ضیا تسنیم بلگرامی

اولیائے کرام جو مینارہ رشد و ہدایت تھے۔ ضیا تسنیم بلگرامی نے انہیں اپنے قلم کا مستقل موضوع بنایا۔

ان دنوں جب ہر طرف حرص و طمع عیش کوشی خود غرضی اور نفسا نفسی کا دور دورہ تھا' انسان دنیاداری' جاہ طلبی اور جاہ پرستی میں مبتلا تھا روشنی کے ان میناروں نے انسانیت کو نجات ابدی کی راہ دکھائی دکھی انسانوں کی راہ نمائی کی ان کے کام آئے۔

ان کے کارنامے

اور ان کی منور زندگی آج بھی ہماری رہنمائی کر رہی ہے وہ ہم میں موجود نہیں لیکن اپنے کام میں موجود ہمیں بتاتے ہیں کہ دنیا سائے کی طرح ہے۔ اس کے پیچھے بھاگو گے تو ہمیشہ آگے ہی آگے رہے گی تمہارے ہاتھ نہیں آئے گی لیکن اگر اس سے بھاگو گے تو تمہارے پیچھے دوڑے گی۔ ایک ایسی چیز جو سائے کی طرح ہے اس کی حصولیابی سے کیا حاصل؟

اسلام کے خاموش مبلغوں کے دلچسپ اور پر اثر واقعات

کہانیوں سے زیادہ دلچسپ' داستانوں سے زیادہ اثر انگیز

کتاب کی قیمت' مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر یا چیک بھجوا کر ممنون فرمائیں

مصنفہ کی ایک اور کتاب "عظمت کے مینار" قیمت 150 روپے بھی دستیاب ہے

کتابیات پبلی کیشنز

فون: 5802552 فیکس: 5802551

پوسٹ بکس 23 رمضان چیمبرز ملوریا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200

kitabiat1970@yahoo.com

Downloaded from https://paksociety.com

سمجھتے ہیں کہ اب اپنے سارے وسائل استعمال کریں اور اسے زندہ یا مردہ پکڑ لیں۔"

"اپنے وسائل کے بارے میں تم جانتے ہو۔ ہمیں ہمارا رول بتاؤ" کرنل شعبان نے کہا "شاید ہم کچھ کر سکیں۔"

"ہمیں ڈینی کی واضح تصاویر' فنگر پرنٹس اور اس کی آواز کا ٹیپ درکار ہے" جان نے لمحہ بھر سوچنے کے بعد کہا۔

کرنل شعبان ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا "اس تک رسائی ہو جائے تو اس بکھیڑے کی کیا ضرورت ہے۔ اسے پکڑ ہی نہ لیا جائے۔"

"یہ بگلے کے سر پر موم بتی جلا کر اسے پکڑنے والی بات ہے" شاہد رانا نے کہا۔

"وہ یہاں کا شہری ہے۔ کسی نہ کسی سرکاری ریکارڈ سے کچھ نہ کچھ مل سکتا ہے" جان نے اصرار کیا۔

"ڈینی کے مقابلے میں اس کی ان نشانیوں کی کیا افادیت ہے؟" جلال نے پوچھا۔

"ساری کوششیں اسے زیر کرنے کے لیے ہیں۔ زمین سے تقریباً چار سو کلومیٹر کی بلندی پر ہمارے کئی سیٹلائٹ گردش کر رہے ہیں۔ ہر سیٹلائٹ نوے منٹ میں ایک مرتبہ پاکستان کے اوپر سے گزرتا ہے۔ ڈینی کی تصویریں اس نظام میں ڈال دی جائیں تو چند روز میں اسے تلاش کیا جا سکتا ہے۔"

"اوہ.... اب سمجھ میں آیا کہ تم کیا چاہ رہے ہو؟" کرنل غفور کے منہ سے نکلا "بدقسمتی سے ہماری کسی ایجنسی کے پاس ڈینی کا کوئی مصدقہ ریکارڈ نہیں ہے۔ وہ ایک سائے کی طرح بے آواز نمودار ہوتا ہے اور اپنی کارروائی کر کے چھلاوے کی طرح غائب ہو جاتا ہے۔ کہیں نہ کہیں اس کا کوئی ریکارڈ ضرور دفن ہو گا لیکن ہمیں یہ علم نہیں ہے کہ وہ ریکارڈ کس نام سے ہو گا۔ اس کا اصل نام تنویر علی بتایا جاتا ہے۔ اسے ڈینی کے نام سے پہچانا جاتا ہے۔ پتا نہیں اس نے کس نام سے بھارت کا سفر کیا ہو گا۔"

"تم لوگ مظہر خان کو بھی ضرور دیکھو" جان کی آواز ایک مرتبہ پھر نرم ہو گئی "میں وعدہ کرتا ہوں کہ وہ معلومات سی آئی اے کی تحویل میں رہیں گی۔ را یا کسی اور بھارتی ایجنسی کو اس کی ہوا بھی نہیں لگنے دی جائے گی۔"

اس بارے میں کچھ کرنا یا نہ کرنا ان لوگوں کی مرضی پر منحصر تھا۔ انہوں نے وہ موضوع ختم کرنے کے لیے سر ہلا دیے۔ جان شاید ان کی آمادگی کا ہی منتظر تھا۔ اس نے اپنے بریف کیس میں سے ایک لفافہ نکالا اور اس میں سے کمپیوٹر پر چھپے ہوئے ایک کاغذ کی نقول نکال کر ساتوں کو تقسیم کر دیں۔

اس کاغذ پر مظہر خان اور غزالہ کے پاسپورٹوں کے کوائف لکھے ہوئے تھے۔

"یہ غزالہ کون ہے؟" جلال نے کاغذ پر نظریں دوڑاتے ہوئے انجان بن کر پوچھا۔

"را والوں کا کہنا ہے کہ وہ مظہر کی گرل فرینڈ تھی مگر ہم اس لڑکی کو اس کے نام کی وجہ سے اہمیت دے رہے ہیں کیونکہ ڈینی کی بیوی کا نام بھی غزالہ ہے۔ ایک موہوم سا امکان ہے کہ ڈینی نے مظہر خان کا نام اختیار کر کے را والوں کی آنکھوں میں دھول جھونکی ہو اور وہ 'الو کے پٹھے' دال خورا بھی تک اس لڑکی اور ڈینی کی بیوی کے نام کی مماثلت سے غافل ہیں۔"

پیشہ ورانہ لگن اور تجربہ یک جا ہو جائے تو بڑی سے بڑی گتھی پلک جھپکتے میں سلجھ جاتی ہے۔ جان نے ایک لمحے میں اس رمز کو پالیا تھا جو را والے ہفتہ بھر بلکہ اس کے بعد بھی بھولے ہوئے تھے۔ وہ دوسری سمتوں میں اپنی کارگزاری دکھا رہے تھے لیکن اصل نکتے کو نظر انداز کیے بیٹھے تھے۔

جلال کا ماتھا ٹھنک گیا۔ اس بار امریکیوں کے عزائم خطرناک تھے۔ وہ نئی لگن کے ساتھ میری اور غزالہ کی تلاش میں لگے ہوئے تھے۔ زمین سے خلا تک' اپنے سارے وسائل کو میرے خلاف آزمانے پر تل گئے تھے۔

"تم فکر نہ کرو۔ اب مظہر خان کا نام بھی ہماری لسٹ پر رہے گا۔" کرنل غفور نے جان کو یقین دلایا۔ وہ اس بارے میں مخلص تھا کیونکہ مظہر خان کی اصلیت سے' ان ساتوں کی بھیڑ میں جلال کے سوا کوئی واقف نہیں تھا۔

"میں تمہیں ایک اور بات بتا دوں۔ را والوں کے شبہات بالکل بے بنیاد نہیں ہیں" میٹنگ کے مقامی شرکا کو تعاون پر آمادہ پا کر جان نے اپنی بات آگے بڑھائی "مظہر خان کے نام کی طرف متوجہ ہونے کے بعد انہوں نے بہت تیزی سے اپنا کام آگے بڑھایا ہے۔ اس کا اور غزالہ کا پاسپورٹ اسپیشل پولیس کی پڑتال میں دیکھا گیا تھا۔ اس ریکارڈ کے مطابق وہ دونوں پندرہ تاریخ کو اٹاری کی سرحد سے بھارت میں داخل ہوئے تھے۔ ان کے پاسپورٹ نمبروں اور ناموں سے تحقیقات کی گئیں تو پتا چلا کہ اٹاری کے امیگریشن ریکارڈ کے مطابق پندرہ یا اس سے چند روز پہلے اور بعد کی تاریخوں میں اس نام کے پاکستانی وہاں سے نہیں آئے۔ ان کے پاسپورٹوں پر امیگریشن کی مہریں جعلی تھیں۔ پتا نہیں وہ

Downloaded from https://paksociety.com

دونوں کس طرح بھارت میں داخل ہوئے تھے۔"

"اور واپس جانے والے مسافروں کا امیگریشن ریکارڈ کیا کہتا ہے" کرنل شعبان نے پوچھا۔

"وہ بھی سپاٹ ہے۔ زمینی، فضائی اور سمندری ریکارڈ میں کہیں ان دوناموں کا اندراج نہیں ہے۔"

"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ وہ ابھی تک بھارت میں پھنسے ہوئے ہوں" کرنل شعبان نے خیال ظاہر کیا۔

"یہ سوچنا سراسر خود فریبی کے مترادف ہے۔ اگر ڈینی ہی نے مظہر خان کا روپ دھارا ہوا تھا تو وہ بنگلو کی مدد سے سرحد پار کر چکا ہے" جان نے اپنے ان الفاظ سے جلال کی رہی سہی خوش فہمی بھی رفع کر دی۔ اس کے اخذ کیے ہوئے نتائج حقیقت سے قریب ترین تھے۔

جلال کا اندازہ تھا کہ جان کو دہلی میں ذرا سا بھی سہارا مل گیا تو وہ وہاں تھوڑا سا وقت گزارنے کے بعد بالکل صحیح نتائج اخذ کرنے میں کامیاب ہو جائے گا اور میری تلاش کی امریکی مہم میں یکایک بے انتہا تیزی پیدا ہو جائے گی۔

"ہم اپنی سرحدوں میں آنکھیں کھلی رکھیں گے۔ تم بھارت میں دیکھ لو۔ ہو سکتا ہے کہ جلد ہی کوئی راہ نکل آئے" آئی جی نے جان کی آمد کے بعد پہلی مرتبہ زبان کھولی کیونکہ ان تمام پس پردہ واقعات کے بارے میں اس کی معلومات سب سے زیادہ ناقص تھیں۔

"مجھے اندازہ ہے کہ ماضی میں ہمارے درمیان کافی تلخیاں رہی ہیں" جان نے اپنا بریف کیس سمیٹتے ہوئے کہا "اس میں کمی لانے کی کوئی مخلصانہ کوشش نہیں کی گئی مگر میں اس عزم کے ساتھ یہاں آیا ہوں کہ پاکستان اور پاکستانیوں کے تعاون سے ہم جلد از جلد ڈینی کا فتنہ ہمیشہ کے لیے ختم کر دیں گے۔"

"برابری اور احترام کی فضا میں ہم اپنے کام کو بہتر انداز میں آگے بڑھا سکیں گے" کرنل شعبان نے خوبصورت الفاظ میں اسے پیغام دیا کہ وہ بالادستی اور برتری کا خمار اپنے ذہن سے جھٹک دے تو اسے کسی نہ کسی حد تک قبول کیا جا سکتا تھا۔"

"یہاں میری ٹیم صرف لیری تک محدود ہے۔ تم کو ہم دونوں سے کوئی شکایت نہیں ہوگی" جان نے مفاہمانہ لہجے میں یقین دلایا۔

"اب تم بھارت کب جا رہے ہو؟" کرنل غفور نے گویا اجلاس کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے پوچھا۔

"جلد از جلد" جان نے اپنی کرسی چھوڑ دی "مجھے کمپیوٹر پر لینگلے سے کچھ مشورے کرنے ہیں۔ میں چارٹرڈ پرواز سے آیا ہوں۔ جس وقت بھی فرصت مل گئی، دہلی کے لیے نکل جاؤں گا۔ اس میٹنگ کے بعد دہلی میری اگلی منزل ہے۔"

چائے یا کافی کی صرف ایک پیالی پر وہ مذاکرات ختم ہو گئے۔ دوسرے لوازم میز پر دھرے کے دھرے رہ گئے۔ ساتوں افراد، کرنل غفور کی پیشوائی میں کمشنر ہاؤس کے اس آراستہ کمرے سے نکل آئے۔ برآمدے میں پہنچ کر جان اور لیری نے تشکر آمیز کلمات ادا کرتے ہوئے اپنے پانچوں میزبانوں سے پُرتپاک الوداعی مصافحے کیے اور چند سیڑھیاں اتر کر اپنی بڑی سی سیاہ گاڑی کی طرف بڑھ گئے۔

ان کو رخصت کرتے ہوئے جلال فیصلہ کر چکا تھا کہ اسے فوری طور پر مجھ سے ملنا چاہیے۔

○☆○

ہم سب کو بہت بے چینی سے جلال کی آمد کا انتظار تھا۔ اس نے فون پر جو ذو معنی باتیں کی تھیں، ان کی وضاحت وہی کر سکتا تھا۔ اس سے ملاقات کے لیے اول خان بھی اپنی

مرد حضرات ہی پڑھیں

آپ بھی بے پناہ قوت کے مالک بن سکتے ہیں

دیکھا گیا ہے کہ افریقی گوریلے میں اتنی بے پناہ قوت ہوتی ہے کہ وہ شیر کی ٹانگیں چیر کر پھینک دیتا ہے جرمن سائنسدانوں نے اسکی قوت کے اس راز پر برسوں تحقیق کی اور کئی ناکارہ بوڑھوں کے جسم میں نیدر کے غدود ں کی کامیاب پیوندکاری کر کے جوان بنا دیا۔ انگریز سائنسدانوں نے گورلے کی خوراک میں شامل قیمتی جڑی بوٹیوں کا سالہا سال اپنی لیبارٹریوں میں تجزیہ کر کے ایسے کمزور نوجوان جو خاص کمزوری میں مبتلا تھے ایک ایک ہفتہ آزما کر یہ ثابت کر دیا کہ یہ جوہر بے پناہ قوت کا سرچشمہ ہے اب ہم اس جوہر کو نسخے کی شکل میں آپ کی خدمت میں پیش کرتے ہوئے فخر محسوس کر رہے ہیں اس جوہر کو مزید چار ہفتوں کے بعد پاکستانی آب و ہوا کے مطابق بنا دیا گیا ہے اس نسخے کے استعمال سے آپ محسوس کریں گے کہ آپ کے رگ رگ میں بجلی کی سی لہر دوڑ گئی ہے اور رگ پٹھوں میں نئی زندگی پیدا ہو گئی ہے اور آپکو وہ تمام خوشیاں میسر ہو جائیں گی جن سے آپ ایک مدت تک محروم رہے۔

آج ہی ایک خط اپنی مکمل کیفیت لکھ کر جوابی لفافے کے ہمراہ ہمیں روانہ کریں آپکو یہ نسخہ فوراً روانہ کر دیا جائے گا۔

ایم۔ کے لیبارٹریز

پوسٹ بکس 2479 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

دفتری مصروفیات سے فارغ ہو کر ہمارے گھر آگیا تھا۔ اسے ہم سب سے زیادہ تجسس تھا کہ شہر میں امریکیوں کے ساتھ ایسا کون سا اجلاس ہو رہا تھا جس میں اسپیشل ٹاسک فورس کی نمائندگی کو ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔

جلال اپنی میٹنگ سے فارغ ہو کر سوا چھ بجے ہمارے گھر آپہنچا۔ میں نے خود دروازہ کھول کر اس کا استقبال کیا۔

اس کا چہرہ اترا ہوا اور مضمحل نظر آرہا تھا۔ ہم سب اس کی آمد کے پس منظر سے واقف تھے اس لیے رسمی گفتگو زیادہ طویل نہ ہو سکی۔ ڈرائنگ روم میں آرام سے ایک صوفے پر بیٹھتے ہی اس نے پوری تفصیل سے اپنی کہانی سنانی شروع کردی۔ وہ تفصیل اس قدر دلچسپ اور سنسنی خیز تھی کہ ہم پانچوں کوئی مداخلت کیے بغیر پورے انہماک سے اس کی کہانی سنتے رہے۔

"وہ ایک دو روز میں دہلی سے لوٹ آئے گا۔ زیادہ دیر تک اسے ٹالنا ممکن نہیں ہوگا" جلال کی تفصیل سنانے کے بعد جلال نے کہا۔

"مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے محکمے کے ڈسپلن کے خلاف نہیں جاسکتے۔ تمہیں اوپر سے کیا ہدایات ملی ہیں؟" میں نے ٹٹولنے والے لہجے میں پوچھا۔

"میرا پورا محکمہ تمہاری کارکردگی کا معترف ہو چکا ہے۔ میرا خیال ہے کہ اس وضاحت میں تمہارے سوال کا جواب پنہاں ہے۔"

"یہ تمہاری بات ہے مگر وہاں اور لوگ بھی موجود تھے۔ ان کی پالیسی کیا رہے گی؟" اول خان نے سوال کیا۔

"ہم آپس میں ایک دوسرے کی محکمہ جاتی پالیسی پر بات نہیں کرتے" جلال نے سنجیدگی سے جواب دیا "مگر میں نے ان سے ذاتی گفتگو میں یہ محسوس کیا ہے کہ تمہارے تازہ ترین کارناموں سے باخبر ہوئے بغیر وہ سب تمہارے لیے ہمدردانہ جذبات رکھتے ہیں۔ پولیس کے محکمے سے بات پھیل سکتی ہے اس لیے شاید آئی جی کو اعتماد میں نہ لیا گیا ہو مگر دوسرے وقت گزارنے کی پالیسی پر عمل کریں گے۔ جان کے تیور بتا رہے ہیں کہ وہ زیادہ دیر تک ٹال مٹول سے نہیں بہلے گا۔"

"اسلام آباد کے باخبر حلقوں میں یہ خبر گشت کرنے لگی ہے کہ را کا کچھ اہم ترین ریکارڈ پاکستان کے ہاتھ لگ چکا ہے" اول خان نے اسے بتایا۔

"میں جانتا ہوں۔ ایسی بڑی خبریں زیادہ دیر تک چھپی نہیں رہتیں۔ ہمارے جوابی اقدامات سے بہت کچھ ظاہر ہو جائے گا۔ ہو سکتا ہے کہ آنے والے چند روز میں گرین کوبرا فائل کا نام بھی باہر نکل جائے۔ امریکی ان باتوں سے بے خبر نہیں رہیں گے۔ تم نے بہت اہم نکتے کی طرف توجہ دلائی ہے۔"

"سب سے پہلے ہمیں اس مسئلے کا توڑ سوچنا ہوگا۔ اگر ہم ڈینی سے اپنی لاتعلقی ظاہر کرتے ہیں تو پھر اس بات کا کیا جواز ہوگا کہ را کے پاکستانی ونگ کا مسروقہ ریکارڈ ہمارے قبضے میں آگیا اور ہم نے اس پر کام بھی شروع کردیا" اول خان بولا۔

"ہر دور میں فری لانس سیکرٹ ایجنٹ پائے جاتے ہیں" ویرا نے گفتگو میں حصہ لیتے ہوئے کہا "یہ کہا جاسکتا ہے کہ گرین کوبرا فائل ایسے کسی ذریعے سے خریدی گئی ہے۔"

"بھارتی جانتے ہیں کہ وہ فائل نریش کے دفتر میں محفوظ تھی جو آتش زدگی کا شکار ہوگیا۔ وہاں سے وہ فائل ڈینی ہی نکال سکتا تھا..."

میں نے اول خان کی بات کاٹ دی "میرا خیال ہے کہ ہم اس مسئلے پر بلاوجہ اپنا سر کھپا رہے ہیں۔ ویرا کی تجویز بہت معقول ہے۔ اپنے تحفظ کی وجہ سے فری لانسر عام طور پر سامنے نہیں آتے ورنہ وہ مارے جائیں۔ مسروقہ ریکارڈ اور معلومات کا سودا بیچ کے آدمی کرتے ہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ دوسری ایجنسیوں کو بھی اس بارے میں بریف کردیا جائے تاکہ امریکیوں کو ہر طرف سے ایک ہی کہانی سننے کو ملے۔"

"اگر تم ویرا کی اس تجویز کی حمایت کر رہے ہو تو مجھے اس پر کوئی اعتراض نہیں" جلال نے خلوص سے جواب دیا "اس معاملے میں کوئی گڑبڑ ہوئی تو سارے اثرات تمہاری ذات پر پڑیں گے۔ میرے لیے تمہارے رائے سب سے مقدم ہے۔"

میں نے دیکھا کہ جلال کی شفاف نظروں میں ویرا کے لیے کوئی بھٹکاؤ نہیں تھا۔ وہ بہت اعتماد اور بے باکی سے ویرا کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر بات کر رہا تھا۔ اپنی ذات میں جلال کی عامیانہ دلچسپی کے بارے میں ویرا نے جو کچھ کہا تھا وہ اس کے اپنے ذہن کی اختراع یا پھر مخمور دماغی کا نتیجہ تھا۔ وہ اپنے وقار یا منصب کے منافی کوئی حرکت کرنے والوں میں سے نہیں تھا۔

"یہ طے کرلو۔ دوسری طرف جان کو دہلی میں راہ سے ہٹانے کی کوشش بھی کی جاسکتی ہے" میں نے معنی خیز لہجے میں کہا۔

"نہیں ... میرے آدمی ایسے کسی کام میں ملوث نہیں

Downloaded from https://paksociety.com

ہوسکتے" جلال نے میرے اندازے کے مطابق انکار کردیا "عبداللہ ویسے ہی بھارتیوں کے عتاب میں آیا ہوا ہے۔ پرویز اور عابد اس کے مستقبل کے بارے میں بہت پریشان ہیں۔ اس پر بہیمانہ تشدد ہو رہا ہے۔"

عبداللہ کے بارے میں وہ خبر سن کر میرا دل بھاری ہوگیا۔ بھارت کی سرزمین پر وہ تینوں بہرحال اجنبی تھے۔ انہوں نے وہاں قیام کے دوران میں اپنے جو رابطے استوار کیے تھے وہ زیادہ پرانے نہیں تھے۔ جب تک حالات ٹھیک چل رہے تھے' ان کے بہروپ برقرار تھے لیکن قانون کے شکنجے میں آنے کے بعد جب عبداللہ کے ماضی کو کھنگالا گیا ہوگا تو وہ یہ بتانے سے قاصر رہا ہوگا کہ بھارت میں تین برس سے پہلے اس کا کیا ماضی تھا اور وہ کہاں سے آیا تھا۔

وہ دہلی میں موجود آئی بی کے ہر ایجنٹ کی زندگی کا سب سے کمزور گوشہ تھا۔ ایک بار باز پرس کی چکی کا ایندھن بننے کے بعد ایسے ٹیڑھے سوالوں سے نجات ناممکن تھی۔

"بھارتی ایک سوراخ سے دوبارہ نہیں ڈسے جاسکیں گے" اول خان نے جلال کا ساتھ دیتے ہوئے کہا "اپنے ملک میں جان اسمتھ کے دیدہ دلیرانہ قتل کے بعد بھارتی مزید حماقت نہیں کریں گے۔ وہ دوسرے جان اور لیری کے لیے حفاظت کا خاطر خواہ بندوبست کریں گے۔"

میں نے دل ہی دل میں فیصلہ کرلیا کہ جان کو میں خود دیکھوں گا۔

"اسے تمہارے بارے میں مطلوب کوائف تو نہیں دیے جاسکتے لیکن کچھ دنوں تک بہلائے رکھنے کے لیے کچھ نہ کچھ بتانا ہوگا۔ وہ بہت چالاک اور مکار آدمی ہے۔ ہوسکتا ہے کہ ان معمولی باتوں سے ہی کوئی بڑا فائدہ اٹھالے۔ جب تک وہ یہاں رہتا ہے' تم کو بہت محتاط بلکہ زیر زمین رہنا چاہیے۔"

"اگر یہ تمہاری ہدایت ہے تو میں اسے مان لوں گا۔ مشورہ ہے تو میں شکریے کے ساتھ یہ بتانا چاہوں گا کہ میں وقت اور حالات کے تحت اپنے فیصلے کروں گا اور تم کو جوابی مشورہ دوں گا کہ اس دوران میں تم مجھ سے دور رہو۔ میں بھی تمہاری آئی بی سے الگ تھلگ رہوں گا۔"

"تم نے را سے جو کاغذات اڑائے تھے۔ ان کے سرسری مطالعے سے پہلی یہ بات سامنے آئی ہے کہ پڑوسی ملکوں کی سیاسی قیادت کو زیر کرنے کے لیے را تیزی کے ساتھ اس علاقے میں سی آئی اے کے ساتھ تعاون بڑھائے گی اور دو طرفہ مفادات کے اہداف کی نشاندہی کرے گی جس میں

گزارش

ایک اسکاٹ نے مرتے وقت اپنے عزیز ترین دوست سے کہا "اسکاچ کی وہ بوتل جو میں نے پچاس برس سے بچاکر... اور چھپاکر رکھی ہوئی ہے... میں چاہتا ہوں... میرے مرنے کے بعد وہ تم میری قبر پر چھڑک کر خالی کردو..."

"میں تمہاری وصیت پر ضرور عمل کروں گا..."

دوسرے اسکاٹ نے سسکیاں لیتے ہوئے کہا "لیکن اگر تم برا نہ مناؤ تو میں اس اسکاچ کو چھڑکنے سے پہلے اپنے گردوں کی چھلنی سے گزار لوں؟"

سخت گیر سیاسی لیڈروں کا قتل بھی شامل ہے۔"

میں گرین کو برا فائل اور اس کے ساتھ آئے ہوئے دوسرے کاغذوں کو بھولا ہوا تھا۔ جلال نے ان کا ذکر چھیڑا تو مجھے نیپال یاد آگیا "ان کاغذوں میں نیپال کے بارے میں بھی کافی مواد تھا۔ وہاں را کیا کرنا چاہ رہی ہے؟"

"وہ ایک افسوس ناک باب ہے۔ نیپال میں بی بکرم شاہ برینددرا کی مضبوط حکومت کو راولے انتہائی غیر دوستانہ سمجھتے ہیں۔ انہوں نے کھٹمنڈو کے شاہی محل میں خونی انقلاب لانے کے لیے محل کی حفاظتی فوج میں اپنے کافی آدمی شامل کردیے ہیں۔ وہاں سے کسی بھی وقت کوئی بری خبر آسکتی ہے۔ سب سے پہلے شاہ کو گولیوں کا نشانہ بنایا جائے گا۔"

"طاقت اور سازشوں کے بل پر کسی پڑوسی ملک کی حکومت کو اس طرح گرانا کیا بربریت نہیں ہے؟" اول خان نے غصے سے پیچ و تاب کھاتے ہوئے سوال کیا۔

"بربریت اور کھلی جارحیت ہے" ویرا نے اس کی تائید کی "امریکی ایجنسیاں اس سازش سے بے خبر نہیں ہوں گی مگر انہوں نے زبان اور آنکھیں بند کرلی ہیں۔"

"یہ سب اپنی جگہ بہت اہم ہے۔ ہم نے اپنا پیغام شاہ تک پہنچانے کی کوشش کی ہے مگر ناکام رہے ہیں۔ شاہ کو جان کا خوف دلا کر بھارت کے ہمدردوں نے اپنے ایسے مضبوط حصار میں لے لیا ہے کہ ہمارا پیغام درمیان میں روک لیا گیا۔ شاہ کے فرشتوں کو بھی علم نہیں کہ اس کے گرد منڈلاتے

Downloaded from https://paksociety.com

ہوئے لوگ کیا گل کھلا رہے ہیں۔"

"ایسے نازک وقت پر کوئی ایٹمی ہی وہ حصار توڑ کر شاہ کو ہوشیار کر سکتا ہے" اول خان بولا۔

"یہ کوشش جاری ہے مگر ڈر ہے کہ مفاد پرست ٹولہ ایسی درخواست بالا ہی بالا رد کردے گا" جلال نے اپنا خدشہ ظاہر کیا۔

"عجیب بے بسی ہے" میں نے مایوسی سے کہا "سب کچھ جانتے بوجھتے ہوئے بھی ہم کچھ کرنے کے قابل نہیں ہیں۔"

"وہ دور کی بات ہے۔ تم اپنا معاملہ دیکھ لو۔ بھارتیوں نے امریکیوں کے ساتھ مل کر تم کو ایسا بھیانک مجرم بنا دیا ہے کہ ہم تمہاری حمایت میں زبان نہیں کھول سکتے ورنہ وہ ہم پر عالمی دہشت گردی کی پشت پناہی کا الزام عائد کردیں گے۔"

"بھارت اتنی بڑی طاقت نہیں ہے۔ امریکا اسے اپنے مذموم عزائم کے لیے پال پوس رہا ہے" ویرا نے سگریٹ کا دھواں فضا میں بکھیرتے ہوئے کہا "وہ اس کی ہر جائز اور ناجائز روش پر مکمل چشم پوشی سے کام لیتا ہے۔"

"تمہاری یہ باتیں مایوسانہ سوچ کی چغلی کھا رہی ہیں" میں نے ویرا سے کہا "اگر ہم ان حالات کو من و عن تسلیم کرلیں تو پھر ہاتھ پیر چھوڑ کر بیٹھ جائیں۔ اپنے ملک کو حالات کے بے رحم اور ناموافق دھارے کے رحم و کرم پر چھوڑ دیں تاکہ جو کچھ اگلے دس برسوں میں ہونا ہے' وہ پانچ سالوں میں ہو جائے۔"

"میرا یہ مطلب نہیں ہے۔" ویرا نے جلدی سے کہا "کوششیں ہر حال میں جاری رہنی چاہئیں مگر حالات امید افزا نہیں ہیں۔"

"ابھی تک تم صرف ناموں پر غور کر رہی ہو۔ تم نے ان کی اہمیت کے بارے میں نہیں سوچا۔" میں نے طنز سے کہا "را والے اپنے پالیسی ساز سے محروم ہو چکے ہیں۔ انل بسواس را میں منصوبہ سازی کا سب سے بڑا ماہر تسلیم کیا جاتا تھا۔ اسی طرح جان اسمتھ سی آئی اے کا منصوبہ ساز دماغ تھا۔ وہ جنوبی ایشیا کے لیے اپنے ایک مہلک منصوبے کے ساتھ کراچی میں وارد ہوا تھا اور دہلی میں موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اپنے دو اعلیٰ دماغوں سے محروم ہونے کے بعد را اور سی آئی اے کا گٹھ جوڑ کم از کم دس پندرہ سال پیچھے چلا گیا ہے۔"

"تم صحیح کہہ رہے ہو۔" جلال نے جھٹ میری بات کی تائید کی "پاکستان کے ہر ہوش مند خیر خواہ کو ان دونوں کے عبرت ناک انجام سے خوشی ہوئی ہوگی۔"

"جلال نے ابھی ابھی بتایا ہے کہ جان ایش کوف نے اپنے مرنے والے ساتھی کو بہت بڑا امریکی قرار دیا تھا۔" سلطان شاہ نے یاد دلایا۔

"اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔" ویرا نے بے پروائی سے کہا "ہر مرنے والے کی خوبیوں کو بڑھا چڑھا کر بیان کیا ہی جاتا ہے۔" یہ کہہ کر وہ جلال کی طرف متوجہ ہو گئی "ابھی تم جان ایش کوف کی بھی بہت زیادہ تعریفیں کر رہے تھے اور اس کے سامنے اپنی بے بسی کا اظہار کر رہے تھے۔"

"وہ چالاک اور مکار پیشہ ور آدمی ہے۔ میں نے اس کی منصوبہ بندی کی صلاحیتوں کے بارے میں کچھ نہیں کہا تھا۔ وہ تفتیش کے فن کو بہت مہارت سے استعمال کر رہا تھا۔ سی آئی اے کی من مانیوں کے خلاف بغض و عداوت رکھنے کے باوجود ہم میں سے کوئی بھی کھل کر اس سے اختلاف نہیں کر سکا تھا۔"

"اس میں صلاحیتیں ہیں۔ اگر اسے اپنی کارکردگی کے جوہر دکھانے کا موقع ملے تو وہ شاید اپنے پیش رو کو بھی پیچھے چھوڑ دے۔" ویرا بولی۔

"دنیا میں بڑے بڑے نامور لوگ مر گئے لیکن کاروبار زندگی کبھی نہیں رکا۔" اول خان نے کہا "بلکہ دنیا دن بدن ترقی ہی کر رہی ہے۔ یہ ضرور ہوتا ہے کہ کسی کے ناگہانی مارے جانے سے اس کے کام کو دھچکا لگتا ہے۔ سی آئی اے ایک مدت تک جان اسمتھ کا نقصان نہیں بھلا سکے گی۔ اس نے اپنے مہرے سجائے ہوئے تھے۔ یہ بات صرف اس کے ذہن میں محفوظ تھی کہ اپنے منصوبے کو پایۂ تکمیل تک پہنچانے کے لیے اسے کس مہرے سے کیا کام لینا ہے۔ شاید نئے آنے والے کو جان کی چھوڑی ہوئی فائلوں سے یہ پتا چل جائے کہ اب اسے کن خطوط پر کام کرنا ہے لیکن ہر کام کے لیے موزوں آدمیوں کے انتخاب میں اسے سخت دشواریوں کا سامنا کرنا ہوگا۔"

"یہ بات قابل فہم ہے۔ ہر مرنے والے کی اپنی کوئی نہ کوئی افادیت ہوتی ہے۔" ویرا نے تسلیم کیا۔

"میں یہ بات دعوے سے کہتا ہوں کہ را میں انل بسواس کا کوئی متبادل نہیں ہے۔" جلال نے پورے اعتماد سے کہا "اس شخص کی ذات سے پاکستان کو بہت سنگین خطرات لاحق تھے۔"

"ہم نے ان دونوں سے چھٹکارا ضرور حاصل کرلیا لیکن اب حالات کے بڑھتے ہوئے دباؤ کے سامنے اپنے خول میں محصور ہونے اور سمٹنے پر مجبور ہو گئے ہیں۔ کیا اس طرح ان

Downloaded from https://paksociety.com

فائدوں کے اثرات کم نہیں ہوجاتے؟"

"میرا خیال ہے کہ تم اس وقت بحث برائے بحث کررہی ہو ورنہ یہ بات تمہیں بھی معلوم ہوگی کہ بڑی کامیابیوں کے بعد تعطل کے ایسے وقفے ضرور آتے ہیں۔" جلال بولا۔

ویرا اپنی بے ساختہ ہنسی کو نہ روک سکی "میں واقعی تم لوگوں کو ٹٹول رہی تھی۔ مجھے اندازہ ہے کہ بھارت کی سرزمین پر حاصل ہونے والی کامیابیاں بے مثال تھیں۔ کسی کی کوئی بھی کوشش ان کامیابیوں کی اہمیت کم نہیں کرسکتی۔"

"یہ سوال اپنی جگہ برقرار ہے کہ اب کیا کیا جائے۔" سلطان شاہ نے لقمہ دیا۔

"یہ تینوں بھارت میں بہت محنت کرکے آئے ہیں۔ دوسری طرف جان نے عزم کے ساتھ میدان میں اترچکا ہے۔ میرا یہ مشورہ اپنی جگہ برقرار ہے کہ تم لوگوں کو اپنی سرکردگیاں معطل کرکے کچھ دنوں کے لیے زیرِ زمین چلا جانا چاہیے تاکہ کچھ آرام کرسکو۔" جلال نے اپنی بات دہرائی۔

میں نے جلال کے مشورے کے افادہ پر کوئی تبصرہ نہیں کیا۔ میں اپنے ذہن میں نئی راہِ عمل مرتب کرنے کی کوشش کررہا تھا۔

جلال کو کراچی میں کچھ اور کام درپیش تھے سب سے پہلے اسے اپنے چیف کو اجلاس کے بارے میں بریف کرنا تھا۔ معمولی طور پر اسے وہ کام اجلاس ختم ہوتے ہی اور پہلی فرصت میں کرنا چاہیے تھا لیکن وہ ہماری کہانی میں ایک نئے اور طاقت ور حریف کی شمولیت پر ایسے ہیجان کا شکار ہوا کہ سب کچھ بھول بھال کر ہماری طرف دوڑا چلا آیا۔ اس کی کراچی آمد ہنگامی طور پر ہوئی تھی کیونکہ اس کا پہلے سے کوئی پروگرام طے نہیں تھا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ وہ کراچی آہی گیا ہے تو لگے ہاتھوں صدف مینشن کے بعض معاملات بھی نمٹالے۔ ان مصروفیات کے پیشِ نظر اس کے پاس وقت بہت کم تھا۔ ہم سب کے مشترکہ اصرار کے باوجود وہ کھانے کے لیے رکنے پر آمادہ نہیں ہوا اور خجلت میں ہم سے رخصت ہوگیا۔

"جلال نے ہمیں کوئی اچھی خبر نہیں سنائی۔" اس کے چلے جانے کے بعد ویرا نے منہ لٹکا کر کہا "نئے جان کی آمد کی خبر نے دہلی میں حاصل ہونے والی کامیابیوں کا نمار کرکرا کردیا ہے۔ پتا نہیں اب آنے والے دنوں میں کیا ہونے والا ہے۔"

"دن چڑھیں گے تو سب خود بخود سامنے آجائے گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا "تم پاکستان لوٹ آئی ہو۔ تمہیں اپنی آزادی کا مزہ کرکرا کرنے کی کوئی ضرورت نہیں۔ اپنی

مشہور مصنفین کی مشہور کتابیں

اسلام کے خاموش مبلغوں اولیائے کرام کے دلچسپ اور پُراثر واقعات

ضیاء تسنیم بلگرامی کے تحریر کردہ

روشنی کے مینار

قیمت -/150 روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

ضیاء تسنیم بلگرامی کے مضامین کا دوسرا مجموعہ

عظمت کے مینار

قیمت -/150 روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

محی الدین نواب کی ۱۰ معاشرتی کہانیوں کا مجموعہ

وہ فن پارے، جن کی آپ کو تلاش ہے۔

ایمان کا سفر

قیمت -/150 روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

محی الدین نواب کی کہانیوں کا دوسرا مجموعہ

جسے آپ آنکھوں سے نہیں دل سے پڑھیں گے۔

کچرا گھر

قیمت -/100 روپے ڈاک خرچ -۲۳ روپے

محی الدین نواب کا پہلا طویل معاشرتی ناول ان لوگوں کے لیے ایک تازیانہ ہے جو بیکریگی کے لبادے میں اپنا اصل چہرہ چھپا کر رکھتے ہیں

آدھا چہرہ

قیمت -/250 روپے ڈاک خرچ ۲۵ روپے

جرائم، جادو، شیطان ازم، ارواح، طنز و مزاح، اسرار و خوف، سسپنس اور تجسس پر مبنی ۲۶ کہانیاں

کالی کہانیاں

قیمت -/30 روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

مشہور چونکہ بلوٹ جو بے قیمت چیزیں گراں قدر معاوضے پر چراتا ہے

نک ویلوٹ کی چوریاں

دو حصے۔ قیمت فی حصہ -/50 روپے

قیمت -/50 روپے ڈاک خرچ ۲۳ روپے

-/200 روپے کی کتابیں ایک ساتھ منگانے پر ڈاک خرچ معاف

یہ سہولت پیشگی منی آرڈر ارسال کرنے پر ہی حاصل ہوگی

کتابیات پبلی کیشنز

رضوان سینٹر، بلوچ ایریا، آگرہ تاج کالونی، کراچی

فون: 5802562-5895313 فیکس: 5802561

Email: kitabiat@cyber.net.pk

پوسٹ بکس 23
کراچی 74200

Downloaded from https://paksociety.com

بری عادتوں کے مطابق عیش کرو اور بے فکر رہو۔ جو ہوگا' اسے دیکھنے والے بہت ہیں۔"

ویرا نے ترچھی نظروں سے میری طرف دیکھا اور دھیرے سے بولی "سورج ڈوب رہا ہے۔ دل میں امنگیں جوان ہو رہی ہیں۔ مجھے معلوم ہے کہ اب تم مولوی ہو چکے ہو۔ میں تمہیں پینے پلانے پر اصرار نہیں کروں گی لیکن میرے ساتھ تو بیٹھو گے نا۔"

میں نے نوشی میں جہانگیر جیسے گدھے کے ساتھ بھی بیٹھ جاتا تھا اور محض سگریٹیں پھونک کر اس کے جناتی گلاسوں کی تعداد گنتا رہتا تھا۔ ذہنی طور پر ویرا اس سے کہیں بہتر تھی۔ میں نے ہنستے ہوئے وعدہ کرلیا کہ اول خان سے مذاکرات سے فارغ ہونے کے بعد میں اس کے ساتھ کچھ وقت گزاروں گا۔

سورج کے ڈوبنے اور امنگوں کے جاگنے کے بارے میں ویرا نے غلط بیانی سے کام نہیں لیا تھا۔ ماضی میں جب میں بھی بلا کا مے نوش ہوا کرتا تھا۔ مجھے بارہا یہ تجربہ ہوا تھا کہ کھلی فضاؤں میں اندھیرے کی چادر محیط ہوتے ہی شراب کی طلب بیدار ہونے لگتی تھی اور جب تک اعصاب کی تپش کو کندنی سیال کی ٹھنڈک فراہم نہ کی جائے' یہ طلب لحہ بہ لحہ بڑھتی ہی چلی جاتی تھی۔

ویرا ہمارے ساتھ ڈرائنگ روم میں واپس نہیں آئی بلکہ اپنے ڈرائنگ روم میں جا گھسی جسے اس نے اپنے ستھرے ذوق کے مطابق سجایا ہوا تھا۔ میں اول خان کے ساتھ کمرے کے ایک گوشے میں بیٹھ گیا۔ سلطان شاہ نے غزالہ کے ساتھ ڈرائنگ روم کا دوسرا گوشہ سنبھال لیا۔

سلطان شاہ کافی دنوں تک تنہا رہا تھا۔ اول خان اپنی دفتری مصروفیات کی وجہ سے اسے خاطر خواہ وقت نہیں دے پاتا تھا جس کی وجہ سے سلطان شاہ کے مزاج میں چڑچڑے پن کے ساتھ ہٹ دھرمی بھی عود کر آئی تھی۔ اپنی اسی رو کے تحت وہ بھڑک کر اس ناہنجار بھارتی ایجنٹ کی لاحاصل تلاش میں نکل کھڑا ہوا تھا جس نے راولوں کے لیے کراچی میں مظہر خان کے کوائف کی تصدیق کی تھی۔

لاہور میں جلال کے مہمان خانے میں رات بھر کے قیام کے دوران سلطان شاہ اپنی خواب گاہ میں اکیلا محصور رہا تھا اس لیے اسے اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کا کوئی کھلا موقع نہیں مل سکا تھا۔ ہمارے کراچی پہنچنے کے بعد کچھ ابتدائی وقت اول خان کی نذر ہوگیا۔ اس کے بعد جلال کا فون ہمارے اعصاب پر سوار رہا۔ ہم لوگ جلال کی آمد کے انتظار میں مسلسل اس کی دی ہوئی اطلاعات پر تبادلہ خیال کرتے رہے۔

جلال کے جانے کے بعد سلطان شاہ کو پہلی بار فرصت میسر آئی تھی اور وہ دل کھول کر اس سے فائدہ اٹھا رہا تھا۔ وہ غزالہ کے ساتھ کچھ دیر تک ڈرائنگ روم میں بیٹھا رہا۔ جسے اس نے مجھے اول خان کے ساتھ گفتگو میں منہمک پایا تو خاموشی کے ساتھ غزالہ کو اپنے ساتھ لے کر کمرے سے کھسک گیا۔

"جان اسمتھ امریکی سی آئی اے میں بہت اہم پوزیشن کا حامل تھا۔ اس کے قتل کے ردِعمل میں امریکیوں کی غیر معمولی سرگرمی میرے لیے متوقع تھی۔" اول خان کہہ رہا تھا۔

"مجھے بھی یقین تھا کہ اس کی موت پر وہ خوف زدہ ہو کر خاموش نہیں بیٹھیں گے۔" میں نے اس کی تائید کرتے ہوئے کہا "مگر مجھے یہ امید نہیں تھی کہ دہلی کے واقعات کے بارے میں اتنی سرعت سے میرا نام ابھر آئے گا۔"

"اس میں ان لوگوں کے کمال سے زیادہ تمہاری بے احتیاطی کا دخل ہے۔" اول خان نے اپنی دو ٹوک رائے صادر کردی۔ "میں نے تمہاری کہانی بہت غور سے سنی تھی اور اب جلال کی زبانی بہت کچھ سنا ہے۔ یہ سارا فتور بیم گن کے استعمال سے پھیلا ہے۔ سی آئی اے والے تو پھر بھی ذہین ہوتے ہیں۔ تم نے بتایا تھا کہ بنگلور نے تمہیں بھارتی فوجیوں بیم گن استعمال کرتے ہوئے دیکھ کر خوف زدہ ہونے کے باوجود' پہچان لیا تھا۔ دہلی اور پھر امرتسر کے مضافات میں پھیلے ہوئے سرحدی جنگل میں بیم گن کے استعمال سے تمہاری گزرگاہوں کی نشان دہی ہوگئی اور بات تیزی سے آگے بڑھ گئی۔"

"دونوں مواقع پر میرے لیے احتیاط کی کوئی گنجائش نہیں تھی۔ کسی متبادل طریقے کے استعمال کے لیے میرے ذرا سے تذبذب کی قیمت صرف اور صرف میری زندگی ہوتی ہے۔ میں بیم گن استعمال نہ کرتا تو حریفوں کے جوابی وار سے میرا بچنا محال ہو جاتا۔" میں نے اپنی صفائی پیش کی۔

"جو کچھ ہوگیا اس پر کفِ افسوس ملنا بے کار ہے۔ سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کے قتل کی خبر ملنے کے بعد مجھے دلی خوشی ہوئی تھی کہ روئے زمین سے ایک بہت بھاری کتے کا صفایا ہوگیا اور اب اس بارے میں کبھی پاکستان پر الزام تراشی نہیں کی جاسکے گی مگر ایسا نہیں ہوسکا۔"

"یہ سب مقدرات کی باتیں ہیں جو اٹل ہوتی ہیں۔ انہیں بدلنا انسان کے بس سے باہر ہوتا ہے۔ یہ واقعی ہماری

Downloaded from https://paksociety.com

بدقسمتی ہے کہ بھارت کی سرزمین پر کھیلی جانے والی خون کی ہولی کا داغ بھارتیوں کی پیشانی کو آلودہ کرنے کے بجائے ہمارے دامن کو داغ دار کرتا ہوا نظر آرہا ہے۔"

"نیا جان اپنی پوری تھیوری تحریری شکل میں لے کر آیا ہے!" اول خان کی آواز عجب آمیز تھی۔

"یہ جان کا کمال نہیں ہے۔ جلال بتا چکا ہے کہ وہ رپورٹ فیرفیکس کے علاقے میں بیٹھے ہوئے امریکی عہدے داروں نے سنی سنائی باتوں کی مدد سے مرتب کی ہے۔" میں نے کہا۔

"پھر بھی ان کی کوشش قابل تعریف ہے۔ جائے واردات سے ہزاروں میل دور بیٹھ کر اتنی صحیح رائے قائم کرنا آسان نہیں ہے۔"

"ابھی تم خود کہہ چکے ہو کہ اس کامیابی میں امریکیوں کی صلاحیتوں سے زیادہ میری بے احتیاطی کا دخل ہے۔"

اول خان بے ساختہ ہنس پڑا پھر بولا "سب سے بڑی مشکل یہ ہے کہ تم سنی ہوئی ہر بات یاد رکھتے ہو۔۔۔ یہ بتاؤ کہ اب تم کیا سوچ رہے ہو۔"

"جان کی تحقیقات کو روکنا ضروری ہوگیا ہے۔" میں نے سنجیدگی سے کہا "اس کی کامیابی سے ہمارے دشمنوں کے حوصلے بڑھ جائیں گے۔"

"اس کے کام میں روڑے اٹکانا آسان ہے مگر بات پھر وہیں آجاتی ہے کہ پاکستان میں اب کسی امریکی کو نقصان نہیں پہنچنا چاہیے۔ اسی فیصلے کی وجہ سے ہم جان اسمتھ سے دور رہے تھے۔ اس کی موت اگر اسے دھکیل کر دہلی نہ لے جاتی تو وہ آج بھی زندہ ہوتا۔"

"جان ایش کوف بھی دہلی جارہا ہے۔ مجبوری یہ ہے کہ ہم وہاں سے واپس آچکے ہیں اور آئی بی کے ایجنٹ کسی قیمت پر اس پر ہاتھ نہیں ڈالیں گے۔" میں نے متاسفانہ لہجے میں کہا۔

"رینا اجیت رائے دہلی میں تمہاری سب سے بڑی ہمدرد اور دوست تھی۔ کیا تم اس سے کوئی کام نہیں لے سکتے؟"

"وہ بے خبری میں میری آلہ کار بنی ہوئی تھی۔ اسے میرے اوپر شبہ بھی ہوجاتا تو وہ ہرگز میرے قریب نہ آتی اور اب تک تو وہ بے چاری بھی عتاب میں آچکی ہوگی۔ وہ دلکش اور جوان ضرور ہے مگر جذباتی لڑکی ہے۔ میرے ایک ذرا سے احسان سے مغلوب ہوکر میری ہمدرد، غم گسار اور رازدار بن گئی تھی۔ را کے باراں دیدہ بھیڑیوں نے اسے بھارت ماتا پر ڈینی کے ظلم وستم کی اندوہناک کہانیاں سنانی شروع کردیں تو وہ رو رو کر سب کچھ اگلتی چلی جائے گی اور پھر اپنی چمڑی ادھڑوا لے گی۔"

"میری خواہش ہے کہ جان کے خلاف کچھ نہ کچھ کیا جائے۔"

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی اور کہا "یہ تم اس لیے کہہ رہے ہو کہ آج کے اجلاس میں ایس ٹی ایف شریک نہیں تھی اس لیے تمہارے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔"

"اس سے پہلے کہ ہمارے ہاتھ بھی بندھ جائیں، ہمیں کچھ نہ کچھ کر گزرنا چاہیے" اس نے میرے تبصرے کا برا منائے بغیر جواب دیا۔

"میرے ذہن میں کچھ کھچڑی سی پک رہی ہے مگر مشکل یہ ہے کہ میں اسے نہیں پہچانتا۔ میں نے اسے نہیں ملانے کے لیے آمادہ کرلیا اور اس نے اپنی جگہ کسی اور امریکی ہندر کو بھیج دیا تو میں دھوکا کھا جاؤں گا۔" میں نے کچھ سوچتے ہوئے اپنی مجبوری کا اظہار کیا۔

"وہ سی آئی کا بہت پرانا افسر ہے اور ترقی کرتے کرتے اس مقام پر پہنچا ہے۔ وہ افغانستان پر روسیوں کی یلغار کے زمانے میں پاکستان آتا جاتا رہتا تھا اور کافی عرصے پشاور میں مقیم رہا تھا۔" میں نے اسے دیکھا ہوا ہے۔ پہلی نظر میں اسے پہچان لوں گا۔"

"شاید اسی لیے میٹنگ میں شریک ہونے والے پاکستانی افسروں سے اس کی بے تکلفانہ جان پہچان تھی۔ مجھے حیرت ہے کہ جلال نے اس کے پاکستان میں پچھلے قیام کا کوئی ذکر نہیں کیا۔"

"اس کے پاس وقت کم تھا اور سر پر زیادہ مسائل سوار تھے، بھول گیا ہوگا۔"

"پشاور میں جان کیا کرتا رہا تھا؟" میں نے پوچھا۔

"افغانستان میں دیرپا وہ کئی امریکی ایجنسیاں افغانیوں کی دل کھول کر مدد کررہی تھیں۔ انہیں ہتھیار، گولا بارود اور رسد فراہم کی جارہی تھی۔ باہر سے آنے والے عرب اور دوسرے ایشیائی مجاہدین کی حوصلہ افزائی کی جارہی تھی اور پہاڑوں میں موجود قدرتی سرنگوں کے جال کو ایسے ناقابل شکست بنکر وغیرہ میں تبدیل کیا جارہا تھا جہاں محصور ہونے کی مدت تک روسیوں کا مقابلہ کیا جاسکے۔ ان سرگرمیوں کے لیے سرمایہ درکار تھا۔ سی آئی اے کے فنڈز جان تقسیم کرتا تھا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"پھر تو وہ پاکستان اور پاکستانیوں سے بڑی حد تک واقف ہوگا" میں نے رائے زنی کی۔

"یقیناً واقف ہے۔ اسی لیے اس کو پاکستان بھیجا گیا ہوگا۔ اجنبی چہروں کے مقابلے میں شناسا افسر زیادہ سہولت سے کام کرلیتے ہیں۔"

"جلال نے یہ بات خاص طور پر بتائی تھی کہ آج کے اجلاس کی فضا شروع سے آخر تک دوستانہ تھی۔"

"یہ باتیں بعد میں بھی ہوتی رہیں گی۔ ابھی تک تم نے یہ نہیں بتایا کہ تمہارے ذہن میں کیا کھچڑی پک رہی ہے۔"

"ابھی تھوڑی دیر میں سب کچھ تمہارے سامنے آجائے گا۔ یہ بتاؤ کہ اس وقت جان کہاں ہوسکتا ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

"یقین سے کچھ نہیں کہا جاسکتا۔ ہوسکتا ہے کہ اس وقت امریکی قونصل خانے میں ہو۔ وہاں عام طور پر دیر تک کام ہوتا ہے۔ جلال بھی کہہ رہا تھا کہ اسے کمپیوٹر پر اپنے ہیڈ آفس سے رابطہ کرنا ہے۔ قونصل خانے میں ساری سہولتیں دستیاب ہوں گی... یہ تو بتاؤ کہ تم کیا کرنا چاہ رہے ہو؟"

"فی الحال اسے فون کرنے کا ارادہ ہے۔ سی ایس ڈی کی موجودگی میں میں کھل کر اس سے بات کرسکوں گا۔"

"کیا بات کرو گے؟" اول خان نے صوفے پر بے چینی سے پہلو بدل کر پوچھا۔

"اس کا انحصار اس کے موڈ اور رویے پر ہے۔ پہلی بات یہ ہے کہ وہ فون پر آجائے۔"

"تو پھر قونصل خانے سے ہی ابتدا کرو۔ اس وقت تمہارے تینوں ساتھی بھی یہاں سے ٹلے ہوئے ہیں۔"

"ویرا اب ذرا بے شرم ہوگئی ہے۔ کسی بھی لمحے اپنے گلاس سمیت ناگہانی ٹپک پڑے گی۔ وہ غلط وقت پر آگئی تو اس کی مداخلت سے سارا کھیل بگڑ جائے گا۔"

"اسے دیکھ لو۔ ہوسکتا ہے کہ وہ اپنے شغل میں مگن ہو" اول خان نے مسکراتے ہوئے خیال ظاہر کیا۔

میں ڈرائنگ روم سے اٹھ گیا۔ سلطان شاہ، غزالہ کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھا چائے پی رہا تھا۔ وہ دونوں جوش و خروش سے باتوں میں مصروف تھے۔

"آؤ! تم بھی آجاؤ۔ معلوم ہوتا ہے کہ تمہارے اور اول خان کے رازونیاز ختم ہوگئے ہیں" دروازے پر میری جھلک دیکھتے ہی سلطان شاہ دھیمی آواز میں چہکا تاکہ اس کی آواز اول خان کے کانوں تک نہ پہنچ سکے "اس وقت غزالہ مجھے بیلا سنگھ کے بارے میں بتا رہی ہے، تم نے بہت سنگ دلی

دنیا کے 6 حیرت انگیز علوم

- پانسہ پھینکئے۔ قسمت کا حال معلوم کیجئے
- تاش کے پتوں سے قسمت شناسی
- ماتھے کی لکیریں کیا کہتی ہیں!
- خال اور تل..... کردار بتاتے ہیں!
- شگون..... سعد و نحس!
- خواب..... مستقبل کے پیامبر!

قیمت 25 روپے ڈاک خرچ 23 روپے

کتاب کی قیمت منی آرڈر ارسال کریں

خط و کتابت کا پتہ
مکتبہ نفسیات
پوسٹ بکس 944 رمضان چیمبرز ٹاور یا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ کراچی 74200
فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551
کتابوں کی قیمتیں اور ڈاک خرچ جون ۲۰۰۱ء میں کسی بھی وقت تبدیلی ہوسکتی ہے 1-6-2001

kitablat@hotmail.com
kitablat1970@yahoo.com

Downloaded from https://paksociety.com

سے اس بے چاری کا دل توڑا ہے۔"

"تم غزالہ سے دہلی کی حکایتیں سنتے رہو۔ ابھی میں مصروف ہوں اور مزید کچھ دیر کے لیے تخلیہ چاہتا ہوں" میں نے دروازے پر کھڑے کھڑے کہا۔

"باتوں میں مزہ آرہا ہے۔ جب تک خود نہیں بلاؤ گے' ہم دونوں میں سے کوئی تمہاری اور اول خان کی خلوت میں مخل نہیں ہوگا۔"

'ویری گڈ!" میں نے تحسین آمیز لہجے میں کہا "تم دونوں ہی سعادت مند بچے ہو۔"

انہیں نمٹا کر میں ویرا کے کمرے کی طرف بڑھ گیا۔ اس کا دروازہ بند تھا اور اندر پھیلی ہوئی مشرقی موسیقی کا دھیما دھیما آہنگ باہر راہ داری میں بھی سنائی دے رہا تھا۔ اس میں یہ خاص خوبی تھی کہ وہ مے نوشی کا شغل شروع کرنے سے پہلے اپنے دروازے کا پٹ بند کرلیتی تھی۔

میں نے لحظہ بھر توقف کے بعد بند دروازے پر دستک دی' ویرا نے یہ جانے بغیر کہ دروازے پر کون ہے' اندر سے کم ان کی ہانک لگادی۔ میں نے ہینڈل گھمایا تو دروازہ اندر سے مقفل یا بولٹ نہیں تھا۔ ذرا سے دباؤ سے اندر کھلتا چلا گیا۔

ویرا خاصے بے حجابانہ بلکہ اشتعال انگیز لباس میں اپنی مسہری پر اسکاچ کا گلاس لیے نیم دراز تھی اور پنجابی آواز میں کیسٹ پلیئر چل رہا تھا۔ اپنے دروازے پر مجھے دیکھ کر ویرا کا چہرہ کھل اٹھا اور گلاس میری طرف بلند کرکے بولی "آج میرا دل گواہی دے رہا تھا کہ تم اپنے وعدے کا پاس کرو گے اور اپنا کچھ وقت میرے ساتھ ضرور گزارو گے۔ دیکھ لو' آج میں نے تمہارے لیے خاص طور پر یہ شان دار کپڑے پہنے ہیں..."

"میں تم سے کچھ دیر کی اجازت لینے آیا تھا" میں نے بھرپور مسکراہٹ کے ساتھ کہا "میں مزید دس پندرہ منٹ کے لیے اول خان کے ساتھ مصروف ہوں۔ اس سے نمٹ کر تمہارے پاس آؤں گا۔"

"میں انتظار کرلوں گی" اس نے خوشی سے میری معذرت قبول کرلی "تم اطمینان سے اس سے بات ختم کرلو۔"

"ان کپڑوں میں اپنے کمرے سے باہر نہ نکل آنا" میں نے بالواسطہ طور پر اس کی طرف سے عدم مداخلت کی یقینی دہانی چاہی "تماشا بن جاؤ گی۔"

"تم فکر نہ کرو۔ پاکستان میں اتنی مدت گزار کر اب مجھے بھی اپنے بدن کی قدر و قیمت کا اندازہ ہوگیا ہے۔ میں ایک لڑکی ہوں اور کسی لڑکی کو غیر ضروری طور پر اپنے بدن کی نمائش نہیں کرنی چاہیے۔ یہ امریکا اور مغرب کا گندا دستور ہے کہ وہاں مرد مستور رہتے ہیں اور عورتیں کھلی پھرتی ہیں۔"

"کبھی کبھی تم واقعی دانش ور بھی ہوجاتی ہو۔ بس میں ذرا سی دیر میں آتا ہوں" میں نے اس کی طرف ہاتھ لہرایا اور دروازہ بند کرکے واپس ڈرائنگ روم کی طرف ہولیا۔

ڈرائنگ روم میں اول خان کے سامنے کراچی کی ٹیلی فون ڈائریکٹری کی پہلی جلد رکھی ہوئی تھی۔ اس نے ڈائریکٹری سے امریکی قونصل خانے کے فون نمبر نوٹ کرلیے تھے۔

میں نے گھر پہنچنے کے بعد سی ایس ڈی کو پہلی فرصت میں فون لائن سے جوڑ دیا تھا۔ میں نے ڈرائنگ روم میں موجود انسٹرومنٹ سنبھالا اور ایک براہ راست نمبر ملانے میں مصروف ہوگیا۔ دفتری اوقات ختم ہوجانے کی وجہ سے اس وقت ٹیلی فون کے سوئچ بورڈ سے جواب ملنے کی کوئی توقع نہیں تھی۔

پانچویں گھنٹی بجنے کے بعد دوسری طرف سے جواب دینے کی ریکارڈنگ مشین چل پڑی۔ وہ خالص امریکی لب ولہجے میں ریکارڈ کیا ہوا ایک نسوانی معذرتی پیغام تھا جس کے آخر میں مخاطب سے اپنا نام اور پتا چھوڑنے کی درخواست کی گئی تھی۔ میں نے پورا پیغام سن کر فون بند کردیا۔

دوسرے نمبر سے فوری طور پر جواب مل گیا۔ پہلا نمبر ملاتے ہوئے میں یہ فیصلہ کرچکا تھا کہ رابطہ قائم ہوجانے پر عربی لب ولہجے میں انگریزی بولوں گا۔ مقامی آواز کو شاید زیادہ اہمیت نہ دی جاتی' امریکی یا کسی یورپی لہجے کی نقل میرے لیے دشوار ہوتی کیونکہ میرا گفتگو کو طول دینے کا ارادہ تھا۔

"میں عبدالماجد الحسینی بول رہا ہوں۔ مجھے مسٹر جان ایسٹکوف سے بات کرنی ہے" میں نے روانی سے کہا۔

"یہ جان کا نمبر نہیں ہے اور دفتر کا وقت ختم ہوچکا ہے" خشک امریکی لہجے میں جواب دیا گیا۔

اس نے یہ نہیں کہا تھا کہ وہ جان کو نہیں جانتا یا وہ دفتر میں نہیں ہے۔ میں نے اصرار کیا "بات بہت ضروری ہے۔ میں معذرت خواہ ہوں کہ میں نے تمہیں زحمت دی۔ ہوسکے تو اس سے میری بات کرادو۔"

"میں نے دو باتیں بتائی ہیں۔ یہ جان کا نمبر نہیں ہے اور دفتر پانچ بجے بند ہوچکا ہے۔ میرا سوا بیشتر لوگ جاچکے ہیں۔"

"پھر جان سے کہاں رابطہ ہوسکے گا؟" میں نے کسی

Downloaded from https://paksociety.com

میابی کی امید میں سوالات کا سلسلہ جاری رکھا۔

"میں اس نام کے کسی ملازم سے واقف نہیں ہوں" یہ کہہ کر فون بند کردیا گیا۔

میں نے ایک گہرا سانس لے کر ریسیور کو گھورا' کریڈل دابا کر لائن منقطع کی اور نمبر ری ڈائل کرنے والا بٹن دبادیا۔

"ہیلو!" اس مرتبہ وہ بھنائی ہوئی آواز کتے کی غراہٹ سے مشابہ تھی۔

"مجھے معلوم ہے کہ جان ایشکوف تمہارے دفتر میں ملازم نہیں ہے" اس بار میں نے کسی تمہید کے بغیر خوشامدانہ لہجے میں اپنی بات شروع کردی "مجھے بتایا گیا تھا کہ وہ آج شام استنبول سے کراچی پہنچے گا اور میرا نام سن کر مجھ سے بات کرنے پر ضرور آمادہ ہوجائے گا۔"

"تمہیں اس سے کیا کام ہے؟" اس بار میرے مخاطب نے کوئی دوٹوک جواب نہیں دیا تھا۔

"یہ میں کسی کو نہیں بتا سکتا" میں نے ملجائی ہوئی آواز میں کہا "یہ سمجھ لو کہ جان اسی سلسلے میں یہاں آیا ہے' میں اس کا کام آسان کرسکتا تھا۔"

وہ قونصل خانے کا کوئی باخبر ملازم تھا۔ میرے آخری لفظوں میں پنہاں اشارے کو بلا تامل بھانپ گیا کہ میں ڈینی یا ظہیر خان کے سلسلے میں کوئی بات جان تک پہنچانے کے لیے بے چین ہو رہا تھا کیونکہ جان صرف ان دونوں کی تلاش میں کراچی آیا تھا "اپنا فون نمبر لکھوادو۔ جان چاہے گا تو تم سے رابطہ کرلے گا" اس نے ہدایت دی۔

"میں ایک چھوٹے ہوٹل میں ٹھہرا ہوا ہوں۔ وہاں صرف کاؤنٹر پر ایک فون ہے۔ جس پر رازداری سے بات نہیں ہوسکتی۔ میں ویسے بھی ایک کوچہ گرد سیلانی ہوں۔ اگر جان نے فون کیا اور میں ہوٹل میں موجود نہ ہوا تو میرا اور اس کا بھاری نقصان ہوجائے گا۔ اس وقت بھی میں ایک پبلک بوتھ سے بات کررہا ہوں۔"

"سوری! میں اس سے زیادہ کچھ نہیں کرسکتا۔ اب دوسری بار فون کرکے میرا وقت برباد نہ کرنا" اس نے دوبارہ فون بند کردیا۔

میں نے جھلا کر ریسیور کریڈل پر پٹخ دیا۔ اس امریکی کا رویہ سراسر سرد مہری اور بے اعتنائی پر مبنی تھا مگر اس نے جو گفتگو کی تھی وہ بے معنی نہیں تھی۔ اگر جان اس وقت قونصل خانے میں موجود ہوتا تو شاید وہ اس سے میری بات کرادیتا۔ میرے فون نمبر پر اس کے اصرار سے یہ اندازہ ہو رہا تھا کہ جان وہاں موجود نہیں تھا۔

ثبوت

فلم کے پریس شو کے بعد ایک نئے اداکار نے پرجوش لہجے میں ایک فلمی نقاد سے پوچھا "آپ نے میری فلم دیکھی؟"

"لگتا تو یہی ہے ....." فلمی نقاد نے پیشانی مسلتے ہوئے جواب دیا۔ "کیونکہ سر میں کافی درد ہو رہا ہے۔"

اول خان کی یہ بات قرین قیاس نہیں تھی کہ جان کو محض فون یا کمپیوٹر کی وجہ سے قونصل خانے میں بیٹھنا پڑا ہوگا۔ وہ سہولتیں اوسط درجے کے بیشتر گھروں میں بھی پائی جاتی تھیں۔ جان کی عارضی قیام گاہ میں ان کا فقدان نہیں ہوسکتا تھا۔

"اب جان کو شہر میں کہاں ڈھونڈا جائے؟" اول خان نے فکرمندی سے کہا "کلفٹن اور ڈیفنس کے علاقے کی بہت سی عمارتیں امریکیوں کے زیر تصرف ہیں۔"

میرے ذہن میں ایک خیال کوندے کی طرح لپکا۔ وہ اس وقت دہلی جانے کے ارادے سے عارضی طور پر کراچی آیا تھا لیکن اس نے مشترکہ اجلاس میں اس عزم کا اظہار کیا تھا کہ دہلی سے واپسی پر وہ کراچی میں طویل قیام کرے گا تاکہ ڈینی کے فتنے کا سدباب کرسکے۔

ہمارا سابقہ تجربہ اس بات کا گواہ تھا کہ امریکا سے آنے والے افسروں کے لیے نئے مکان حاصل کرنے کے بجائے ان محفوظ گھروں کے استعمال میں تسلسل کو اولیت دی جاتی تھی جو پہلے سے کسی اور امریکی کے استعمال میں رہے ہوں۔ اوبرائن ڈی ہنٹ مارا گیا تھا تو چند روز بعد جان اسمتھ کو اس کا جانشین بنایا گیا تھا اور وہ اسی فلیٹ میں مقیم تھا جہاں اوبرائن رہتا تھا۔ جان اسمتھ کی موت کے بعد وہ فلیٹ خالی ہوچکا تھا۔ جان ایشکوف اگر اس کی جگہ لینے کا ارادہ رکھتا تھا تو اس کے لیے جان اسمتھ کے سجے سجائے فلیٹ سے بہتر قیام گاہ کا ملنا مشکل تھا۔

"وہاں کوشش کرلینے میں کوئی حرج نہیں ہے" اول خان نے میرے اس خیال سے واقف ہونے کے بعد کہا "تمہاری بات دل کو لگتی ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

اس مکان کا نمبر مجھے زبانی یاد تھا۔ میں نے دل ہی دل میں اللہ کا نام لے کر وہ نمبر ملالیا۔ دوسری گھنٹی بجنے کے بعد کلک کی ہلکی سی آواز کے ساتھ رابطہ قائم ہوا لیکن لائن فوراً ڈراپ ہوگئی اور میرے کان میں دوبارہ فون کی ڈائل ٹون گونجنے لگی۔

"کسی نے فون اٹھایا تھا لیکن بات ہونے سے پہلے لائن کٹ گئی" میں نے اول خان کی مستفسرانہ نظروں کے جواب میں بتایا "میں دوبارہ کوشش کرتا ہوں۔"

"تمہارا یہ اندازہ درست ہے کہ وہ فلیٹ غیر آباد نہیں ہے۔ خدا کرے جان ہی وہاں موجود ہو" اول خان کی آنکھیں چمکنے لگیں۔

میرے دوسرے تجربے کا انجام بھی مختلف نہیں تھا۔ لائن ملی اور فوری طور پر کٹ گئی۔ اس بار میں چوکنا تھا۔ میں نے اپنے بیڈ روم میں واضح طور پر سی ایس ڈی کے بزر کی آواز سنی تھی۔ اس وقت میں ایک مشکل سے گزر رہا تھا اس لیے میرا ذہن بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔ میں چند ثانیوں تک ریسیور اپنے کان سے لگائے ڈائل ٹون سنتا رہا پھر بات سمجھ میں آگئی۔

میرے ریسیور پر ڈائل ٹون لوٹنے کا مطلب تھا کہ جان کی طرف کوئی گڑبڑ نہیں تھی۔ سلسلہ ملتے ہی سی ایس ڈی اپنا کام دکھا رہی تھی۔ اس کے فعال ہونے کا راز مجھے جلال کی زبانی معلوم ہو چکا تھا۔ اس نے اجلاس میں جان اسمتھ کے فون سے منسلک ٹیپ ریکارڈر کا ذکر کیا تھا جس پر ویرا کی دھمکی آمیز کالز ریکارڈ کی گئی تھیں۔ شاید ویرا کے پہلے فون کے بعد جان نے وہ بندوبست کیا تھا کہ ریسیور اٹھاتے ہی ٹیپ ریکارڈر بھی چل پڑے اور دونوں طرف کی آوازیں مقناطیسی فیتے پر محفوظ ہو جائیں۔ اس صورت میں ایک نمبر پر بیک وقت دو کنکشن مل جاتے تھے۔ ریسیور اور ٹیپ ریکارڈر کے ایک ساتھ فعال ہونے پر سی ایس ڈی خطرے کی گھنٹی بجا کر لائن کاٹ رہی تھی۔

مجھے تیسری بار ریسیور اٹھاتے دیکھ کر اول خان بولا "بار بار وقت کیوں خراب کر رہے ہو؟ یہ دو مرتبہ کیا گڑبڑ ہوئی ہے؟"

اول خان میرا قابل اعتماد شریک کار تھا۔ ہر کارروائی کے بارے میں اس کا اطمینان بھی ضروری تھا۔ میں نے اسے اپنے ذہنی تجزیے میں شریک کرلیا۔

"بعض اوقات تمہاری ذہانت کمال کرتی ہے۔ یہ باریک نکتہ میرے ذہن میں نہیں آسکتا تھا" اس نے کہا۔

"بس مجھے یہ یاد آگیا کہ اجلاس میں جان اسمتھ کے فون سے جڑے ہوئے ٹیپ ریکارڈر کا ذکر آیا تھا ورنہ میں بھی الجھا رہتا کہ یہ کیا کھیل ہو رہا ہے؟"

"بات واضح ہوگئی ہے تو اب نمبر ملانے سے پہلے سی ایس ڈی آف کردو تاکہ تیسری مرتبہ لائن ڈراپ نہ ہو" اس نے مشورہ دیا۔

"لاحول ولا قوۃ" میں نے خفت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ ریسیور کریڈل پر رکھا اور اپنی جگہ چھوڑ دی "مسئلہ حل ہوگیا تھا اس لیے دماغ پھر کند ہوگیا۔"

میں نے اپنے بیڈ روم میں جا کر سی ایس ڈی کو آف کیا اور دوبارہ اول خان کے پاس لوٹ آیا۔

"کال ریکارڈ ہوگئی کیا یہ بہترین نہیں ہوگا کہ تم یہاں کے بجائے باہر کسی بوتھ سے بات کرلو" اول خان نے سوچ سمجھ کر مشورہ دیا۔

"گفتگو ضرور ریکارڈ ہوگی مگر جان کو ہمارے نمبر کا علم نہیں ہوسکے گا" میں نے کہا کیونکہ ان دنوں سی ایل آئی کی سہولت رائج نہیں ہوئی تھی۔

"امریکی ٹیکنالوجی دنیا سے بہت آگے ہے۔ ہوسکتا ہے کہ انہوں نے اس کا بھی کوئی بندوبست کرلیا ہو۔ احتیاط ہر حال میں بہتر ہوتی ہے۔"

"آؤ! پھر باہر ہی چلتے ہیں" میں نے اس سے بحث کرنے کے بجائے اس کی تجویز مان لی۔ اول خان کی گاڑی گھر سے باہر کھڑی ہوئی۔ ہم اس میں قریبی بازار کی طرف چل دیے۔ پہلا فون بوتھ نظر آتے ہی اول خان نے گاڑی روک دی اور میرے ساتھ نیچے اتر آیا۔

"اب یہ نہ کہہ دینا کہ ہمیں گلشن اقبال کے بجائے کسی اور علاقے کا فون بوتھ استعمال کرنا چاہیے" میں نے کہا اور پھر اس کی بے ساختہ ہنسی میں شریک ہوگیا۔

بوتھ میں داخل ہو کر میں نے دل کی تیز دھڑکنوں کے ساتھ جان کا نمبر ملایا۔ پہلی گھنٹی ختم ہونے سے پہلے ہی عجلت میں ریسیور اٹھالیا گیا اور میرے کانوں میں ایک مردانہ ہائے گونج اٹھی۔ وہ خالص امریکی طرز کی ہیلو تھی۔ مجھے خوشی ہوئی کہ میری اور اول خان کی مشترکہ جدوجہد رائگاں نہیں گئی تھی۔ ہم اپنے مطلوب آدمی سے رابطہ کرنے میں کامیاب ہوگئے تھے۔

انسانیت کے دشمنوں کی اس داستان عبرت کے باقی واقعات آئندہ شمارے میں ملاحظہ کیجئے

Downloaded from https://paksociety.com

گئی۔ دیرا میری دوست تھی مگر غزالہ ایک مدت سے میری محبت تھی۔ حالات کی ستم ظریفی کہ ہم دونوں کو مکاؤ میں ژون کو الگ ژونا ای ایک چینی بدمعاش کے دباؤ پر شادی پر مجبور ہونا پڑا۔ دوسری طرف امریکا میں آنرک بیل نامی ایک نسل پرست یہودی دہشت گرد اپنے اثر و رسوخ کی بنا پر شی کے بے انداز دھن و سائل پر قابض ہو کر انہیں ژیونا سانار زنامی صیہونی تنظیم کے لیے استعمال کرنے کا خواہاں تھا۔ جنی لائیڈ کو صدارتی انتخاب میں کامیابی کی مجبوری کی بھینٹ چڑھا دیا گیا۔ اس کی پراسرار ہلاکت کے بعد آنرک بیل اس خطے کی بہترین ہیروئن کے پیداواری ذرائع پر قبضہ کرنے کے منصوبے کے علاوہ پاکستان کی اہم شخصیات کو نقصان پہنچانے کے مذموم خواب کو عملی جامہ پہنانے کی سازشوں کے ساتھ پاکستان پہنچا مگر یہاں اسے کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ وہ اپنے انجام سے خوف زدہ ہو کر واپس امریکا فرار ہوا ہم بھی اس کے تعاقب میں امریکا پہنچے جہاں ہماری کوششوں سے اس کی بربادیوں کا آغاز ہوا اور وہ ژیونا سانار زاور امریکی حکومت کے مابین ہونے والے خفیہ معاہدے کے بھید کے افشا ہونے کے باعث امریکیوں کی نظریں مستوجب ٹھہرا۔ اپنے محسن کی کامیابی کے بعد ہم پاکستان واپس آگئے۔ یہاں نئے ہنگامے ہمارے منتظر تھے۔ بھارتیوں کی سرگرمیوں میں بہت تیزی آچکی تھی۔ ہماری کوششوں کے باعث انہیں ہر محاذ پر منہ کی کھانی پڑی۔ اسی دوران میں امریکی قونصلیٹ کا ملازم اور ایرانی ذہنی ہنٹ ہمارے سامنے آیا۔ وہ بہت محتاط تھا مجھے اس سے کرنل جمال دستی کی حیثیت میں ملاقات کرنی پڑی۔ اس نے میرے اور اول خان کے فگر پرنٹس تک حاصل کر لیے تھے۔ وہ ہماری راہ پر تھا مگر خوف زدہ بھی تھا اس لیے نئی دہلی فرار ہو گیا۔ اسے رستم ایرانی نامی ایک کرائے کے قاتل کے ذریعے نئی دہلی میں ہی ٹھکانے لگوا دیا گیا۔ رستم خود بھی گم نہیں تھا' جلد ہی ہمیں معلوم ہوا کہ وہ اسرائیلی سیکرٹ سروس موساد کا سرگرم رکن تھا اور پاکستان میں رہتے ہوئے اسرائیلی مفاد کے لیے کام کر رہا تھا۔ ہم نے اس کے گھر کا محاصرہ کیا اور اس نے خود کشی کر لی۔ اس کی خود کشی پر فریڈم انٹرنیشنل کے غیر معمولی ردعمل نے ہم اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ اس کا کرتا دھرتا اکرام الٰہی تھا جو خود فریڈم انٹرنیشنل کے دفتر میں متعین پایا گیا۔ وہ امریکیوں کے مفادات کے لیے کام کر رہا تھا۔ اسے ہم نے ایک امریکی سفارت کار کے ساتھ رنگے ہاتھوں پکڑا اور امریکی سفارت کار بوب رائیل کو بھی اپنے عہدے سے برخاست ہونے کے بعد پاکستان بدر ہونا پڑا۔ اکرام الٰہی کے حواریوں میں سے ایک مراد ظریف بھی اندرون سندھ اپنی این جی او چلا رہا تھا۔ اس کی غیر معمولی اہمیت کے باعث میں اس سے ملنا چاہتا تھا مگر وہ رست کا بہانہ نکالا اور سلطان شاہ کو اپنا قیدی بنانے میں کامیاب ہو گیا جسے ہم نے میرپور خاص سے بازیاب کرا لیا۔ مراد ظریف نے دوران تفتیش انکشاف کیا کہ بھارتی ایجنٹ کرشن کمار نیا پھیرے کے ملاقاتی ہیں مسلح ترجیحی کیمپ چلا رہا تھا اور اب فرار ہو کر بھارت جا چکا ہے۔ ہمارا انگلا معرکہ کرشن کمار کے فرستادوں سے ہوا تو حیدر آباد سے غزالہ اور سلطان شاہ کی کار کا تعاقب کر کے ہمارے گھر تک پہنچ گئے تھے۔ انہوں نے بتایا کہ کرشن کمار پاکستان میں ہے اور ہماری رہائش گاہ سے واقف ہو چکا ہے۔ کرشن کمار واقعی تیز اور سفاک ایجنٹ تھا۔ وہ انگلی ہی دن ہمارے گھر میں داخل ہو گیا اور اپنی بدقسمتی سے ہمیں کوئی نقصان پہنچائے بغیر یہ مشکل وہاں سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا۔ اسی اثنا میں ہم کرشن کمار کے ساتھیوں سے نئے دہلی والے کا نے رجسٹریشن نمبر کے ذریعے بنگلہ دیش تک پہنچ گئے۔ وہاں معاملات سے سب خبر تھا مگر اس کا بھائی روی کرشن کمار کے ہاتھوں میں کھیل رہا تھا۔ وہ اپنے گھر سے فرار ہونے میں کامیاب ہو گیا تھا مگر اس کی خوبرو بیوی ماروتی نے اپنے شوہر کی سلامتی اور اپنی نفسانی خواہشات کی تکمیل کے عوض ہمیں کرشن کمار کا پتا بتا دیا۔ کرشن کمار وہ امریکی سفارت کاروں کے ہمراہ اپنے بھیانک انجام کو پہنچا۔ اس کے بعد روی نے ہمیں ہری پند تک پہنچایا۔ وہ ہم سے خوف زدہ ہو کر فرار ہونے کی کوشش میں ٹریفک کے حادثے میں شدید زخمی ہو چکا تھا' اس سے معلوم ہوا کہ کرشن کمار دہلی میں موجود را کے پاکستانی ونگ کے سربراہ امل بنواس سے ہدایات حاصل کرتا تھا۔ اب مجھے انڈیا جانا تھا۔ کراچی میں موجود میجر بخشی کو ہمارے بارے میں پتہ چل چکا تھا' اس نے مجھ سمیت ہم سب کی فوٹو انڈیا سے ہائی جیک ہونے والے طیارے کے مسافروں کو دکھا دی تھیں۔ ہم اس سے پہلے وہ نوگیند پال عرف ماسٹر کو ہمارے بارے میں مطلع کر چکا تھا۔ نوگیند پال اپنے دو آدمیوں کے ساتھ روی کو مارنے میں کامیاب ہو گئے تھے۔ مقابلے میں پودے ثابت ہوئے' ان سے مجھے نوگیند پال کا فون نمبر بھی مل گیا جس کے بعد نوگیند پال کو اس کے انجام تک پہنچانے میں کوئی دشواری نہیں ہوئی۔ اب میں انڈیا کے سفر کے لیے پورے طور پر تیار تھا۔ غزالہ میرے ساتھ تھی ہم لوگ لاہور پہنچ گئے تھے۔ لاہور میں قیام کے دوران میں ہم نے ہیروئن کی بڑھتی ہوئی وبائے انسداد کے لیے ایس ڈی ایف کے ذریعے ایف کے ذریعے ایف کے ذریعے

فون نمبر چھوڑے بغیر اس سے فون پر بات کرنے کی کوشش کی تھی پھر خیال آیا کہ کیوں نہ میں اپنے اصل نام سے اس سے بات کروں۔ میں اس سے کہہ سکتا تھا کہ میں بھارت سے بول رہا ہوں۔ اپنے اصل نام کو استعمال کرتے ہوئے میں جان سے زیادہ کھل کر بات کر سکتا تھا۔

اپنے دوسرے خیال کو میں نے فوراً مسترد کردیا۔ اس میں کئی خطرات مضمر تھے۔ نکناؤجی کے میدان میں امریکیوں کی ترقی اور مکمل بالادستی کے متعدد ثبوت میری نگاہوں میں آچکے تھے۔ چند ثانیوں قبل اول خان اندیشہ ظاہر کرچکا تھا کہ جان سے بات کرنے کے لیے گھر کا فون استعمال کرنا خطرناک ثابت ہوسکتا تھا۔ اس وقت سی ایل آئی کی سہولت دستیاب نہ ہونے کے باوجود یہ شبہ تھا کہ امریکی اپنے جدید آلات کی مدد سے ہر اس نمبر تک رسائی حاصل کرسکتے ہیں جہاں سے انہیں فون کیا جائے۔ ایک اور اہم ترنکتہ یہ تھا کہ جہنم واصل ہونے سے قبل اوبرائن ڈی بنٹ نے میرا سراغ لگانے کے لیے سائنڈیا وائس اسکیننگ کے حساس ترین آلات استعمال کرنے کا فیصلہ کرلیا تھا۔ وہ آلات ریڈیائی لہروں میں بھٹکنے والی کروڑوں آوازوں میں کسی ایک آواز کو نہایت آسانی سے پکڑ کر یہ بتا سکتے تھے کہ بولنے والا اس وقت کہاں موجود تھا۔ اپنے ان آلات کی کامیابی کے لیے اوبرائن نے میرے بہروپ سے دھوکا کھا کر ہزاروں ننھے ننھے چپس میرے حوالے کردیے تھے جنہیں شہر کے مختلف علاقوں میں بکھیرنا تھا۔

ریت، مٹی اور کنکروں میں مل جانے کے بعد ان چپس کو الگ سے شناخت کرنا ناممکن تھا۔ وہ جہاں ڈالے جاتے، وہیں پڑے رہتے اور اپنے قرب و جوار کی آوازیں فضا میں نشر کرتے رہتے۔ ان صوتی اشاروں کو وائس اسکیننگ کے آلات پر مانیٹر کیا جاتا جہاں اوبرائن نے بہت چالاکی سے میری آواز محفوظ کی ہوئی تھی۔ جوں ہی اس کے آلات یہ نشان دہی کرتے کہ مطلوبہ آواز والا آدمی شہر کے کسی حصے میں موجود ہے، وہ ایک اشارہ کرتا اور امریکی قونصل خانے میں چھپا ہوا خوفناک کمانڈو اسکواڈ اپنے تمام تر ہتھیاروں سمیت میری طرف دوڑ پڑتا۔

وہ اوبرائن عرف اودی کا ایک بھیانک منصوبہ تھا۔ یہ میرے مقدر کی یاوری تھی کہ سارے چپس میرے ہاتھ آگئے اور میں نے ان حساس مواصلاتی سنگ ریزوں کو تباہ کردیا۔ اس وار سے بچ نکلنے کے بعد یہ ضروری ہوگیا تھا کہ میں اپنے اصل نام سے ان کے سامنے نہ آؤں ورنہ وہ میری آواز کا مزید ریکارڈ جمع کرلیتے۔

رابطے کی دو ناکام کوششوں نے یہ ثابت کردیا تھا کہ جان ایشکوف کے فون سے ٹیپ ریکارڈر منسلک تھا۔ وہ ریسیور اٹھا کر دوسری لائن پر آتا تھا اور سی ایس ڈی لائن منقطع کردیتی تھی۔ تیسری بار پبلک بوتھ میں سی ایس ڈی نہیں تھی۔ اسی وجہ سے رابطہ ہوگیا تھا۔

محض اپنی صوتی شناخت کو پوشیدہ رکھنے کے لیے میں نے اسی لمحے عبدالماجد الحسینی والے کردار کو آگے بڑھانے کا فیصلہ کرلیا۔

"میں عبدالماجد الحسینی ہوں۔" میں نے قدرے توقف کے بعد عربی لہجے سے مغلوب انگریزی میں جواب دیا "اور جان ایشکوف سے بات کرنا چاہتا ہوں۔"

جان کے لیے وہ اجنبی نام شاید بے ضرر تھا۔ اس نے کہا "میں جان بول رہا ہوں۔ جان ایشکوف!"

"میں نے سنا ہے کہ تم کسی خاص مشن پر استنبول سے کراچی آئے ہو۔" میں نے دھیمی آواز میں کہا۔

میرے اس اظہارِ خیال نے اسے چونکا دیا "یہ تم سے کس نے کہہ دیا؟"

"جو شخص تمہارے نام اور موجودہ فون نمبر سے واقف ہوسکتا ہے وہ اور کچھ بھی جان سکتا ہے۔" میں نے دوستانہ لہجے میں بات ٹال دی "اس بارے میں تم کو فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں۔ یہ بتاؤ کہ میری معلومات کہاں تک درست ہیں؟"

"تم خطرناک آدمی معلوم ہوتے ہو۔" لمحے بھر کی خاموشی کے بعد جان کی متردد آواز ابھری "اب تمہارا تفصیلی تعارف حاصل کیے بغیر میں تم سے گفتگو جاری نہیں رکھ سکوں گا۔"

"میں تمہارا ہمدرد اور دوست ہوں۔" میں نے اسے یقین دلانا چاہا۔

"یہ کافی نہیں ہے۔" اس نے اعتراض جڑ دیا "یہ بتاؤ کہ تم کون ہو اور مجھ سے کیا چاہتے ہو؟"

"میں عبدالماجد الحسینی ہوں اور تمہاری مدد کرنا چاہتا ہوں تاکہ میرا بھی کچھ فائدہ ہوسکے۔" میں نے جواب دیا۔

"تم سعودی ہو؟" دوسری طرف سے تجسس آمیز لہجے میں سوال کیا گیا۔

"سعودی نہیں، میں یمنی ہوں۔" میں نے بے ساختہ کہہ ڈالا۔

"کس نیٹ ورک کے لیے کام کرتے ہو؟" جان نے اپنی

Downloaded from https://paksociety.com

باقاعدہ جرح کا آغاز کردیا تھا۔

"میں کسی نیٹ ورک کے چکر میں نہیں پڑتا۔ صرف اپنے فائدے کے لیے کام کرتا ہوں۔"

"اگر میرا اندازہ غلط نہیں تو تم اپنے نام سے مسلمان معلوم ہوتے ہو۔" جان نے قیاس آرائی کی۔

"تمہارا اندازہ درست ہے۔ الحمدللہ' میں مسلمان ہوں۔" میں نے فوری طور پر جواب دیا۔

"غیر ملکیوں کے لیے پاکستان کسی بھی طرح ایک پُرکشش ملک نہیں ہے۔ یہاں غربت ہے۔ سماجی پابندیاں بے شمار ہیں۔ الکحل کا استعمال خلافِ قانون ہے پھر تم یہاں کیا کررہے ہو؟"

"یہی سوال میں تم سے بھی کرسکتا ہوں۔" میں نے چبھتے ہوئے لہجے میں کہا۔

"میں ایک سرکاری ملازم ہوں۔ ایک مشن پر یہاں آیا ہوں۔ یہ اشارہ تم خود بھی دے چکے ہو۔" اس نے مجھے یاد دلایا۔

"میرا کوئی مشن نہیں ہے۔ میں ایک بے فکر سیلانی ہوں جسے شراب سے کوئی رغبت نہیں ہے۔"

"میں نہیں مان سکتا۔ پاکستان میں پائے جانے والے بیشتر عرب اور دوسرے غیر ملکی مسلمان کسی نہ کسی مشن سے وابستہ ہیں۔ تم القاعدہ کے آدمی تو نہیں ہو؟"

"ان میں میرا شمار ہوتا تو تم میرے نام سے ضرور واقف ہوتے۔ وہ تمہارے چہیتے اور پالے ہوئے ہیں۔"

دوسری طرف سے جان اسٹکوف کی تلخ سی ہنسی سنائی دی پھر وہ بولا "تم مسلمان لوگ استنجا کرتے ہو نا۔ اس کے لیے آس پاس سے کوئی بھی کنکر پتھر اٹھاتے ہو اور اسے استعمال کرنے کے بعد بے پروائی سے ایک طرف اچھال دیتے ہو۔ بعد میں بھول کر بھی اسے یاد نہیں کرتے۔ القاعدہ والے ہمارے استنجے کے پتھر تھے۔ افغانستان میں روسیوں کا سر کچلنے کے لیے ان کی ضرورت تھی۔ القاعدہ کے حریفوں سے اپنی بات منوانے کے لیے ہمیں ان کی حوصلہ افزائی کرنا تھی۔ ہم نے ان کی پشت پر ہاتھ رکھ دیا....."

"تم نے ان کی پشت پر صرف ہاتھ نہیں رکھا' بہ نفسِ نفیس ان کی اوٹ میں موجود تھے۔" میں اس کی بات کاٹے بغیر نہ رہ سکا۔

"ہم جس پر مہربان ہوتے ہیں' اس پر اپنی فیاضیوں کے سارے دروازے کھول دیتے ہیں۔ اسے زمین سے اٹھا کر اپنی سطح پر لے آتے ہیں۔ جب ہم اپنا کوئی مشن پورا کرنے کے لیے نکلتے ہیں تو مقصد حاصل کرنے کے لیے سب کچھ کر گزرتے ہیں۔ تم گزری ہوئی باتوں کے طعنے نہ دو۔ کل ہم نے اپنے ہاتھوں سے انہیں پروان چڑھایا تھا اور آج ہم ان کے لہو کے پیاسے ہیں کیونکہ یہ لوگ ہمارے احکام ماننے کے بجائے اپنی من مانیاں کرنے پر تل گئے ہیں۔ جب موقع ملا' ان کی اینٹ سے اینٹ بجادی جائے گی۔"

"یہ سب تم مجھے کیوں سنا رہے ہو؟" میں نے سادگی سے پوچھا۔

"میں کسی کو کچھ نہیں سناتا۔ تم نے القاعدہ کو ہمارا پالا ہوا کہہ کر مجھے مشتعل کیا تھا۔"

"ان کا حوالہ تم نے دیا تھا۔ بات کی ابتدا میں نے نہیں کی تھی۔" میں نے اپنی یعنی عبدالماجد الحسینی کی صفائی پیش کی۔

"پاکستان میں آوارہ گردی کرنے والے بیشتر غیر ملکی مسلمان کسی نہ کسی نیٹ ورک سے منسلک ہیں۔ ایسے کسی مضبوط رابطے کے بغیر تم کو وہ باتیں معلوم نہیں ہوسکتی تھیں جو تم جانتے ہو۔ سچ سچ بتاؤ کہ تم کس کے لیے کام کرتے ہو؟"

"میں صرف اور صرف اپنے لیے کام کرتا ہوں۔ مہینوں سے دس لاکھ ڈالر کے انعام کے لیے سرگرداں ہوں۔"

"وہ ضبیث ڈینی بھی کسی بہت مضبوط نیٹ ورک کا آدمی ہے۔ ہر بار چھلاوے کی طرح ہماری نظروں سے اوجھل ہوجاتا ہے۔ اس کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"سب کچھ نہ سہی تب بھی بہت کچھ جانتا ہوں۔" میں نے پورے اعتماد سے کہا "وہ غاروں میں نہیں' کھلی زمین پر رہتا ہے۔"

"اگر تم نے اسے پکڑوا دیا تو دس لاکھ ڈالر تمہارے ہوں گے۔" میری توقع کے عین مطابق وہ مضطرب ہوگیا۔

"اگر کہہ کر تم نے شرط عائد کردی۔" میں نے خشک لہجے میں اعتراض کیا "اسے پکڑنا یا نہ پکڑنا تمہارا کام ہے۔ میں یہ جانتا ہوں کہ وہ کہاں ہے۔"

"اس وقت سب سے اہم سوال یہی ہے کہ وہ مردود کہاں ہے۔" جان نے روانی میں جواب دیا۔

"مقام کا تعین کرو اور رقم لے آؤ۔ میں بتادوں گا۔" میں نے سپاٹ لہجے میں کہا۔

"امریکی وعدہ خلاف نہیں ہوتے۔ تمہاری دی ہوئی اطلاع کی تصدیق ہوتے ہی تم کو پوری رقم ادا کردی جائے گی۔"

اس بار میں ہنس پڑا "امریکی شاید سب سے بڑے جھوٹے اور دغاباز ہوتے ہیں۔ ابھی تم نے کہا تھا کہ آج تم اپنے ہی بنائے ہوئے نیٹ ورک کی اینٹ سے اینٹ بجا

Downloaded from https://paksociety.com

دینے پر تل گئے ہو کیونکہ اشتعلیج کے ان ڈھیلوں سے تمہارا کام نکل چکا ہے۔"

"معلوم ہوتا ہے کہ تم واقعی کسی نیٹ ورک کے آدمی نہیں ہو۔" ایک گہرے سانس کے ساتھ جان کی آواز آئی "تم نے کبھی کسی مشن پر کام کیا ہوتا تو تمہیں معلوم ہوتا کہ ساری اہمیت مقصد کی ہوتی ہے۔ اس کے حصول کی راہ میں آنے والا ہر مہرہ بے رحمی سے پٹوا دیا جاتا ہے۔ کمزور مہرے خود ہی پٹتے چلے جاتے ہیں۔ اس علاقے میں ہمارے مقاصد کی بساط سمٹ رہی ہے۔ ہدف بدل گئے ہیں۔ ایسے میں سب کچھ جائز ہو جاتا ہے۔ اسے دغابازی نہیں کہا جا سکتا۔"

"تم مجھ پر اعتبار نہیں کرتے تو میں بھی تم پر اعتبار نہیں کر سکتا۔ دس لاکھ ڈالر بڑی رقم ہوتی ہے۔ کیا پتا کہ تم مجھے جعلی نوٹ تھما دو اور میں دھر لیا جاؤں۔ تمہاری دی ہوئی کرنسی کی اصلیت کی تصدیق ہونے کے بعد میں تمہیں اپنی معلومات سے آگاہ کروں گا۔"

"تم بلاوجہ بات بڑھا کر تلخی پیدا کر رہے ہو۔" یک بیک اس کا لہجہ ناصحانہ ہو گیا "تم کو اندازہ نہیں ہے کہ ڈینی تک پہنچنے کے لیے تمہاری کیا کچھ نازبرداریاں کی جا سکتی ہیں۔ مجھ پر نہیں تو میری حکومت پر اعتبار کرو اور بتا دو کہ وہ جہنم کا کندہ کہاں ہے۔"

"وہ تمہارے دوستوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے اور تم اس کی تلاش میں اِدھر اُدھر بھٹک رہے ہو۔" میں نے اپنے تصور میں اس کی مضطربانہ کیفیت سے لطف اندوز ہوتے ہوئے جواب دیا۔

"تم کن دوستوں کی بات کر رہے ہو۔ ہم پاکستانیوں کو بھی اپنا دوست تصور کرتے ہیں۔"

میں ہنس پڑا "یہ تمہارا ایک اور جھوٹ ہے۔ تمہارے دماغ میں یہ بات بیٹھی ہوئی ہے کہ تم پاکستان میں پاکستانیوں کو بے وقوف بنانے کے لیے آئے ہو۔ روانی میں تم نے دوستی کی رٹی رٹائی بات دہرا دی۔ یہ بھول گئے کہ میں پاکستانی نہیں' یمنی ہوں۔"

"یمن کے آدھے سے زیادہ لوگ ہمارے دوست ہیں۔" دوسری طرف سے ڈھٹائی سے کہا گیا "ایک روز پورے یمن پر ہمارے دوستوں کا راج ہو گا۔"

"میں سیاسی نہیں' معاشی میدان کا آدمی ہوں۔ کسی بدمعاشی کے بغیر اپنی روزی کمانا چاہتا ہوں۔"

"میں سمجھ رہا ہوں کہ تم کول مول الفاظ میں اپنے خدشات اور تحفظات کا اظہار کر رہے ہو۔ تمہاری دی ہوئی اطلاع کی تصدیق ہونے کی صورت میں تمہیں چوبیس گھنٹوں

خبردار

اداکاری کی خواہش مند ایک نئی لڑکی کی ایک ڈائریکٹر سے ملاقات طے ہوئی تو ایک پرانی واقف حال نے اسے خبردار کیا۔ "سوچ سمجھ کر اس کے پاس جانا۔ اس شخصیت کی شہرت بہت خراب ہے۔ سنا ہے اکیلے کمرے میں اگر کوئی لڑکی اس کے پاس پہنچ جائے تو کپڑے پھاڑ ڈالتا ہے۔"

"بہت اچھا کیا تم نے مجھے خبردار کر دیا..." نئی امیدوار نے شکرگزارانہ لہجے میں کہا "میں اب کوئی پرانا اور بے کار سا جوڑا پہن کر جاؤں گی۔"

کے اندر اندر انعام کی پوری رقم تمہاری سہولت کے مطابق مل جائے گی۔"

"تصدیق ہو جانے کے باوجود تم مجھے یہ بری خبر سنا سکتے ہو کہ میری دی ہوئی اطلاع غلط ثابت ہوئی۔"

"شاید میں ایسی بے ایمانی کر لوں۔ میری حکومت ایسی حرکت کرنے کی کوشش نہیں کرے گی۔ اسے اپنی ساکھ ایک ملین ڈالر سے زیادہ عزیز ہے۔"

"بدقسمتی یہ ہے کہ میں اس وقت امریکی حکومت کے بجائے جان ایشکوف سے مخاطب ہوں۔"

"اس وقت میری حیثیت امریکی حکومت کے بااختیار نمائندے کی ہے....."

میں نے اس کی بات درمیان سے ہی اچک لی "اور تم اپنی بے ایمانی کے امکان کو خود تسلیم کر چکے ہو۔"

"تم بلاوجہ حجت کر رہے ہو۔" وہ میری جرح سے زچ ہو کر بولا "اب تک تمہیں بتا دینا چاہیے تھا کہ تم کیا جانتے ہو۔"

"میں نے تمہیں بتانے کے ارادے سے ہی فون کیا تھا مگر تم نے اپنی باتوں سے میرے دل میں شکوک و شبہات پیدا کر دیے ہیں۔"

"اپنے دل سے ہر بدگمانی جھٹک دو۔ مجھ پر اعتبار کرو۔ میں تمہیں دھوکا نہیں دوں گا۔"

"فون پر میں کچھ نہیں بتا سکتا۔" میں نے سوچتے ہوئے کہا "تم مجھ سے مل لو۔ ہو سکتا ہے کہ تمہاری آنکھوں میں

Downloaded from https://paksociety.com

مجھے بھروسے کی کچھ پرچھائیاں نظر آجائیں اور میں تمہیں اپنی معلومات میں شریک کرنے پر آمادہ ہوجاؤں۔"

"پاکستان میرے لیے ایک نیا ملک ہے۔ میں یہاں ہر احتیاط کو بالائے طاق رکھ کر یوں تم سے نہیں مل سکتا۔"

"پھر مجبوری ہے۔ میں تمہاری شرائط پر کوئی تعاون کرنے سے قاصر ہوں۔"

"تم کوئی تعاون نہیں کررہے۔" ریسیور پر اس کی تیز آواز ابھری "تمہیں ڈینی کے بارے میں کچھ معلوم ہے۔ ہم نے ان معلومات کی بولی لگائی ہوئی ہے اور تم ہمارے مقرر کیے ہوئے داموں پر اپنی معلومات بیچنا چاہتے ہو۔ یہ بالکل کھلا ہوا سودا ہے۔"

"ہوسکتا ہے۔ میں یہ سودا اپنے اطمینان کے بعد ہی کروں گا۔"

لائن پر چند ثانیوں کے لیے خاموشی چھاگئی پھر جان ایشکوف کی بھاری آواز ابھری "ٹھیک ہے۔ تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں اس معاملے میں کسی پیش رفت سے پہلے تم سے ملنے کا خواہاں ہوں۔"

"کب اور کہاں ملنا چاہتے ہو؟" جان نے فیصلہ کن لہجے میں سوال کیا۔

میں نے بس ایک لمحے کے لیے سوچا پھر کہا "کراچی کے بارے میں تم کیا جانتے ہو؟"

"تم اس کی فکر نہ کرو۔ میں یہاں آتا جاتا رہا ہوں۔ پشاور میں میرا قیام خاصا طویل رہا ہے۔"

"تم نے اچانک پشاور کا ذکر کیوں نکال لیا؟" وہ موقع فراہم کررہا تھا تو مجھے گفتگو کو طول دینے میں کوئی عذر نہیں تھا۔

"یہ سلسلہ اس وقت سے چل رہا ہے جب پاکستان میں کراچی کے سوا کوئی اور بین الاقوامی ہوائی اڈا نہیں تھا۔ پشاور اور دوسرے عالمی شہروں کے درمیان آمدورفت کے لیے مجھے بار بار کراچی میں ٹھہرنا پڑتا تھا۔ میں اس شہر سے خاصی حد تک واقف ہوں۔"

"تم نے بندرگاہ کو شہر سے ملانے والا نیپئر جیٹی کا پل ضرور دیکھا ہوگا۔" میں نے پوچھا۔

"یہ نام میں پہلی بار سن رہا ہوں۔" اس نے کسی حیل و حجت کے بغیر اعتراف کرلیا۔

"تم نے بیچ لگژری ہوٹل کا نام ضرور سنا ہوگا۔ وہ کراچی کا بہت پرانا اور اچھا ہوٹل ہے۔"

"یہ نام کانوں کو مانوس معلوم ہوتا ہے۔ تم اپنا مدعا بتاؤ۔ میں کسی نہ کسی طرح تمہارے مقرر کردہ مقام پر پہنچ جاؤں گا۔" میرے کانوں میں اس کی اضطراری آواز گونجی۔ میرے اطمینان سے اس کے صبر کا پیمانہ لبریز ہوتا جارہا تھا۔

"ایک راستہ نیپئر جیٹی کے پل کے اوپر سے گزرتا ہے۔ دوسرا بیچ لگژری ہوٹل کی طرف سے پل کے نیچے آتا ہے۔" میں نے اپنی یادداشت تازہ کرتے ہوئے کہا "اس دوسرے راستے پر سمندری کھاڑی کے کنارے مندر بنا ہوا ہے۔ تم کل رات نو بجے مجھے اس مندر کے آس پاس مل جاؤ۔"

"کل رات کے بجائے تم آج ہی وہاں کیوں نہیں آجاتے۔" اس نے اپنی بے چینی کا مظاہرہ کیا۔

میں اس کے اضطراب کا سبب سمجھ رہا تھا۔ میں نے تجاہل عارفانہ سے کام لیتے ہوئے بے پروائی سے کہا "آج میں مصروف ہوں۔ یہ ملاقات کل ہی بہتر رہے گی۔"

"میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔ کل دن میں مجھے دہلی کے لیے روانہ ہونا ہے۔ میں اپنی روانگی ملتوی نہیں کرسکتا۔ تم آج کے لیے وقت نکالو۔"

کڑی سے کڑی مل رہی تھی۔ جلال کی فراہم کی ہوئی معلومات اور جان کے عذر سے یہ ثابت ہورہا تھا کہ اس کی دہلی روانگی کا پروگرام طے پاچکا تھا۔ میری تلاش کے سلسلے میں اسے بنگلے میں سی آئی اے کے افسران سے کمپیوٹر پر جو رابطے کرنے تھے، وہ ہوچکے تھے۔ کراچی میں اپنے مختصر قیام کے مقاصد حاصل کرلینے کے بعد وہ اپنے چارٹرڈ طیارے سے دہلی روانگی کے لیے پابہ رکاب بیٹھا ہوا تھا۔ میری ٹیلی فون کال کے نتیجے میں اسے غیر متوقع طور پر اہم ترین معلومات حاصل ہونے کی امید ہوگئی تھی اس لیے وہ اپنے اگلے پروگرام کو خراب یا متاثر کیے بغیر مجھ سے جلد از جلد ملنے کے لیے بے چین ہوگیا تھا۔

"بہت مشکل ہوگا۔" میں نے بلاوجہ معذوری ظاہر کی "آج رات مجھے اپنے مالی وسائل کی بہبود کے لیے کچھ جستجو کرنی ہے۔"

"آج کی مصروفیات سے تمہیں کتنی آمدنی کی امید ہے؟" اس کی آواز میں بلا کا تجسس امڈ آیا۔

"ڈیڑھ دو لاکھ روپے تو مل ہی جائیں گے۔" میں نے سوچ سمجھ کر تیر اپنے نشانے پر پھینکا "میں پاکستان میں آوارہ گرد عرب کے طور پر پہچانا جانا پسند نہیں کرتا۔ اپنے گزارے کے لیے آمدنی کے کچھ نہ کچھ ذرائع ڈھونڈتا رہتا ہوں۔ تم

Downloaded from https://paksociety.com

سے رابطہ بھی میری ان ہی کوششوں کی ایک کڑی ہے۔"

"اپنی آج کی مصروفیات منسوخ کردو۔" جان نے بے تابی سے کہا "نو بجے مندر کے پاس آجاؤ۔ میں تمہیں اپنے پاس سے دو لاکھ روپے دے دوں گا۔ یہ رقم تمہارے انعام میں سے نہیں کاٹی جائے گی۔ میرے لیے وقت بہت قیمتی ہے۔"

"مجھے پہلے سے یہ اندازہ ہوگیا ہوتا تو میں ڈیڑھ دو لاکھ کے بجائے دس پندرہ لاکھ کی بات کرتا۔" میں نے ہنس کر کہا۔

"تم نے یہ موقع گنوا دیا۔ میں تمہیں دو لاکھ سے ایک روپیا بھی اوپر نہیں دوں گا۔ یہ بھی خاصی بڑی رقم ہے۔"

"قطعی بڑی رقم نہیں ہے۔ اسے ڈالروں میں تبدیل کرو گے تو یہ بہت زیادہ سکڑ جائے گی۔ تم یہ بھول رہے ہو کہ میں پاکستانی نہیں' یمنی ہوں۔ آمدنی کے ذرائع کی تلاش میں گھاٹ گھاٹ گھومتا رہتا ہوں۔ ہوسکتا ہے کہ تمہارے پیچھے میں بھی دہلی چل دوں۔ اس وقت میرے لیے دس لاکھ ڈالر کا حصول سب سے زیادہ ضروری ہے۔"

"میں دہلی میں زیادہ دیر تک نہیں رکوں گا۔ اپنا کام ختم کرتے ہی دوبارہ کراچی لوٹ آؤں گا۔" اس نے جلدی سے وضاحت کی۔

"ابھی ہماری ملاقات بھی نہیں ہوئی اور تم نے اپنی وعدہ خلافیوں کی داغ بیل ڈال دی۔" میں نے شکایت کی۔

"کیسی وعدہ خلافی؟ تم مجھ پر بلاوجہ الزام تراشی کیوں کررہے ہو؟" پہلی بار اس کا لہجہ ترش ہوگیا۔

"تم نے چوبیس گھنٹوں میں رقم ادا کرنے کا وعدہ کیا تھا۔ اگر ہم آج رات نو بجے مل لیتے ہیں تو یہ مدت کل رات کے نو بجے ختم ہوجائے گی۔ اب تم سنا رہے ہو کہ اس وقت تم دہلی میں بیٹھے ہوئے ہوگے تو میری رقم کون ادا کرے گا؟"

"اس وقت تم جان ایشکوف سے نہیں' امریکی حکومت کے ایک طاقت ور نمائندے سے بات کررہے ہو۔ میں کراچی سے چلا گیا تب بھی یہاں میرے اختیار اور وعدوں کا تسلسل برقرار رہے گا۔ کوئی دوسرا آدمی میرے وعدے پورے کرے گا۔"

"میں اس تک کیسے رسائی حاصل کروں گا؟" میں نے بے اعتباری سے پوچھا۔

"تم آج آنے پر اپنی آمادگی ظاہر کرو تو سب کچھ ہوجائے گا۔"

میں یوں خاموش ہوگیا جیسے تذبذب کا شکار ہوگیا ہوں پھر میں نے نیم دلی سے کہا "ٹھیک ہے۔ میں آجاؤں گا۔"

"گڈ!" جان کی آواز سے فتح کی مسرت جھلک رہی تھی "سب کچھ طے ہوگیا ہے تو اتنا اشارہ تو دے دو کہ وہ کس شہر میں ہوگا۔"

میں پانچوں سروسز کے نمائندوں کے ساتھ جان ایشکوف کی ملاقات کا تفصیلی احوال' جلال کی زبانی سن چکا تھا۔ مجھے یہ بات معلوم ہوچکی تھی کہ لینگلے نامی امریکی علاقے میں بیٹھے ہوئے سی آئی اے کے ماہرین نے اپنی خداداد ذہانت سے کام لے کر یہ نتیجہ اخذ کرلیا تھا کہ ڈیتی دہلی میں را اور سی آئی اے کے کلیدی عہدے داروں کے خون کی ہولی کھیلنے کے بعد امرتسر کے زمینی راستے سے بنگو کے ذریعے پاکستان پہنچ چکا تھا۔ ان کی قائم کی ہوئی یہ رائے اس قدر ٹھوس اور مستحکم تھی کہ انہیں کسی بھی طرح بہکانا یا بھٹکانا ممکن نہیں رہا تھا پھر بھی میں نے جان کے چٹکی لینے کا فیصلہ کرلیا۔

"اگر اس وقت میں یہ کہوں کہ وہ دہلی میں تمہارے دوستوں کے درمیان بیٹھا ہوا ہے تو....."

"اوہ نو!" اس کی غراتی ہوئی آواز نے میری بات کاٹ دی "اگر تمہاری معلومات کا یہ حال ہے تو میں نے بلاوجہ تم پر اپنا قیمتی وقت برباد کیا۔"

"یہ بات اتنی ناممکن نہیں ہے۔ تم اسے اتنی سختی سے کیوں مسترد کررہے ہو..... ویسے یہ مذاق کی بات تھی۔" میں نے کہا۔

"مذاق بھی کچھ قرین قیاس ہونا چاہیے۔ وہ جہاں جہاں سے گزرا ہے وہاں اس نے اپنی موجودگی کے ثبوت چھوڑے ہیں۔ اس حرام زادے کا خیال ہے کہ اس طرح وہ ہمیں اور بھارتیوں کو دہشت زدہ کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ یہ اس کی بھول ہے۔ وہ دہلی میں تھا اور پھر امرتسر سے پاکستانی علاقے میں نکل گیا۔ ہمارے پاس اس بارے میں ناقابل تردید واقعاتی شہادتیں موجود ہیں جنہیں کوئی نہیں جھٹلا سکتا۔" جان ایشکوف کا نرم لہجہ یک بیک تلخ ہوگیا تھا۔

"میں اس کی کمین گاہ کے بارے میں قبل از وقت زبان کھول کر اپنے ہاتھ نہیں کٹوا سکتا۔" میں نے ایک گہرا سانس لے کر' اس کی دی ہوئی گالی کو نظرانداز کرتے ہوئے جواب دیا "مجھے بھی معلوم ہے کہ وہ بھارت سے پاکستان آچکا ہے اور میں تم سے اپنے اسی علم کی قیمت وصول کرنا چاہتا ہوں۔"

"تھوڑی دیر پہلے بھی تم نے کہا تھا کہ وہ ہمارے دوستوں کے درمیان اطمینان سے بیٹھا ہوا ہے اور ہم اس کی تلاش

Downloaded from https://paksociety.com

میں بھٹک رہے ہیں۔ کیا اس وقت بھی دوستوں سے مراد بھارت والے تھے!" مجھے یوں محسوس ہوا جیسے میری کہی ہوئی بات یاد آنے پر وہ چونک پڑا تھا۔

"ظاہری طور پر تم ہر ایک کو اپنا دوست قرار دیتے ہو لیکن اپنی پالیسی کے ذریعے بہت سے دوستوں کی پشت میں خنجر گھونپنے کی تیاری کرتے رہتے ہو۔ تفصیل سنو گے تو تم خود حیران ہو جاؤ گے کہ ڈینی یہاں کن ہاتھوں میں محفوظ ہے۔"

میں نے جان بوجھ کر وہ پینترا بدلا تھا۔ جان کے لہجے کی تلخی ایک مرتبہ پھر تجسس میں بدل گئی "میں یہی پوچھ رہا تھا۔ مجھے کوئی اشارہ تو دے دو کہ وہ کہاں ہے؟"

"نہیں جان! میں نے کچی گولیاں نہیں کھیلیں۔" میں نے سختی سے کہا "تم عیاری سے کام لے کر مجھ سے ہر بات اگلوانا چاہ رہے ہو لیکن تم نے اب تک اپنے اس نمائندے کا نام، پتا اور فون نمبر نہیں بتایا جو تمہارے دہلی جانے کے بعد مجھے انعام کی رقم ادا کرے گا۔"

"اگر تم باخبر ہو تو تم کو یہ معلوم ہونا چاہیے کہ میں آج ہی استنبول سے کراچی پہنچا ہوں۔ مجھے دیکھنا ہوگا کہ میرے خاص خاص آدمیوں میں سے کون موجود ہے اور کون چھٹی پر گیا ہوا ہے۔ مکمل رازداری کے ساتھ اتنی بڑی نقد رقم ادا کرنے کے لیے آنکھیں بند کر کے ہر ایک پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔"

"پھر تم نے یہ کیوں کہا تھا کہ میں آج رات تم سے ملنے پر آمادہ ہو جاؤں تو تم مجھے رقم دینے والے کے بارے میں بتا دو گے۔"

"مجھ سے غلطی ہو گئی۔ امید ہے کہ تم میری مجبوری کو سمجھ گئے ہو گے۔" اس کی آواز معذرت خواہانہ ہو گئی۔

"یہ یاد رکھنا کہ میرے ساتھ کوئی چال بازی کرنے کی کوشش کی گئی تو اس کا انجام اچھا نہیں ہوگا۔ میرے ساتھی تمہاری بوٹیاں نوچ ڈالیں گے۔"

"ابھی تک تم کہہ رہے تھے کہ تمہارا کسی نیٹ ورک سے کوئی تعلق نہیں ہے پھر تمہارے خوں خوار ساتھی کہاں سے نکل آئے۔"

"ہم چند گہرے دوست ہیں جو ایک دوسرے کے جاں نثار ہیں۔" میں نے بے پروائی سے جواب دیا "ہم کسی تنظیم کے رکن نہیں ہیں۔"

"تم گہرے اور کام کے آدمی معلوم ہوتے ہو۔ ہو سکتا ہے کہ ہمارے درمیان کوئی لمبی مفاہمت ہو سکے۔"

"یہ یاد رکھنا کہ دس لاکھ ڈالر مل جانے کے بعد مجھے پیسے کی زیادہ پروا نہیں رہ جائے گی۔" میں نے اسے تادیب کی "کسی نے میری یہ رقم روکنے کی کوشش کی تو میں اس کے حلق میں ہاتھ ڈال کر کھایا پیا تک اگلوا لوں گا۔"

"میں یہ سب جانتا ہوں۔ اس طرح کے کاموں میں یہی سب ہوتا ہے۔ تم نے میرا بہت وقت لے لیا۔ باقی باتیں اب رات کو ہوں گی۔ یہ بتاؤ کہ میں تم کو کیسے پہچانوں گا؟" اس نے اپنی جانب سے گویا گفتگو کے اختتام کا اعلان کرتے ہوئے پوچھا۔

"ہم لوگ گمنامی میں درویشی زندگی بسر کرتے ہیں۔ میں رات کو سرخ رنگ کی پرانی سوزوکی کیری میں آؤں گا جس کے سیاہ ہڈ کے اوپر سبز رنگ کا بلب جل رہا ہوگا۔ اس گاڑی کو دیکھتے ہی تمہیں میرے پاس آنا ہے۔ تمہاری کیا شناخت ہوگی؟"

"سیاہ ٹی شرٹ اور سیاہ جینز کے ساتھ میرے سر پر سیاہ پی کیپ ہوگی۔" اس نے بتایا پھر پوچھا "تم اکیلے آؤ گے یا تمہارے ساتھ کوئی اور بھی ہوگا۔"

"یہ میرے موڈ پر منحصر ہے۔ اس سے تمہیں کوئی غرض نہیں ہونی چاہیے۔ میں سوزوکی کیری چلاؤں گا۔ میرے برابر والی سیٹ خالی ہوگی۔"

"اوکے آب ڈل مے جد! نو بجے مندر کے پاس ملاقات ہوگی۔ گڈ لک!" دوسری طرف سے کریڈل کی کلک سن کر میں نے فون بند کر دیا۔

"خدا کی پناہ۔ تم اس سے یوں باتیں کیے جا رہے تھے جیسے کئی دنوں سے ان مکالموں کی ریہرسل کرتے رہے ہو۔ وہ بھی تمہاری باتیں سن رہا تھا۔" میرے فارغ ہوتے ہی اول خان نے گہرا سانس لے کر تحیر زدہ لہجے میں کہا۔

"دراصل وہ گفتگو کے آغاز میں ہی گہرے تجسس کا شکار ہو گیا تھا۔" میں نے اول خان کی گاڑی کی طرف بڑھتے ہوئے جواب دیا "اس کے ذہن میں چھپا ہوا زہر اگلوانے کے لیے یہ ضروری تھا کہ گفتگو کو طول دیا جائے۔ وہ باتیں کرنے پر آمادہ تھا اس لیے بات جاری رہی۔"

"ایک اجنبی کے فون پر سی آئی اے کے ایک منجھے ہوئے ڈینی ڈائریکٹر کا یوں فریب کھانا بہت عجیب محسوس ہو رہا ہے" اول خان اپنی گاڑی کا اسٹیئرنگ وہیل سنبھالتے ہوئے خود کلامی کے انداز میں بڑبڑایا۔

"اپنی دانست میں اس نے کوئی فریب نہیں کھایا بلکہ چالاکی سے کام لیا ہے۔ یہ نہ بھولو کہ ڈینی اس کا مرغوب ترین موضوعِ سخن ہے" میں نے اسے یاد دلایا "اگر یہ لوگ ایسی

Downloaded from https://paksociety.com

سسپنس ڈائجسٹ میں شائع ہونے والا دلچسپ ترین سلسلہ

مدہوشوں کی کہانی، ہوش مندوں کے لئے

ایک نوجوان کی خودنوشت جو اپنوں کے ہاتھوں برباد ہو کر منزل کا نشان کھو بیٹھا تھا۔ ان نوجوانوں کی داستان عبرت جن کی پرورش رشوت کے مال سے ہوئی تھی۔ ان زر پرستوں کا احوال جنہیں سونے چاندی کی خیرہ کن چمک نے بینائی سے محروم کر دیا تھا۔ موت کے ان سوداگروں کا ماجرا جو اپنے بچوں کو اپنے ہی ہاتھوں زہر پلا رہے ہیں۔

مقبول ترین کہانی کار آفاقیہ حمالیہ کے قلم سے

موت کے سوداگر

کتابی شکل میں ④ حصے شائع ہو چکے ہیں

کتاب کی قیمت مع ڈاک خرچ بذریعہ منی آرڈر ارسال کریں

قیمت فی حصہ 60 روپے ♦ ڈاک خرچ فی حصہ 23 روپے

اس دلچسپ ترین سلسلے کا پانچواں اور چھٹا حصہ جنوری 2002ء میں شائع ہو رہا ہے

ایجنٹ حضرات اپنے آرڈر سے آج ہی مطلع فرمائیں

کتابیات پبلی کیشنز

رمضان چیمبرز بلمور یا اسٹریٹ آئی آئی چندریگر روڈ

فون: 5802552-5895313 فیکس: 5802551

kitabiat1970@yahoo.com

پوسٹ بکس 23

کراچی 74200

Downloaded from https://paksociety.com

باتوں پر دھیان نہ دیں تو انہیں کسی بھی معاملے کا سراغ تک نہیں ملے گا۔ بعض اوقات ایسے رابطے بہت سودمند ثابت ہوتے ہیں۔"

"اسے فون کرنے تک تمہارے ذہن میں کوئی خاکہ نہیں تھا۔ کیا تم اس سے ملنے جاؤ گے؟" اول خان نے گاڑی آگے بڑھادی۔

"ضرور جاؤں گا۔ اس بارے میں تمہارا کیا مشورہ ہے؟" میں نے مسکراتے ہوئے پوچھا۔

"اس نے تم سے تمہاری ساری نشانیاں پوچھ لی ہیں۔ اس کے سپرسنز یا کمانڈوز دور سے ہی تمہیں باڑ پر لے لیں گے۔ یہ بہت خوں ریز اور مہلک تصادم ثابت ہوسکتا ہے" اول خان کی آواز سے گہری تشویش نمایاں تھی "ہمارے دوستوں نے ہمیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے۔"

"میرا لڑنے مرنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ مجھے قوی امید ہے کہ وہ بھی اپنی کھال میں رہے گا۔"

"میں تمہاری اس خوش فہمی کا سبب ضرور جاننا چاہوں گا۔" اول خان بولا۔

"وہ بہت چالاک اور خرانٹ آدمی ہے۔ میں اس سے کھیل رہا تھا۔ وہ مجھے اُلو بنانے کی کوشش کررہا تھا۔ مجھے پورا یقین ہے کہ اس نے میری باتوں پر اعتبار نہیں کیا ہوگا۔۔۔؟"

"پھر اس نے تم سے اتنی لمبی بات کیوں کی؟" اول خان نے درمیان میں سوال کرڈالا۔

"اسے کوئی سرا ملنے کی موہوم سی امید ہوئی ہوگی۔ وہ اس موقع سے فائدہ اٹھانے کی کوشش کرے گا" میں نے پورے اعتماد سے جواب دیا "مجھ سے ملاقات ہونے سے پہلے وہ میرے خلاف کوئی براہِ راست کارروائی نہیں کرے گا۔"

اول خان کی نظریں قریبی گلیوں اور راستوں پر جمی ہوئی تھیں۔ وہ سرہلا کر بولا "ہاں' اسے کوئی شبہ ہو بھی چکا ہو تو تم سے ملے بغیر اسے یہ اندازہ کیسے ہوسکے گا کہ تم سچے ہو یا جھوٹ بول کر اسے بے وقوف بنا رہے ہو' وہ تم سے ملے بغیر کوئی منفی قدم نہیں اٹھائے گا۔"

"بس یہی ایک نفسیاتی نکتہ ہے جہاں مجھے اس پر برتری حاصل ہے۔ وہ ڈینی کے بارے میں ہر قیمت پر کچھ نہ کچھ جاننا چاہتا ہے۔ میں نے یہ امید دلا کر اسے اپنے جال میں پھانس لیا ہے۔ دوسری اور اہم بات یہ ہے کہ وہ مجھے نہیں جانتا' میں تمہاری مدد سے اسے دور سے پہچان سکتا ہوں۔"

"تم نے اسے اپنی جو شناخت بتائی ہے وہ سن کر میں ہکا بکا رہ گیا تھا۔ کالے ہڈوالی سرخ سوزوکی کیری جس کے اوپر سبز بلب لگا ہوا ہو' کہاں سے آئے گی؟ ایسی گاڑی تم نے کہاں دیکھ لی تھی؟"

"گھر میں بیٹھ کر اطمینان سے بتاؤں گا" میں نے ہنس کر کہا کیونکہ ہم واپس گھر پہنچ چکے تھے اور اول خان نے اپنی گاڑی باہر روک دی تھی۔

"تم عجیب اور سمجھ میں نہ آنے والے آدمی ہو" وہ میرے ساتھ گھر میں داخل ہوتے ہوئے بڑبڑایا "بعض اوقات ایسی باتیں کرتے چلے جاتے ہو جن کا کوئی سرپیر نظر نہیں آتا۔ بعد میں ان کی اہمیت سامنے آتی ہے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔"

وہ مبالغانہ تبصرہ میری تعریف میں تھا اس لیے میں خاموش رہا۔

ڈور بیل کے جواب میں دروازہ کھلا تو ان تینوں کے اُڑے اُڑے اور پریشان چہرے دروازے کے پیچھے تھے۔

"کسی سے کچھ کہے سنے بغیر کہاں مرگئے تھے؟" ورانے غراتی ہوئی غصیلی آواز میں پوچھا۔ اس کی نیلی آنکھوں میں تیرتے ہوئے خمار کے ہلکے سرخ ڈورے یہ بتارہے تھے کہ وہ سُرور کے عالم میں تھی۔ ہم دونوں نے خاموشی سے گھر سے نکل کر اس کا موڈ غارت کردیا تھا۔

"بے چارے ڈینی پر آنکھیں مت نکالو۔ ہم جان ایش کوف کو فون کرنے کے لیے ایک پبلک بوتھ تک گئے تھے" میرے کچھ بولنے سے پہلے اول خان بزرگانہ انداز میں بول پڑا۔ "اب ہمیں اندر آنے کا راستہ بھی دو گی یا یوں ہی اڑی کھڑی رہو گی؟"

"ہمیں اس سے غرض نہیں کہ آپ دونوں کہاں گئے تھے" غزالہ نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "جانے سے پہلے کسی کو تو کچھ بتا جاتے تاکہ ہم تینوں کو پریشانی نہ ہوتی۔ ہم سب آج کل بدترین خطرات سے دوچار ہیں۔ دشمن پوری قوت کے ساتھ میدان میں اُترے ہوئے ہیں۔ آپ دونوں کو اچانک غائب پاکر ہمارے ذہنوں میں بُرے بُرے خیالات آنے شروع ہوگئے تھے۔ مجھے بھارتیوں سے کبھی خوف نہیں آیا لیکن امریکیوں سے ڈر لگتا ہے وہ بہت سفاک اور جدید ترین ہتھیاروں سے لیس ہیں۔"

"وہ ہمیں بیٹھے بیٹھے دھواں بنا کر تو نہیں اڑا سکتے تھے" میں نے بدمزگی سے کہا۔

"اس خوش فہمی میں نہ رہنا۔ وہ یہ بھی کرسکتے ہیں۔ لیزر سے چلنے والے جدید ترین ہتھیار دھاتوں تک کو چشم زدن میں بھاپ بنا کر اُڑا دیتے ہیں۔ ان ہتھیاروں کے سامنے انسانوں

Downloaded from https://paksociety.com

کے آبی بدن کی کوئی حقیقت نہیں ہے" ویرا نے فضا میں اپنی شہادت کی انگلی نچا کر کہا۔

"کم از کم اس وقت ایسا نہیں ہوا تھا" میں نے تلخی سے کہا "تم اپنے کمرے میں بیٹھی ہوئی موج اڑا رہی تھیں۔ تمہیں اپنے عشرت کدے سے باہر آنے کی کیا ضرورت تھی؟"

"سلطان شاہ اور غزالہ کو تمہارا ہوش تک نہیں تھا" ویرا نے ہمارے ساتھ ڈرائنگ روم میں بیٹھتے ہوئے ترکی بہ ترکی جواب دیا "تم نے کچھ دیر بعد میرے کمرے میں آنے کا وعدہ کیا تھا۔ جب خاصا وقت گزر گیا اور تم نہیں آئے تو میں تمہاری تلاش میں باہر نکلی۔ میری آوازیں سن کر ان دونوں کو بھی ہوش آگیا۔"

"یہ درست کہہ رہی ہے۔ اس کے ڈکرانے کی آوازیں سن کر ہم چونکے تھے" سلطان شاہ نے سنجیدہ روئی سے ویرا کی تائید کی۔

"اگر میں اس وقت ڈکرا رہی تھی تو اس وقت تم رینک رہے ہو" ویرا مشتعل ہو کر بولی۔

"اس وقت تمہارے سر پر لال پری سوار ہے" سلطان شاہ نے بے نیازی سے کہا "تم کو سات خون معاف ہیں۔ جو چاہو، کہہ سکتی ہو۔"

"لال گلابی پری سے میرا کچھ نہیں بگڑتا" ویرا نے برہمی سے کہا "میں پوری بوتل پی کر بھی تم سے زیادہ ہوش مند رہتی ہوں۔ کسی کے ساتھ کمرے میں بند ہو کر دنیا و مافیہا سے بے خبر نہیں ہو جاتی۔ میرے منہ لگنے کی کوشش کرو گے تو میں تمہارا سر توڑ دوں گی۔"

"الکحل کی بو والے منہ کی قربت سے مجھے متلی ہونے لگتی ہے" سلطان شاہ اسے چڑانے پر تل گیا۔

مجھے فضا میں فساد کے آثار منڈلاتے ہوئے نظر آنے لگے۔ ویرا اپنے ہوش و حواس میں تھی لیکن کسی حد تک مخمور تھی۔ اس وقت اس کی ذہنی رو بھک جاتی تو اسے سنبھالنا کافی دشوار ہو سکتا تھا۔ میں نے تیزی سے کہا "تم لوگ ہمیشہ اپنی بے وقت کی رائنی الاپنے میں مصروف رہتے ہو۔ کیا تم نے یہ نہیں سنا کہ ہم دونوں جان ایشکوف سے فون پر بات کرنے کے لیے باہر گئے تھے۔ تمہاری نظروں میں اول خان کی دی ہوئی اس اطلاع کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔"

"باہر جانے کی کیا ضرورت تھی؟ یہاں سی ایس ڈی استعمال کر کے تم زیادہ مطمئن رہ سکتے تھے" ویرا نے مجھ سے کہا۔

میں ویرا کی احمقانہ تجویز کا کوئی جواب دینے والا تھا کہ اول خان نے خشک لہجے میں مجھے ٹوک دیا "وقت تیزی سے گزر رہا ہے۔ ان بے سروپا باتوں میں تو بچ جائیں گے۔ تم اس رہنمین سوزوکی کیری کے بارے میں کچھ بتانے جا رہے تھے؟"

"بس، ذرا ایک بات بتا دو" سلطان شاہ نے التجا کی "تو بجے کی کیا اہمیت ہے۔ یہ بات میرے علم میں آجائے گی تو تم دونوں کی بقیہ باتیں خود بخود میری سمجھ میں آتی چلی جائیں گی۔"

"ڈینی نے پہلے سے کچھ طے کیے بغیر جان ایشکوف سے فون پر فی البدیہہ بات کی ہے اور اس سے نو بجے تین ٹیٹی کے مندر کے قریب ملنے کا پروگرام طے کیا ہے۔ اب یہ اس سوزوکی کیری کے بارے میں بتائے گا جس میں اسے وہاں پہنچنا ہے۔"

اول خان مشینی انداز میں اپنی بات پوری کر کے میری طرف دیکھنے لگا۔

"کالے ہڈ والی کسی سرخ سوزوکی کیری کی سرے سے ضرورت نہیں ہے۔ میری کوشش تھی کہ وہ کسی طرح اپنی کمین گاہ سے نکل کر شہر کے کسی کھلے مقام پر آئے اور ہم وہاں اس کی خبر لے سکیں۔ نو بجے وہ میری بتائی ہوئی سوزوکی کیری ڈھونڈ رہا ہوگا اور میں تمہاری شناخت کے ذریعے اس کے سر پر پہنچ جاؤں گا۔ بے خبری میں اس کی ایسی گوشمالی ہوگی کہ وہ اسے زندگی بھر فراموش نہیں کر سکے گا۔"

"جلال نے ہمیں اس سے دور رہنے کا مشورہ دیا ہے" اول خان نے سنجیدگی سے کہا "پاکستان کی سرزمین پر اسے کوئی گزند پہنچا تو ہمیں خوا مخواہ امریکیوں کی بڑھتی ہوئی مخاصمت کا سامنا کرنا پڑے گا۔"

"اس کا مارا جانا امریکیوں کے اشتعال کا سبب بن سکتا ہے۔ میرا اسے مارنے کا کوئی ارادہ نہیں ہے۔ اسے مار پیٹ کر کے چھوڑ دیا گیا تو امریکی محتاط رہ کر زبان کھولیں گے۔ انہی میری تلاش کے لیے مقامی مدد کی شدید ضرورت ہے۔"

"جلال ضرور برہم ہوگا۔ تمہارا یہ منصوبہ اس کے لیے قابلِ قبول نہیں ہوگا۔"

"مجھے اس سے اجازت لینے کی کوئی ضرورت نہیں" میں نے زور دے کر کہا "میں فری لانسر ہوں۔ اگر جان ایشکوف میری سرکوبی کے لیے اتنا سرگرم ہے تو پھر مجھے بھی اپنا دفاع کرنے اور اسے روکنے کا پورا پورا حق حاصل ہے۔ اس واقعے کے بعد میں یہاں واپس نہیں آؤں گا۔ شہر میں کہیں

Downloaded from https://paksociety.com

روپوشی اختیار کراوں گا۔ جلال تم میں سے کسی سے رابطہ کرے تو کہہ دینا کہ میں غائب ہوچکا ہوں۔ مجھ سے رابطہ کیے بغیر تم کچھ کہنے سے معذور ہو۔"

"اچھی طرح سوچ لو" اول خان نے مجھے تادیب کی "یہ تمہارے اندازے ہیں جو غلط بھی ثابت ہوسکتے ہیں۔"

"جان سے بات کرنے سے پہلے میں نے کچھ نہیں سوچا تھا لیکن اس کے بعد اپنے منصوبے پر مسلسل غور کرتا رہا ہوں۔ مجھے اس میں کوئی نقص نظر نہیں آتا۔ میرا خیال ہے کہ میں امریکیوں کے حوصلے توڑنے میں کامیابی حاصل کراوں گا۔"

"تم بالکل صحیح سمت میں سوچ رہے ہو" ویرا نے کھل کر میری تائید کی "جو مارتا ہے' امریکی اس سے خوف کھاتے ہیں۔ ڈرنے والوں کو یہ پوری قوت سے دباتے چلے جاتے ہیں اور آخر کار اسے بند دیوار سے لگا دیتے ہیں۔"

"وہ بچے گا مگر زندہ رہے گا" میں نے اپنے ذہن میں منصوبے کے خدوخال مرتب کرتے ہوئے کہا "میرا خیال ہے کہ دہلی کے سمراٹ ہوٹل میں جان اسمتھ کی ہلاکت کے بعد اس کا جانشین اس واقعے سے عبرت حاصل کرے گا۔"

"تمہارا یہ مفروضہ بے بنیاد ہے کہ وہ تمہارے جال میں پھنسنے کے لیے اکیلا ہی مقررہ مقام پر پہنچے گا۔ یقینی طور پر کچھ لوگ پوشیدہ رہ کر اس کے حفاظت کررہے ہوں گے۔ تم اس پر ہاتھ ڈالو گے تو وہ خاموش تماشائی نہیں بنے رہیں گے۔ تم پر آگ اور بارود کی برسات کردیں گے۔"

"ان کا جواب دینے کے لیے ہمارے پیچھے بھی مسلح نفری موجود ہوگی... چونکو نہیں۔ وہ تمہاری ٹاسک فورس کی نفری ہی ہوسکتی ہے۔ جب ہم ایک دوسرے سے گتھے ہوئے ہوں گے تو جان کے آدمی اسے کولی لگ جانے کے خوف سے نشانہ لے کر فائرنگ نہیں کریں گے۔ وہ مجھے خوف زدہ کرنے کے لیے صرف ہوائی فائرنگ کرسکتے ہیں۔ میں اسے ماروں گا اور اندھیرے میں کسی طرف بھاگ نکلوں گا۔"

"سمجھانا میرا فرض ہے جو میں نے پورا کردیا" اول خان ایک گہرا سانس لے کر کرسی کی پشت گاہ سے ٹک گیا "میرے مشوروں کو ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے۔ اس معاملے میں اسپیشل ٹاسک فورس کو الگ تھلگ رکھا گیا ہے اور میرے ہاتھ کھلے ہوئے ہیں۔ اگر تم من مانی پر تل گئے ہو تو میں تمہارا ساتھ دینے کے لیے مجبور ہوں۔ تم سے دوستی ہوجانے کے بعد میں نے ایک بار بھی تمہیں پیٹھ نہیں دکھائی۔"

"تمہارے اسی تعاون کی وجہ سے میں آج تک زندہ ہوں ورنہ میرے خون کے پیاسوں نے مجھے بہت پہلے ہی ڈالا ہوتا" میں نے ممنونیت سے لبریز لہجے میں جواب دیا "میرا خیال ہے کہ جان کے خلاف اس کارروائی کے نتائج سے پر تمہاری رائے بدل جائے گی۔ اگر اس موقع پر پولیس زخمی جان کی مدد کو پہنچ سکے تو کام مزید آسان ہوجائے گا۔"

"پولیس والوں کے اپنے ہی رنگ ڈھنگ ہوتے ہیں۔ ایسے افسران میرے رابطے میں ہیں جو یہ کام کرسکتے ہیں لیکن جوش میں وہ وقت سے پہلے آنکلے تو تمہارا پورا منصوبہ ٹھپ ہوجائے گا۔ تم جان کو ہاتھ بھی نہیں لگا سکو گے۔ پولیس کی مداخلت سے کیا فائدہ ہوگا۔"

"واقعہ ریکارڈ پر آجائے گا۔ جان کے لیے یہ بتانا دشوار ہوگا کہ وہ رات کے اندھیرے میں اس سنسان مقام پر کس پراسرار مقصد کے لیے آیا تھا" میں نے سگریٹ سلگاتے ہوئے کہا "جب تک وہ اپنی شناخت ثابت کرے۔ پولیس اس کی جامہ تلاشی لے کر دو ڈھائی لاکھ روپے کی خطیر رقم برآمد کرچکی ہوگی۔ اسے یہ بتانا ہوگا کہ وہ اتنی بڑی رقم لے کر وہاں کس چور' قاتل یا اسمگلر سے سودا طے کرنے آیا تھا۔"

یکایک اول خان کی آنکھیں چمک اٹھیں اور وہ بولا "یہ اس واقعے کا سب سے جان دار پہلو ہوگا۔ وہ شکایت کرنے کے بجائے مدافعانہ پوزیشن میں آجائیں گے۔ امریکی حکومت نے کراچی کو اپنے آدمیوں کے لیے مخدوش شہر قرار دیا ہوا ہے اور انہیں غیر ضروری طور پر پبلک مقامات کا رخ کرنے سے منع کیا ہوا ہے۔ ان ہدایات میں اجنبیوں اور دور افتادہ یا ویران مقامات سے دور رہنے کا سخت مشورہ بھی شامل ہے۔"

"انگریزی اخبارات میں چند ہفتوں قبل چھپنے والا وہ اشتہار میرے ذہن میں تازہ ہے۔"

"لیکن تم کو وعدہ کرنا ہوگا کہ تم اسے نہیں مارو گے" اول نے میری آنکھوں میں جھانکتے ہوئے بے بسی سے کہا۔

"یہ بات میں بار بار واضح کرچکا ہوں۔ پیر کے نیچے بار بار دبنے کے بعد چیونٹی بھی پلٹ کر کاٹ لیتی ہے۔ طاقت کے اعتبار سے امریکیوں کا مقام بہت بلند ہے۔ دوسرے جان کے خون پر وہ جھنجلا کر کوئی بھی انتہائی قدم اٹھا سکتے ہیں۔"

"ان کے لیے ایک امریکی کے بدلے دس پانچ ہزار معصوم اور بے گناہ شہریوں کو مار دینا کوئی بڑی بات نہیں ہوگی۔ بحر ہند میں لنگر انداز کسی بھی جنگی جہاز سے وہ ایک میزائل فائر کریں گے اور اپنے انتقام کی وحشیانہ آگ کو سرد کرلیں گے۔"

"مائی ڈیئر سر! تم اتنی وضاحتیں کیوں کررہے ہو؟ میں یہ

Downloaded from https://paksociety.com

سب جانتا ہوں" میں نے اس کے آگے دونوں ہاتھ جوڑ دیئے۔

"آپ نے بھارت سے واپس آتے ہی پھر پاگل کتے کے منہ میں ہاتھ ڈالنا شروع کردیا" سب کچھ طے ہوتا ہوا دیکھ کر غزالہ سراسیمہ آواز میں بولی "یہ کوئی دانش مندی نہیں ہے۔ آپ بلاوجہ بڑھ چڑھ کر خطرات مول لینے لگے ہیں۔"

"جان ایشکوف کو میں نے استنبول سے نہیں بلایا ڈارلنگ! وہ خود یہاں آیا ہے اور میرا متلاشی ہے۔"

"یہ اس کا حق ہے" غزالہ نے زور دے کر کہا "دہلی میں مرنے والے اپنے ساتھی کے قاتل تک پہنچنے کی کوششیں کرنا اس کا فرض ہے۔ آپ بلاوجہ اس سے کیوں الجھنا چاہ رہے ہیں۔ آپ اسے اپنا سرکھپانے دیں اور خود خاموشی سے روپوش ہوجائیں۔"

"تم جانتی ہو کہ ایسا کرنا میرے مزاج کے خلاف ہوگا۔ وہ میری جان کا دشمن ہے۔ اس کی راہ میں روڑے اٹکانے کا حق مجھ سے نہ چھینو۔"

"آپ روپوش ہوجائیں گے اور ہم تینوں یہیں رہتے رہیں گے؟" چند ثانیوں کے بعد غزالہ نے پوچھا۔

"اس بارے میں اول خان سے پوچھو۔ اس کی رائے زیادہ صائب ہوگی" میں نے کہا۔

"تم تینوں کے یہاں رہنے میں کوئی حرج نہیں۔ آج کل شہر میں رینجرز کے دستوں کے حفاظتی گشت کی ڈیوٹیاں لگی ہوئی ہیں۔ ان کی آڑ میں میرے آدمی دور رہ کر تم تینوں کی دیکھ بھال کرتے رہیں گے۔ اس وقت سارا زور صرف ڈینی کی ذات پر ہے۔"

"ڈینی پر دباؤ ڈالنے کے لیے وہ لوگ ہماری طرف بھی متوجہ ہوسکتے ہیں" ویرا نے اپنی تشویش کا اظہار کیا "یہ بات اب مکمل ہوچکی ہے کہ ہم چاروں یک جا رہ کر ڈینی کا ساتھ دے رہے ہیں۔ ہمارے دشمنوں کو ہمارے نام تک معلوم ہیں۔"

"انہیں بہت کچھ معلوم ہے۔ بس ہماری کمین گاہ کا علم نہیں ہے۔" سلطان شاہ نے امید افزا پہلو کی نشان دہی کی۔

"ہمیں عجلت اور گھبراہٹ میں الٹے سیدھے فیصلے کرنے کی ضرورت نہیں" اول خان نے حتمی طور پر اپنا فیصلہ صادر کردیا "ڈینی آج رات جان ایشکوف سے اپنی مجوزہ ملاقات کے بعد یہاں نہیں آئے گا۔ بقیہ سب کچھ جوں کا توں رہے گا۔ حالات سازگار ہونے پر کچھ اور سوچا جائے

حسین سے حسین تر بننے کیلئے
چہرے کے فاضل بالوں کو ہمیشہ کیلئے ختم کرتی ہے
برسہابرس کے تجربے اور تحقیق کے بعد ۲۰ قیمتی جڑی بوٹیوں کے
اجزاء اور عرقیات سے تیار کردہ جدید نمبادار غ دھبوں، مہاسوں کو بھی
صاف کر کے چہرے کی رنگت نکھارتی ہے۔
گلیسی فیس واش کریم
ایسٹاکسٹ:
خواجہ اسٹور ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
صدر میڈیکل اسٹور ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
مسلم جنرل اسٹور نیاقت مارکیٹ نیلہ کراچی
فرحان مین نیاقت مارکیٹ نیلہ کراچی
قریشی واٹر ایمپریس مارکیٹ صدر کراچی
قریشی میڈیکل اسٹور مدینہ چوک، بیکم بازار حیدرآباد
نیو میڈیکل واٹر کورنگی نمبر ۲ سکھر
ہیرزادہ میڈیکل اسٹور ریحان روڈ سکھر
طاہر شاپنگ سینٹر رحیم یار خان روڈ
علی بوبیا اسٹور انجم موڑ لاہور
ایس اے بوبیا اسٹور ریلوے روڈ لاہور
راجہ اینڈ برادرز شیخوپورہ بازار سیالکوٹ
پاکستان جنرل اسٹور گیٹ نمبر ۲ بازار گول چوک سرگودھا
نظامیہ ہوٹل سینٹر مدینہ مارکیٹ سٹیلائٹ روڈ فیصل آباد
شاہی طبی واٹر ایجنسی بازار فیصل آباد
پنجاب جنرل اسٹور نمبر ۲ بی ڈسٹرکٹ سرگودھا
شیخ جنرل اسٹور مدینہ مارکیٹ سٹیلائٹ روڈ فیصل آباد
رمضان پنساری کوشالہ روڈ چیچہ وطنی
بادشاہ دی ہیئی ڈھوک کھبہ راولپنڈی
خواجہ واٹر ایجنسی صرافہ بازار ایبٹ آباد
احسن محمود میڈیکل سیالکوٹ روڈ نارووال
حاجی واٹر ایجنسی بازار حافظ آباد شیخوپورہ
پرنس پنساری اسٹور ریلوے روڈ شیش روڈ کوئٹہ
پرنس پنساری اسٹور ریلوے روڈ شیش روڈ کوئٹہ
انعام کیمسٹ شیش روڈ ملتان
جید کیمسٹ اسٹور انارکلی مال کلاتھ مارکیٹ لاہور
دارالشفاء میڈیکل بازار مظفر آباد
شیخ واٹر ایجنسی بازار مظفر آباد
علی بوبیا اسٹور سرکلر مجرات
علی بوبیا اسٹور اقبال روڈ کشمیری چوک راولپنڈی
لطیف کیمسٹ جناح پارک چوک راولپنڈی
مشتاق واٹر ایجنسی پاک گیٹ ملتان
میمن بوبیا اسٹور لوہاری چوک سیالکوٹ
المدینہ جنرل اسٹور ایمپریس روڈ راولپنڈی
ابن سینا اسٹور گھنٹہ گھر بازار ڈیرہ غازی خان
شالامار میڈیکل اسٹور ریلوے روڈ سرگودھا
نور صادقین ایجنسی نزد ٹاؤن والے چوک بازار ملتان
ٹی ایچ ایم اسٹور پیپلز روڈ گلبرگ
ڈسٹری بیوٹر: ریاضی محمود ۲۹ نیو عالمگیر مارکیٹ شاہ عالم لاہور۔ فون نمبر 7686268 محمد علی دواخانہ ۱۹ الیر ٹی شاپنگ سینٹر آبپارہ اسلام آباد
فون نمبر 5502903 محمد صادقین اینڈ سنز موتی والے چوک بازار ملتان فون نمبر 542173 شاہی طبی دواخانہ بوہڑ بازار راولپنڈی فون نمبر 5505519
گھر بیٹھے بذریعہ ڈاک وی پی پارسل منگوانے کے لئے
حکیم اینڈ سنز۔ پوسٹ بکس 2159 کراچی 74600 پاکستان

Downloaded from https://paksociety.com

گا۔"

"تم کہاں جاؤ گے؟" ویرا نے پوچھا۔ باتوں میں الجھ کر وہ یہ بات بھول گئی تھی کہ اس کی بے نوشی کا دور ناتمام رہ گیا تھا "ہمیں تمہارے پتے ٹھکانے کا علم ہونا چاہیے تاکہ کسی بھی ایمرجنسی کی صورت میں تم سے مشورہ کیا جاسکے۔"

"میرے مشورے کی کیا ضرورت ہے۔ تم خود بقراط سے کم نہیں ہو" میں نے مسکرا کر کہا۔

"ہمیں اس موضوع پر زیادہ بات کرنے کی ضرورت نہیں" سلطان شاہ بولا "ویسے یہ سامنے کی بات ہے کہ اس وقت ڈینی کے لیے اسٹیشن فور ہی سب سے محفوظ ٹھکانا ہوسکتا ہے۔ وہاں اول خان کی مرضی کے بغیر پرندہ بھی پر نہیں مار سکتا۔"

"اتنی خوش فہمی اچھی نہیں ہوتی" اول خان نے اس کی تصحیح کرتے ہوئے کہا "اسپیشل ٹاسک فورس ایک بے ضابطہ ادارہ سہی لیکن اس کا ڈسپلن بہت زیادہ سخت ہے۔ میں سارے معاملات میں خود مختار نہیں ہوں۔ مجھے کسی کو جواب دہی کرنی پڑتی ہے۔ وہ چاہے تو مجھے اسٹیشن فور سے اٹھا کر بھی پھینک سکتا ہے۔ میں اخلاقی اور منصبی طور پر اسے اپنی ہر اہم کارروائی سے باخبر رکھنے کا پابند ہوں۔"

"یہ تمہاری فرش شناسی ہے مگر ہم لوگ جانتے ہیں کہ تمہارا چیف بھی ڈینی کی صحیح سوچ اور فیصلوں کا معترف ہے۔ وہ کبھی بھی اس کے مفاد کے خلاف کوئی قدم نہیں اٹھائے گا۔"

"یہ سب باتیں اس وقت تک درست تھیں جب تک ایس ٹی ایف کا وجود سینہ راز میں تھا۔ یہ موجود ہے مگر ریکارڈ اور فائلوں پر اس کا کوئی سراغ نہیں ہے۔ اس کے باوجود امریکی جان چکے ہیں کہ یہاں دستور سے ماورا ایک طاقت کام کررہی ہے۔ ان کا دھیان اس طرف بھٹک گیا تو وہ اپنی ساری توجہ ایس ٹی ایف کے ٹھکانوں پر مرکوز کردیں گے۔ وہ اس قدر بالادست ہیں کہ ان کے سامنے شدت سے بے بسی کا احساس ہونے لگتا ہے۔"

"ان میں ایٹ کون سے سُرخاب کے پر لگے ہوئے ہیں جو تم ان کے قصیدے پڑھ رہے ہو؟" ویرا گو اپنی قوم کی وہ تعریف پسند نہیں آئی۔

"یہ قصیدے نہیں، آج کے زمینی حقائق ہیں" اول خان نے افسردہ سی مسکراہٹ کے ساتھ جواب دیا "اسٹیشن فور کی جانچ پڑتال کے لیے انہیں وہاں جانے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ خلا میں زمین کے مدار پر گھومتے ہوئے مصنوعی سیارچوں میں لگے ہوئے حساس کیمروں سے دنیا کے کسی بھی حصے میں کسی شخص یا چیز کی واضح تصویر لے سکتے ہیں۔ روایتی طور پر کہا جاتا ہے کہ وہ خلا سے کسی زمینی ریگستان میں گری ہوئی سوئی تک کا سراغ لگا سکتے ہیں۔ یہ سنی سنائی باتیں نہیں ہیں۔ آج کے اجلاس میں جان ایشکوف نے سب حاضرین کو امریکا کی ان صلاحیتوں کے بارے میں بتایا تھا۔ وہ اپنے اسی بے مثال مواصلاتی نیٹ ورک کے ذریعے ڈینی کا سراغ لگانا چاہتے ہیں۔ اس کے لیے انہیں ڈینی کی تصاویر، فنگر پرنٹس اور دوسرے ڈیٹا کی ضرورت ہے۔ ایک مرتبہ انہوں نے یہ ریکارڈ اپنے کمپیوٹروں میں ڈال دیا تو ڈینی کے کھلے آسمان تلے آتے ہی مواصلاتی کیمرے اپنے زمینی اسٹیشنوں کو اطلاع دے دیں گے کہ مطلوبہ آدمی اس وقت فلاں مقام پر موجود ہے۔ اس کے بعد ہونے والی کارروائی کا انحصار امریکیوں کی مرضی پر ہوگا۔ وہ اس نشانے پر راکٹ داغیں، میزائل چلائیں، طیارے سے بمباری کریں یا کوئی چاق وچوبند زمینی دستہ بھیج کر اپنے شکار کو زندہ پکڑنے کی کوشش کریں۔"

"غزالہ جھرجھری لے رہی تھی۔" ویرا نے مذاق اڑانے والے لہجے میں کہا پھر یک بہ یک سنجیدہ ہوگئی "تم نے بہت بھیانک منظر کشی کی ہے۔ اگر یہ سب درست ہے تو روئے زمین کا کوئی کونا امریکیوں کی نگاہ سے اوجھل نہیں ہے۔ وہ گھر بیٹھے سب کچھ جان لیتے ہیں۔"

"اکلوتی سپر پاور ہونے کے اسی زعم نے ان کا دماغ خراب کیا ہوا ہے اور وہ ہر ایک پر غراتے رہتے ہیں" سلطان شاہ بولا۔

"سوال یہ ہے کہ دنیا کے سارے ممالک اس بات پر احتجاج کیوں نہیں کرتے کہ امریکی سیارے ان کے اوپر سے گزرتے ہیں یا ان پر ٹھہرے ہوئے ہیں" غزالہ نے پوچھا۔

"ساری گڑبڑ یہ ہے کہ خلا تک دنیا کے چند گنے چنے ممالک کی رسائی ہے اور ایک عالمی معاہدے کے تحت خلا پر کسی جغرافیائی حد کا اطلاق نہیں ہوتا۔ ترقی یافتہ ملکوں کو خلا میں امن کے نام پر من مانی کرنے کی آزادی حاصل ہے۔ زمین کے گرد پھیلے ہوئے فضائی غلاف کی کل اونچائی ڈھائی سو میل ہے جبکہ ساری فضائی سہولتیں دس پندرہ میل سے زیادہ اوپر نہیں جاتیں کیونکہ بلندی بڑھنے کے ساتھ ایندھن کو جلانے والی آکسیجن کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ ایسے میں کون ڈھائی سو میل سے آگے خلا میں جائے گا۔"

"تمہیں اس بارے میں خاصی معلومات حاصل ہیں۔ اس وقت امریکا کے گن گا رہے ہو؟" ویرا نے ہلکے سے استہزا کے ساتھ کہا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"یہ بہت موٹی موٹی اور بنیادی باتیں ہیں جو شاید سائنس پڑھنے والے بچے بھی جانتے ہوں گے۔ یہ باتیں کسی بار کی یا ٹیکنیکی الجھن کے بغیر سمجھ میں آجاتی ہیں۔ پہلے ان خلائی ترقیوں میں روس' امریکا کا سب سے بڑا حریف ہوا کرتا تھا۔ جب سے امریکا نے مجاہدوں کی بھاری مالی اور فوجی مدد کرکے اسے افغانستان میں جوتے لگوائے ہیں' میدان خالی ہوگیا ہے اور امریکا اس میدان میں سب پر سبقت لے گیا ہے۔"

"جلال نے اجلاس میں جان کا جو رویہ بتایا ہے وہ آنے والے دنوں میں بھیانک واقعات کی غمازی کررہا ہے۔ القاعدہ اور اس کی قیادت کو سی آئی اے نے جان جیسے افسروں کے ذریعے پال پوس کر توانا کیا ہے۔ اب وہ ان کے خلاف زہر اگل رہے ہیں۔ یہ تیور اچھے نہیں ہیں۔" میں نے تشویش سے کہا۔

"اس وقت آپ اپنی ساری توجہ اپنے تحفظ پر مرکوز رکھیں۔" غزالہ نے چڑ کر کہا "سی آئی اے دنیا کی ایک ہزار پاہا ہے جو جگہ جگہ اپنے پنجے گاڑے بیٹھی ہے۔ وہ ہر جگہ امریکی مفادات کے لیے کام کررہی ہے اور اس کے لیے مہرے آگے پیچھے کرتی رہتی ہے۔ آپ کو ان باتوں میں سر کھپانے کی ضرورت نہیں ہے۔"

"غزالہ کا مشورہ بہت مناسب اور بروقت ہے۔ تمہیں ہر قیمت پر خود کو بچانا ہے۔ دوسری باتوں کو بھول جاؤ۔" اول خان نے کہا۔

"آج رات کی مہم پر ہم تینوں میں سے کون کون تمہارے ساتھ جائے گا؟" ویرا نے سنجیدگی سے پوچھا۔

"کوئی نہیں۔ مطلع صاف ہونے تک تم تینوں میرے سائے سے بھی دور رہو گے۔" میں نے اس کی مخمور آنکھوں میں جھانکتے ہوئے جواب دیا۔

"تمہاری کمک کے طور پر ایس ٹی ایف کے کچھ مسلح آدمی پیچھے رہ کر حالات پر نظر رکھیں گے۔" سلطان شاہ نے لب کشائی کی "ہم تینوں ان کی صف میں شامل ہوکر آسانی سے خود کو پوشیدہ رکھ سکتے ہیں۔ ہماری واپسی بھی ان کے ساتھ ہوگی۔"

"نہیں۔ میں اس کے خلاف ہوں۔" اول خان نے سختی سے کہا "ڈیبی کو متوقع خطرات کا صحیح ادراک ہے۔"

"ہم تم سے کہاں اور کیسے رابطہ کریں گے؟" ویرا کی نظروں میں تشویش کے سائے لرزاں تھے۔

"اس کی کوئی ضرورت نہیں۔ کال سینسنگ ڈیوائس کی ڈبیا میں اپنے ساتھ لے جاؤں گا۔ جہاں سے موقع ملا' تم لوگوں سے رابطہ کراؤں گا۔" میں نے بے پروائی سے کہا۔

"اب سات بجنے والے ہیں۔ تم ان لوگوں کے ساتھ اپنی تیاری کرو اور مجھے تخلیہ فراہم کردو۔" اول خان نے مجھ سے مخاطب ہوکر کہا "وقت کم رہ گیا ہے۔ مجھے نو بجے کے بے داغ پروگرام کے لیے کئی جگہ بات کرنی ہوگی۔ علاقہ پولیس کی شمولیت کا مرحلہ شاید سب سے دشوار ہوگا۔"

میں صوفے سے اٹھ گیا۔ اول خان کی بے لاگ ہدایت کے بعد ڈرائنگ روم میں کسی کے رکنے کی گنجائش نہیں رہی تھی۔

"اب تم جاہی رہے ہو تو کچھ دیر کے لیے میرے ساتھ بیٹھو۔" ڈرائنگ روم سے باہر نکلتے ہی ویرا نے غزالہ کی موجودگی کی پروا کیے بغیر' ڈھٹائی سے میرا بازو تھام کر مطالبہ کردیا "بھارت کی تنہائی نے میرے ذہن میں خاصا غبار بھر دیا ہے جس کا اب صاف ہونا ضروری ہوگیا ہے۔"

میں نے بے چارگی سے غزالہ کی طرف دیکھا۔ اس نے اپنے سر کو اثبات میں جنبش دے کر مجھے اجازت دے دی۔

"میرے لیے بس اتنی تیاری کردو جتنی دہلی کے لیے کی تھی۔" میں نے ویرا کے ساتھ اس کے کمرے کی طرف جاتے ہوئے غزالہ سے کہا "میرے بیگ میں سی ایس ڈی رکھنا نہ بھولنا۔"

"سب ہوجائے گا۔ مرے کیوں جارہے ہو۔" ویرا نے میرے بازو میں چٹکی لے کر سرگوشی کی۔

میں نے بے چارگی سے اس کی طرف دیکھا "کبھی کبھی تم مجھے سب کے سامنے تماشا بنادیتی ہو۔"

ویرا ہنس پڑی "میں تمہیں ذبح کرنے نہیں لے جارہی ہوں۔ تم نے اپنے چہرے پر مظلومیت کیوں طاری کرلی ہے۔"

"میرا یہ ردعمل فطری ہے۔ تمہاری محبت سے بھی عجیب طرح کی سفاکی اور برتری جھلکتی ہے جو کبھی کبھی خوف زدہ کرنے لگتی ہے۔"

اس بار وہ پُرغرور انداز میں زیادہ زور سے ہنسی تھی۔ اس نے اپنی رسٹ واچ پر ایک نگاہ ڈالی اور دھیرے سے بولی "ابھی ایسی محبت کے اظہار کا وقت نہیں ہے۔ تم بار بار یہ بات بھول جاتے ہو کہ جب میں نے پہلی بار تمہیں پسند کیا تھا تو میں ویرا نہیں بنی تھی' تمہاری بلیک کوئن ہوا کرتی تھی جس کے نام سے بڑے بڑے بدمعاشوں کے پیشاب خطا ہوجاتے تھے۔ تم یہ سوچ کر خوش ہورہے ہو گے کہ تم نے بلیک کوئن کا

Downloaded from https://paksociety.com

دل جیت لیا اور مجھے اس احساس سے لذت مل رہی تھی کہ میں اپنے ایک اور پسندیدہ مرد کو اپنے قدموں میں جھکانے میں کامیاب ہوگئی۔ مردوں کو رجھانا' اپنی خلوت میں لانا اور دل بھرجانے پر انہیں ٹھوکر مار کر نکال دینا میرا محبوب ترین مشغلہ تھا۔"

اس نے میرے اندر پہنچنے کے بعد کمرے کا دروازہ بند کرلیا تھا۔

"تم کو اپنے ماضی پر شرم آنی چاہیے۔ پتا نہیں کہ تم کس مٹی کی بنی ہوئی ہو کہ ان باتوں کو فخر سے یاد کرتی ہو۔" میں نے ملامت بھری نظروں سے اسے گھورا۔

"مجھے فخر ہے کہ میں وہی بنی جو میرے ناجائز باپ نے چاہا تھا۔ تم بھی میرے اسی ماضی کی دریافت ہو۔ غزالہ سے تمہاری شادی ہوجانے کے باوجود مجھے اپنے اس انتخاب پر کوئی ملال نہیں ہے۔ تم نے مجھے میرے ماضی سے نکال کر ویرا بنایا ہے۔ میں تمہیں ٹوٹ کر چاہتی ہوں۔"

وہ دروازے کی اوٹ میں یوں میرا راستہ روکے کھڑی تھی کہ باہر سے کوئی اچانک دروازہ کھول دیتا تو پٹ میرے پہلو سے ٹکرا کر رک جاتا اور آنے والا ہم دونوں کو اس حالت میں روبہ رو کھڑا ہوا نہ دیکھ پاتا۔

"معلوم ہے.... مجھے معلوم ہے۔" میں نے جھلا کر کہا "تم یہ بات موقع بے موقع کیوں جتاتی رہتی ہو؟"

"تاکہ تمہارا حافظہ تازہ رہے۔ تم غزالہ کے سحر انگیز وجود کی حرارت میں ڈوب کر مجھے بالکل فراموش کردیتے ہو اور میں اکیلی پڑی' رقابت کے انگاروں پر لوٹتی رہتی ہوں۔" یہ کہہ کر وہ اچانک والہانہ انداز میں میرے سینے سے لپٹ گئی۔ اس نے اپنا چہرہ میرے سینے میں گھسالیا تھا۔

"خدا کا خوف کرو ویرا۔" میں نے اس کے جوان اور عنا وجود کی تپش سے گھبرا کر کہا "دروازہ مقفل نہیں ہے۔ کوئی آگیا...."

اس نے میری بات درمیان سے کاٹ دی اور ایک گہرا سانس لے کر سرگوشیانہ آواز میں بولی "میں نے تمہیں دھکیل کر دروازے سے لگادیا ہے۔ یہاں کوئی نہیں آئے گا۔ اُف! کس قدر سکون مل رہا ہے تمہیں خود سے اتنے قریب پاکر۔"

میری چھٹی حس محسوس کرچکی تھی کہ اس کے تیور خراب ضرور تھے مگر بہت زیادہ خراب نہیں تھے۔ بات حد سے زیادہ بڑھنے کے امکانات نہیں تھے۔ میں نے اس خوب صورت بلا سے سختی برتنے کے بجائے نرمی سے اپنی بانہوں میں لیا اور الگ کردیا۔

وہ زبان سے کچھ کہے بغیر صوفے کی طرف بڑھ گئی۔ اس کے قدم تھکے تھکے سے تھے۔ میں بھی خاموشی سے صوفے پر الگ تھلگ جا بیٹھا۔ تپائی پر اسکاچ کی نصف بوتل کے ساتھ گلاس اور آئس پاٹ بھی رکھا ہوا تھا۔ وہ خاموشی سے اپنے لیے نیا پیگ تیار کرنے میں مصروف ہوگئی۔

"تم یہاں اپنا شوق پورا کرنے کے ارادے سے آئی ہو۔ مجھے بلاوجہ کیوں روکا ہوا ہے؟" میں نے کچھ دیر کی خاموشی میں سگریٹ سلگا کر کہا۔

"تمہاری موجودگی سے میرے دل کو ڈھارس سی ملتی ہے۔ کچھ دیر یوں ہی بیٹھے رہو گے تو تمہارا کیا بگڑ جائے گا!"

"بہت کچھ بگڑ جائے گا۔ سب سے زیادہ اول خان بگڑے گا۔ وہ آیا ہوا ہے اور میں اسے اکیلا چھوڑ کر تمہارے ساتھ کمرے میں بند ہوگیا ہوں۔"

"وہ کیوں بگڑے گا۔ اس نے تو خود تخلیے کی خواہش ظاہر کی تھی۔" ویرا تیوریاں چڑھا کر بولی۔

"تخلیے کا یہ مطلب نہیں تھا کہ میں اسے عضو معطل سمجھ کر بھول جاؤں۔ فون سے فارغ ہو کر وہ مجھ سے مشورہ کرنا چاہے گا۔"

"تمہیں چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا۔" گلاس سے ایک گھونٹ لینے کے بعد وہ کسمساتے ہوئے بولی۔

"تمہارا واحد اور اکلوتا مرض تنہائی ہے۔ میری بات مانو تو اپنا گھر بسالو۔ تمہاری ہر پریشانی دور ہوجائے گی۔"

"میں گھر بھی بسالوں مگر پسند کا کوئی مرد کہاں ہے!" اس نے تجلت میں گلاس سے دوسرا گھونٹ لے کر حسرت سے کہا "تم سے دل لگایا تو مکاؤ کے ڈون نے تمہاری اور غزالہ کی شادی کرا دی۔ اگر اول خان کنوارا ہوتا تو میں اس سے شادی کرلیتی۔"

اس کا جواب سن کر میری کھوپڑی چکرا گئی۔ لاہور میں جلال اس کے سر پر سوار ہوگیا۔ اس وقت ویرا نے پہلی بار اول خان کے لیے کسی قسم کی ذاتی پسندیدگی کا اظہار کیا تھا۔ میں نے حیرت سے پوچھا "اول خان تمہیں اچانک کیسے یاد آگیا؟"

"مجھے مضبوط' بانکے اور سختی سے اپنا فیصلہ نافذ کرنے والے مرد اچھے لگتے ہیں۔ ان کی انا کو ختم کرکے جھکانا مجھے بہت اچھا لگتا ہے۔"

"ایک بات تم بھول رہی ہو۔" میں نے طنز سے کہا "تمہاری پسند کے مرد کا شادی شدہ ہونا بھی ضروری ہے۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"یہ لاشعوری اتفاق ہو سکتا ہے یا شاید مرد کی مردانگی پر شادی کے بعد ہی صحیح نکھار آتا ہے۔" اس نے کسی شرمندگی کے بغیر جواب دیا "شادی شدہ مرد ایک عورت کی ذہنی اور جسمانی ضرورتوں کو زیادہ اچھی طرح سمجھتا ہے اور انہیں پورا کرنے کی اہلیت رکھتا ہے۔"

"تم بہت تخریبی ذہن کی مالک ہو۔" میں نے ملامت سے کہا "ان باتوں سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ تم اپنا گھر بسانے کے لیے کسی نہ کسی کا گھر اجاڑو گی۔"

"یہ ضروری نہیں ہے۔ تمہارے مذہب میں چار شادیوں کی اجازت کا فلسفہ اب میری سمجھ میں آ رہا ہے۔ یہ مرد کے ساتھ بعض عورتوں کی بھی ضرورت ہوتی ہے۔"

میں اٹھ گیا "میں نے تمہیں کافی وقت دے دیا۔ تمہارے معدے میں اترنے والی تازہ الکحل اب نیا رنگ دکھا رہی ہے۔ تم پیو۔ میں اول خان کو دیکھتا ہوں۔"

وہ مجھے روکتی رہ گئی مگر میں اس کی خواب گاہ کا دروازہ کھول کر باہر نکل آیا۔

میں نے ڈرائنگ روم میں جھانکا تو اول خان فون پر کسی سے باتیں کرنے میں مصروف تھا۔ میں نے ٹھٹک کر واپس لوٹنے کا ارادہ کیا ہی تھا کہ اول خان نے مجھے دیکھ کر اشارہ کیا اور میں خاموشی سے ڈرائنگ روم میں داخل ہو گیا۔

وہ کسی کو ٹھیک سوا نو بجے مندر کے پاس پہنچنے کی تاکید کر رہا تھا۔ میرے لیے یہ سمجھنا دشوار نہیں تھا کہ وہ پولیس کے محکمے کے کسی اعلیٰ افسر سے بات کر رہا تھا۔

"سب کچھ طے ہو گیا۔" اول خان نے فون پر بات ختم ہونے کے بعد مجھے آگاہ کیا "پولیس وہاں ٹھیک سوا نو بجے مداخلت کرے گی۔ تمہیں بہت کم وقت میں اپنا کام مکمل کر کے وہاں سے غائب ہونا ہے۔ تمہیں نکلنے میں تاخیر ہوئی تو پولیس تمہیں بھی دھر لے گی۔ تم نے وقت سے پہلے کام دکھا دیا تو جان اور اس کے ساتھیوں کو وہاں سے نکلنے کا موقع مل جائے گا اور یہ واقعہ اپنی پوری جزئیات کے ساتھ پولیس ریکارڈ پر نہیں آ سکے گا۔"

"اگر تمہارا بندوبست یکا ہے تو سب کچھ ذرا سی دیر میں ہو جائے گا۔" میں نے خوشی کے ساتھ جواب دیا "ہم کو یہاں سے آٹھ بجے نکل جانا چاہیے کیونکہ فاصلہ بہت لمبا ہے۔"

"وہ علاقہ ساڑھے آٹھ بجے سے میرے آدمیوں کی کڑی نگرانی میں آ جائے گا۔" اول خان نے بتایا "وہاں کوئی بھی غیر معمولی نقل و حرکت دیکھنے میں آئی تو وہ وائرلیس ٹرانسمٹر پر فوراً مجھے خبر دے دیں گے۔ انہیں سختی سے کہہ دیا گیا ہے کہ وہ فائرنگ میں پہل نہیں کریں گے۔"

"مجھے شبہ ہے کہ جان بھی کوئی بڑا خطرہ مول نہیں لے گا۔ اس کے آدمی پہلے سے اپنے مورچے سنبھال لیں گے۔ وہ کتنا ہی ڈفر ہو اس خام خیالی میں مبتلا نہیں ہو سکتا کہ عبدالماجد الحسینی سے ملنے میں اس کے لیے کوئی خطرہ پوشیدہ نہیں ہے۔"

"مجھے بس ایک ہی ڈر ہے۔" اول خان نے میری تردید کیے بغیر اپنے خدشے کا اظہار کیا "دونوں طرف سے عقابی نگاہیں رکھنے والے تجربے کار آدمی میدان میں اتارے جائیں گے اس لیے ڈر ہے کہ وہ ایک دوسرے کی موجودگی نو بجے سے پہلے بھانپ لیں گے۔"

"نو بجے سے پہلے وہ آپس میں ٹکرا گئے تو پورا کھیل تباہ ہو جائے گا۔" میں نے اس کی بات کاٹ کر کہا۔

"فائرنگ میں پہل نہ کرنے کا حکم دے کر میں نے اسی خطرے کا تدارک کیا ہے۔ اگر انہوں نے کسی بنا پر ایک فائر بھی کر دیا تو وہ پُرسکون ساحلی علاقہ بارودی نغموں سے گونگنا اٹھے گا۔" اول خان پر تشویش لہجے میں بولا۔

روانگی کا وقت سر پر چلا آ رہا تھا۔ اول خان نے چائے کے لیے آواز لگائی تو غزالہ دوڑی چلی آئی۔ ویرا اس وقت جن جہانوں کی سیر کر رہی تھی وہاں تک اول خان کی آواز کی رسائی نہیں تھی۔

اول خان کی سرکاری گاڑی بہت بہتر حالت میں تھی اور تیز رفتار تھی۔ اس کے پیشہ ورانہ فرائض کی نوعیت کی وجہ سے نشستوں کے نیچے ہتھیاروں اور فاضل میگزین کا خاصا ذخیرہ موجود رہتا تھا۔ طے یہ پایا کہ اس مہم میں اسی کی گاڑی استعمال کی جائے۔

ٹھیک آٹھ بجے ہم گھر سے باہر نکل چکے تھے۔ اس وقت تک ویرا کی آنکھوں کا خمار گہرا ہو چکا تھا مگر اتنا گہرا نہیں ہوا تھا کہ وہ ہمیں الوداع کہنا بھول جاتی۔ اس سے ہاتھ ملاتے ہوئے میرا دل چاہا کہ اسے شادی شدہ مردوں کی لشکاری کے نام سے مخاطب کروں مگر از خود وہ ارادہ بدل دیا۔ اس نازک مرحلے پر وہ بھڑک اٹھتی تو فضا خاصی مکدر ہو سکتی تھی۔

اول خان نے اس رہائشی بلاک کی اندرونی گلیوں سے گاڑی مین روڈ پر نکالی اور ہم تیزی سے یونیورسٹی روڈ پر شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

میرا خیال تھا کہ اس وقت شہر سے آنے والے راستوں پر گاڑیوں کا ہجوم ہو گا لیکن شہر جانے والی گاڑیوں کی تعداد بھی کم نہیں تھی۔ کچھ دور نکلنے کے بعد اول خان اپنی رفتار برقرار

Downloaded from https://paksociety.com

نہ رکھ سکا۔ ٹریفک کی بھیڑ میں مجموعی رفتار سے تجاوز کرنا کسی طرح ممکن نہیں تھا۔

"وہاں دو پل ہیں۔" راستے میں، میں نے اپنی منزل کا نقشہ ذہن میں جماتے ہوئے کہا "پرانے متروک پل کے بائیں جانب مندر ہے جس کی سیڑھیاں سمندری پانی تک چلی گئی ہیں۔ اس سے اوپر نیا پل ہے جہاں دن رات کودی کا بھاری ٹریفک رواں رہتا ہے۔ تمہارے آدمی کہاں ہوں گے؟"

"دونوں جگہ۔" اول خان کا جواب تسلی بخش تھا۔ "وہ سب گداگروں اور ہیرو پنچیوں کے روپ میں وہاں پھیلے ہوئے ہوں گے۔ نیا پل ان کا بہترین مورچا ثابت ہوگا۔ وہاں سے ان کی نگاہوں اور ہتھیاروں کی رینج میں بہت اضافہ ہوجائے گا۔ میرے آدمیوں پر گولی چلائی گئی تو جان کے ساتھیوں میں سے ایک بھی بچ کر نہیں جاسکے گا۔"

"ایسی مایوسانہ باتیں نہ کرو۔" آج کی رات گولیوں کے تبادلے کے بغیر سب کچھ نمٹ جائے تب ہی ہم خود کو کامیاب سمجھ سکتے ہیں۔"

مصروف پل کے کنارے چادروں اور کمبلوں میں لپٹے ہوئے گداگر جو اپنی گدڑیوں میں آتشیں ہتھیار چھپائے موقع کے منتظر ہوں اور پل کی بلندی سے دشمن کی نقل و حرکت پر نگاہ رکھے ہوئے ہوں۔ وہ اول خان کے زرخیز ذہن کا شاندار منصوبہ تھا جو جنگی اعتبار سے ناقابل شکست تھا۔

ہماری گاڑی مولوی تمیز الدین خان روڈ سے ہوٹل بیچ لگژری کی طرف گھومی تو ٹریفک کا بہاؤ اچانک کم ہوگیا۔ اس وقت نو بجنے میں دس منٹ باقی تھے۔ اول خان نے راستے میں طے کیے ہوئے پروگرام کے مطابق اپنی گاڑی ہوٹل بیچ لگژری کے احاطے کے سامنے والی فٹ پاتھ کے کنارے پارک کردی۔ وہاں سے چند منٹ کا بقیہ راستہ ہمیں پیدل طے کرنا تھا۔

"میں نے بہت سی مہمات سر کی ہیں لیکن آج میں عجیب سی سنسنی محسوس کررہا ہوں۔" مندر کی طرف جانے والے راستے پر چلتے ہوئے اول خان بولا۔

"میری دانست میں آج تو سرے سے کوئی مہم درپیش ہی نہیں ہے۔" میں نے ہنس کر کہا۔ اپنی اس رات کی منزل کے قریب پہنچ کر میں خود کو بہت ہلکا اور پرسکون محسوس کررہا تھا۔ ذہن پر چھائے ہوئے تفکرات کے بادل اچانک چھٹ گئے تھے اور ہر نکتہ بہت واضح نظر آرہا تھا۔

"یہی تو چکر ہے۔ ہمیں کسی کو اٹھانا ہے نہ مارنا ہے۔ بس ذرا سی بے ضرر ہاتھا پائی کرکے لوٹ آنا ہے۔ یہ بہت مشکل کام ہے۔"

"ہوا کرے لیکن اللہ کی رضا سے پورا ہوگا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

راستہ زیادہ لمبا نہیں تھا۔ خم دار سڑک کے کنارے چلتے ہوئے ہم مندر کے قریب پہنچے تو ہمارے درمیان فاصلہ پیدا ہوچکا تھا۔ اول خان آگے چلا جارہا تھا۔ میں اس سے چند قدم پیچھے، مستانہ انداز میں سگریٹ پیتا ہوا چل رہا تھا۔

اس خم دار سڑک سے آگے جانے کا کوئی راستہ نہیں تھا۔ وہ متروک پل سے گزرتی ہوئی شاید کسی اگلی ریلوے لائن پر ختم ہورہی تھی۔ ہم دونوں اسی ترتیب سے آگے پیچھے چلتے ہوئے مندر سے آگے نکلے۔ اول خان ایک منڈیر پر بیٹھ گیا۔ میں بلاوجہ پان سگریٹ والے کیبن کے پاس جارکا۔

میری رسٹ واچ ٹی وی کے وقت سے ملی ہوئی تھی۔ اس میں نو بجنے میں صرف ایک منٹ باقی رہ گیا تھا۔ جان ایشکوف یا کسی اور سفید فام کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

میں دکان دار سے سگریٹ لے کر اسے پیسے ادا کررہا تھا کہ اول خان کی سیٹی کی مخصوص آواز سن کر میرے کان کھڑے ہوگئے۔ میں نے اس آواز پر فوراً پلٹنے کی حماقت نہیں کی۔ دکان دار سے اپنا لین دین مکمل کرکے میں بے پروایانہ انداز میں گھوما تو سڑک کے کنارے ایک پیلی ٹیکسی کے قریب مجھے ایک دراز قامت اور تندرست سفید فام کھڑا نظر آیا۔ وہ جان ایشکوف کی بتائی ہوئی نشانیوں کے عین مطابق سر سے پیر تک سیاہ کپڑوں میں ملبوس تھا۔

پیلی ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ پر گھنگھریالے بالوں والا ایک مکرانی بیٹھا ہوا تھا جس کے بدن پر شاید قمیص شلوار رہی ہوگی۔ وہ اپنی نشست پر بیٹھا ہوا تھا اس لیے مجھے اس کا پورا لباس نظر نہیں آرہا تھا۔ مجھے حیرت ہوئی کہ جان ایشکوف نے اس مہم کے لیے ساری احتیاطی تدابیر کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ایک مقامی مکرانی کی ٹیکسی کا انتخاب کیا تھا۔

جان ایشکوف ٹیکسی سے اتر کر متجسسانہ انداز میں اِدھر اُدھر دیکھ رہا تھا۔ اسے کوئی بھٹکا ہوا فراخ دل سیاح سمجھ کر آس پاس سے دو بچے اور ایک شخص ہاتھ پھیلائے اس کے سامنے پہنچ چکے تھے۔ میں تیزی سے اپنے شکار کی طرف بڑھ گیا۔

میرے خدوخال کسی بھی طرح یمنی نہیں تھے۔ مجھے اندازہ تھا کہ وہ مجھے دیکھتے ہی بھڑکے گا۔ اسے وہاں سرخ سوزوکی کیری کی تلاش تھی جس کا دور دور تک پتا نہیں تھا۔

"جان! میں عبدالماجد الحسینی کا آدمی ہوں۔" میں نے اس کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔

نخوت سے اس کی بھویں تن گئیں اور اس نے میرے

Downloaded from https://paksociety.com

بڑھے ہوئے ہاتھ کو نظرانداز کرکے امریکی لہجے میں کہا "مجھے نہیں معلوم کہ تم کیا بک رہے ہو۔"

"وہ اس طرف تمہارا منتظر ہے۔" میں نے سمندری پانی پر چمکتی ہوئی ریلنگ کی طرف اشارہ کیا۔

"ہینڈز اپ یو باسٹرڈ!" اچانک میرے کانوں کے نیچے کالے امریکیوں والے مخصوص لب ولہجے میں ایک تیز سرگوشی گونجی اور قمیص شلوار میں ملبوس امریکی میرے پہلو سے آلگا۔ اس کی جیب میں چھپے ہوئے پستول یا ریوالور کی بے رحم آہنی نال میرے کولہے میں چبھ رہی تھی۔

پہلی ٹیکسی کی ڈرائیونگ سیٹ طلسماتی طور پر اچانک خالی ہوچکی تھی۔ مجھے اپنے ہتھیار کی زد پر لینے والا کوئی مقامی مکرانی نہیں' خالص امریکی کالا تھا جس نے تیزی سے بولتے ہوئے ہر لفظ کا آخری حصہ حلق ہی میں روک لیا تھا۔ وہ واقعی بہت پھرتیلا تھا اور اس انداز میں مجھ سے لگا کھڑا تھا کہ تحیر زدہ بھکاریوں کو بھی بدلی ہوئی سنگین صورتِ حال کا ادراک نہیں ہوسکا تھا۔

"گو.... گٹ اوسٹ!" جان ایشکوف نے بھکاریوں کی طرف زور سے ہاتھ لہرا کر اپنا ایک پیر سڑک پر مارا اور وہ تینوں ڈر کر دور بھاگ گئے۔

میں نے کالے کے حکم پر اپنے ہاتھ سر سے اوپر اٹھانے کے بجائے اپنے جسم سے ذرا آگے بڑھا کر ہتھیلیاں پھیلا دی تھیں۔ میری نگاہیں بہت تیزی کے ساتھ اول خان کو تلاش کررہی تھیں مگر وہ بھی اپنی جگہ چھوڑ کر کہیں غائب ہوچکا تھا۔

"بات نہ بگاڑو۔ یہاں سے ہٹ کر ہم بات کرسکتے ہیں۔ بلاوجہ لوگوں کی نظریں ہماری طرف اٹھ رہی ہیں۔" میں نے دھیرے سے کہا۔

کالا اپنے کام میں ماہر تھا۔ وہ اس دوران میں میرے کپڑوں پر ہاتھ پھیر کر یہ اندازہ لگا چکا تھا کہ میرے لباس میں کوئی ہتھیار پوشیدہ نہیں تھا۔ اس نے میری جامہ تلاشی ایسی ماہرانہ چابک دستی سے لی تھی کہ کسی دیکھنے والے کو اس کی اصل کارروائی کا اندازہ نہیں ہوسکا ہوگا۔

"اب اسی طرح میرے ساتھ چلتے رہو۔ تم نے ذرا بھی چالاکی دکھانے کی کوشش کی تو میرے ساتھی کی بے خطا گولی تم کو جہنم میں پہنچا دے گی۔" اس بار جان غرایا۔ میں نے کوئی تعرض نہیں کیا۔ میں خود بھی ایسے کسی گوشے میں پہنچنے کا خواہاں تھا جہاں اندھیرے میں کوئی ہمیں نہ دیکھ سکے۔

میں جان کے ساتھ چل رہا تھا۔ کالا میرے بدن سے الگ ہوگیا تھا مگر قدموں کی چاپ بتا رہی تھی کہ وہ ہمارے پیچھے آرہا تھا۔

ہم اینوں کی شکستہ دیوار پار کرکے اس راستے پر بڑھ گئے جس کے دونوں طرف پائپ کی مضبوط ریلنگ چمک رہی تھی اور نیچے سمندر کا گہرا' گدلا پانی موجود تھا۔ میری دلی آرزو تھی کہ میں کسی طرح جان کو کسی ریلنگ کے تاریک حصے تک لے جاسکوں۔

میرے ذہن میں گھڑی کی سوئیاں بھی ناچ رہی تھیں۔ وہ کھیل شروع ہوئے تقریباً دو منٹ ہوچکے تھے۔ صرف تیرہ منٹ بعد مقامی پولیس کو وہاں آجانا تھا۔ مجھے وہ مدت پوری ہونے سے پہلے پہلے اپنا کام مکمل کرکے وہاں سے نکلنا تھا۔

"اب بتاؤ کہ تم کس حرامی دغاباز کا ذکر کررہے تھے۔" ایک نیم تاریک حصے سے گزرتے ہوئے جان نے سفاکی سے کہا۔

"کالے ہڈ والی لال سوزوکی کیری خراب ہوگئی ہے۔ عبدالماجد اس پل کے نیچے سے گزرنے والے پایوں پر....."

میری بات ادھوری رہ گئی۔ پیچھے سے تیز پھنکار اور دھمک کی آواز سن کر میرے ساتھ جان بھی بری طرح چونک پڑا۔

ہم دونوں ایک ساتھ پیچھے گھومے اور یہ دیکھ کر میرا دل خوشی سے بلیوں اچھل پڑا کہ اول خان نے نیم تاریکی کا فائدہ اٹھاتے ہوئے' عقب سے سیاہ فام امریکی پر مارشل آرٹ کا کوئی خطرناک وار کیا تھا جس کے نتیجے میں سیاہ فام کوئی قابلِ ذکر آواز پیدا کیے بغیر تیورا کر نیچے ڈھیر ہوگیا تھا۔

اول خان کالے کو ڈھیر کرنے کے بعد رکا نہیں۔ دو لمبے ڈگ بھر کر ہمارے سر پر آپہنچا "سیدھے ہوکر چلتے رہو ورنہ تمہیں بھی اس حشر کا سامنا کرنا ہوگا۔" وہ جان ایشکوف کو گھورتے ہوئے انگریزی میں غرایا۔ اس کی آواز میں کچھ ایسی تاثیر تھی کہ جان کچھ کہے بغیر ایڑیوں پر گھوما اور میرے ساتھ ہولیا۔

وقت تیزی سے گزرا جارہا تھا۔ ہماری مہلت لمحہ بہ لمحہ کم ہورہی تھی۔ سوا نو بجے پولیس کو دخل انداز ہونا تھا۔ میں تیزی سے ریلنگ کی طرف ہولیا۔

"تم کون ہو؟" صورتِ حال تبدیل ہونے کے بعد جان کے لب ولہجے میں پہلی بار فکر و تشویش کا عنصر ابھر آیا۔

"عبدالماجد الحسینی کا ایک ادنیٰ خادم۔ سیدھے چلتے رہو۔ وہ تمہارا منتظر ہے۔" میں نے خشک لہجے میں کہا۔

"تم سب فراڈ معلوم ہوتے ہو۔ تم یمنی ہو نہ عرب۔ یہ سب مقامیوں کا چلایا ہوا کوئی چکر معلوم ہوتا ہے۔" وہ بہت فکرمند تھا۔

"ہمارے گروہ میں عرب' امریکی' اطالوی اور مقامی۔ سب شامل ہیں۔ ہم ایک برادری کی طرح کام کرتے ہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

میں نے اسے الجھائے رکھنے کے لیے کہا ورنہ حقیقت یہ تھی کہ میں خود الجھا ہوا تھا۔ اول خان کے چھپے ہوئے مسلح آدمیوں کی موجودگی میرے علم میں تھی۔ میرے لیے یہ ماننا ناممکن تھا کہ جان وہاں صرف ایک آدمی کے ساتھ آیا ہوگا۔ اس کی حفاظت کے لیے بھی کچھ نہ کچھ آدمی آئے ہوں گے۔ ان کی نگاہیں جان اور کالے پر لگی ہوئی ہوں گی۔ کالا گرا دیا گیا تھا اور جان ہم دونوں کے رحم و کرم پر رہ گیا تھا۔ اس کے آدمی اس نازک موڑ پر کیوں خاموش تھے؟ ان کی وہ پراسرار خاموشی مجھے اندیشوں میں مبتلا کررہی تھی۔

میرا ذہن بہت تیزی سے کام کررہا تھا۔ اس وقت جان کے آدمیوں کی خاموشی کا صرف ایک سبب میری سمجھ میں آرہا تھا کہ کالے کو گرائے جانے کے بعد بھی ہماری پیش قدمی کی سمت وہی تھی جس کا انتخاب ان دونوں نے اپنی مرضی سے کیا تھا۔ شاید جان کے پوشیدہ محافظ اس غلط فہمی میں مبتلا تھا کہ کالے کے گر جانے کے بعد بھی حالات جان کے کنٹرول میں تھے۔ ان کے لیے کالے کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ اس وقت جان کی سلامتی اور اس کے مشن کی کامیابی ان لوگوں کے لیے ہر چیز پر مقدم تھی۔ شاید جان نے انہیں محتاط رہنے کی ہدایت کی ہوئی تھی اور وہ اس وقت تک چھپے رہتے جب تک انہیں جان کے پھنسنے کا شبہ نہ ہوتا۔

ہم ریلنگ کے پاس پہنچ کر رک گئے۔ میں نے اضطراری انداز میں اپنی رسٹ واچ پر نگاہ ڈالی۔ نو بج کر دس منٹ ہو چکے تھے۔ مجھے وہاں سے اول خان کی کار تک پہنچنے کے لیے ابھی کچھ وقت درکار تھا۔ اول خان نے جان کی پشت سے مجھے اشارہ کیا اور پنجوں کے بل تیزی سے واپس ہولیا۔

جان خوف اور بے یقینی سے میری طرف دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ دھواں ہو رہا تھا۔

"تم وعدہ خلافی کرکے اپنے ساتھ مسلح آدمی لائے ہو اس لیے عبدالماجد الحسینی نے آخری لمحات پر تم سے ملنے کا ارادہ منسوخ کردیا ہے۔" میں نے اس ساری مشق کے جواز کے طور پر غرا کر اسے بتایا "مجھے سبق سکھانے کے لیے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے۔"

اپنی بات مکمل کرتے ہی میں نے فضا میں اچھل کر اس کی ناک پر ایک ٹکر رسید کی۔ وہ چیخ مار کر پیچھے جھکا پھر اس نے اپنے لٹکتے ہوئے وجود کو سہارا دینے کے لیے پائپ کی موٹی ریلنگ تھام لی۔ اسی لمحے کہیں سے کوئی فائر ہوا۔ میرے پاس اس کی سمت دیکھنے کا وقت نہیں تھا۔ اس ابتدائی فائر کی گونج ختم ہونے سے پہلے اس ساحلی ویرانے میں تڑا تڑ گولیاں چلنے لگیں۔

ماحول یکایک گمبھیر ہوگیا۔ فضا میں آگ کی لکیریں ادھر سے اُدھر تیر رہی تھیں مگر کسی گولی کا رخ ہم دونوں کی طرف نہیں تھا۔ گولیاں برسانے والے ہر فریق کو یہ خوف لاحق تھا کہ ٹارگٹ شوٹنگ کی صورت میں اس کی گولی حریف کے بجائے حلیف کو نہ چاٹ جائے۔

میں نے جھکے ہوئے جان ایشکوف کی ٹانگوں کے درمیان سے، پیچھے سے ہاتھ گزارا اور اس کے کچھ سمجھنے سے پہلے، اسی ہاتھ کی ہتھیلی سے ریلنگ تھام کر پوری قوت سے اپنے بازو کو اوپر اچھالا۔ جسم کے نازک حصوں پر پڑنے والی اس شدید ضرب پر جان کی بے ساختہ چیخ بہت دلدوز تھی۔ اس کے پیر زمین سے اکھڑ گئے، ریلنگ ہاتھوں سے نکل گئی اور وہ فضا میں سمندر کے پرسکون پانی پر اڑتا ہوا آگے جانے لگا۔

اسی لمحے کوئی بھٹکی ہوئی گولی بجلی کے تار سے ٹکرائی۔ فضا میں تنا ہوا تار ٹوٹنے کا ترنم، تاروں کے آپس میں ٹکرانے کے ہولناک تڑاقوں سے دب گیا۔ تار ٹکرانے سے فضا میں شعلے کوند رہے تھے اور پگھلا ہوا تار شراروں کی صورت میں گر رہا تھا۔ علاقے میں جلنے والی روشنیاں کئی بار دھیمی اور تیز ہوئیں پھر ہر طرف اندھیرا پھیل گیا۔

میں نے جان کے قدم زمین سے اکھاڑتے ہی اپنی جگہ چھوڑ کر واپسی کی دوڑ لگا دی تھی۔ فائرنگ کے بھیانک شور اور برقی دھماکوں میں جان کی دہشت زدہ چیخیں بہت نمایاں تھی۔ میں نے ہر طرف پھیلے ہوئے گھور اندھیرے میں جان کے پانی میں گرنے کا پُرشور چھپاکا سنا۔

جلال نے میرے ہاتھ باندھ دیے تھے۔ میں پاکستان میں اس سازشی کے خلاف کوئی انتہائی قدم نہیں اٹھا سکتا تھا لیکن میں دل کھول کر اس کی تذلیل کرنے میں کامیاب ہوچکا تھا۔ اس کھاڑی میں سمندر متلاطم نہیں تھا۔ مجھے امید تھی کہ بیشتر امریکیوں کی طرح جان بھی تیرنا جانتا ہوگا اور کسی نہ کسی طرح قریبی کنارے تک پہنچ جائے گا جہاں کسی بھی لمحے پولیس پہنچنے والی تھی۔ کھارے اور گندے سمندری پانی میں نہائے ہوئے جان ایشکوف اور پولیس افسران کی ملاقات خاصی دلچسپ ثابت ہوسکتی تھی۔

فضا میں اندھیرا پھیلتے ہی فائرنگ کا زور بڑھ گیا۔ دونوں فریقوں میں سے شاید کوئی کسی کے نشانے پر نہیں رہا تھا مگر دونوں طرف سے دل جمعی کے ساتھ گولیاں چلائی جارہی تھیں۔

میں اندھیرے میں کئی جگہ ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرتے گرتے بچا۔ سڑک کے قریب پہنچنے تک میرے کانوں میں ان

Downloaded from https://paksociety.com

خوف زدہ چیخوں کی آوازیں بھی آنے لگیں جو وہاں پھنس جانے والے راہ گیروں اور تماشائیوں کی دہشت کا نتیجہ تھیں۔

سڑک پر آنے کے بعد میری رفتار تیز ہوگئی۔ میں بگٹٹ دوڑے جارہا تھا۔ اول خان مجھ سے ذرا پہلے بھاگا تھا۔ اسے اندھیرا ہونے سے پہلے خاصی دور نکلنے کا موقع مل گیا تھا۔ مجھے امید تھی کہ میرے پہنچنے سے پہلے وہ گاڑی کا انجن اسٹارٹ کرچکا ہوگا۔

وہ شاید دوڑ کا چیمپئن رہ چکا تھا۔ میرے پہنچنے سے پہلے ہی گاڑی اسٹارٹ کرکے سست رفتار سے میری طرف واپس آرہا تھا۔ میں نے دور سے گاڑی پہچان لی۔ اول خان نے بھی ہیڈ لیمپس کی روشنی میں مجھے دوڑ کر اپنی طرف آتے ہوئے دیکھ لیا اور میرے قریب گاڑی روک دی۔ میں دروازہ کھول کر پھرتی سے پسنجر سیٹ پر سوار ہوگیا۔ گاڑی نے تیزی سے یو ٹرن لیا اور پھر روشنیوں سے آراستہ ہوٹل کے سامنے سے گزرتی چلی گئی۔

فضا میں اس وقت بھی فائرنگ کا شور گونجتا سنائی دے رہا تھا لیکن اس کی شدت میں خاصی کمی آگئی تھی۔

"تم نے اس کے ساتھ کیا سلوک کیا؟" مولوی تمیزالدین خان روڈ پر آنے کے بعد اول خان نے پوچھا۔

"چہرے پر ایک ٹکر رسید کرکے سمندر میں پھینک دیا۔ سالے کے ہوش ٹھکانے آگئے ہوں۔"

"اسے پانی خاصا کیلا اور ٹھنڈا محسوس ہوا ہوگا" اول خان نے تمسخرانہ انداز میں کہا اور ہم دونوں ہنس پڑے۔

"کالو مکرانی کو دیکھ کر میں پریشان ہوگیا تھا" کچھ دیر بعد اول خان بولا "وہ کسی چیتے کی سی پھرتی اور سرعت سے ڈرائیونگ سیٹ چھوڑ کر تمہارے پیچھے پہنچا تھا۔"

"پہلے میں اسے مکرانی سمجھا تھا۔ وہ بولا تو پتا چلا کہ اس کا تعلق کالے امریکیوں سے ہے۔"

"یہ جان کی چالاکی تھی کہ وہ اسے اپنا ڈرائیور بنا کر قمیص شلوار میں وہاں لایا۔ وہ زبان نہ کھولتا تو ہر دیکھنے والا اسے مقامی ہی سمجھتا" اول خان نے کہا "سب سے بڑی بات یہ ہے کہ اس کی احتیاطی تدابیر دھری رہ گئیں اور تمہارا منصوبہ کامیاب ہوگیا۔"

"دیکھنا یہ ہے کہ اوسان خطا ہونے کے بعد وہ پولیس والوں کو کیا کہانی سناتا ہے اس کے کالے ساتھی کو کئی گھنٹوں سے پہلے ہوش نہیں آئے گا۔"

"ہماری روانگی تک فضا میں فائروں کا شور گونج رہا تھا۔ تمہارے آدمی وہاں کیوں رکے ہوئے تھے؟" میں نے چونک کر سوال کیا۔

"انہوں نے نو بج کر چودہ منٹ پر فائرنگ روک کر واپسی کی راہ اختیار کرلی ہوگی۔ رہے سہے فائر جان کے آدمی کررہے ہوں گے۔ بجلی کے تار ٹوٹنے کے بعد ان کی ہر راہ مسدود ہوگئی تھی۔ ان کو پتا نہیں چل سکا ہوگا کہ سمندری کھاڑی میں گرنے کے بعد جان کدھر گیا؟"

"مندر میں اندھیرا ہوگیا تھا مگر اس طرف سے بیچ لگژری ہوٹل کی روشنیاں رہنمائی کررہی تھیں۔ جان ضرور نکل آیا ہوگا۔"

"تم نے جو کچھ سوچا تھا' اسے پورا کرلیا" اول خان نے کہا "اب اس بارے میں زیادہ نہ سوچو' وہاں کیا ہوا ہوگا؟ یہ تھوڑی دیر بعد معلوم ہوجائے گا۔"

"اب سے ڈیڑھ دو گھنٹے بعد تم سے کہاں رابطہ ہوسکے گا؟" میں نے پوچھا۔

"میں گھر پر ملوں گا' یہ بتاؤ کہ اب تم کہاں جاؤ گے" اول خان نے مجھ سے جوابی سوال کرڈالا۔

"میں محسوس کررہا ہوں کہ جان کی آمد کے ساتھ ہماری انتظامیہ پر امریکی دباؤ بہت زیادہ بڑھ گیا ہے۔ میری تلاش کے سلسلے میں انتظامی سطح پر کچھ نہ کچھ سرگرمیاں شروع ہوجائیں گی۔ میرا ہوٹلوں سے دور رہنا میرے لیے سودمند رہے گا۔"

"ہوٹل کے سوا تم کہاں جاؤ گے؟" اول خان کی آواز تحیر زدہ تھی۔

"میرا ارادہ مکمل آرام کرنے کا ہے۔ بیماری کا بہانہ کرکے چند روز کے لیے کسی اسپتال میں رہوں گا۔"

"بہت اچھوتا خیال ہے" اول خان میرے انکشاف پر خوش ہوگیا "اسپتال میں سب سے الگ تھلگ رہ کر تم ہر قسم کی سرگرمیوں سے دور رہو گے۔ روپوشی کے لیے گمنام بن کر کسی اسپتال میں جانا سب سے بہتر اور محفوظ طریقہ ہے۔ تم نے اپنے لیے کس اسپتال کا انتخاب کیا ہے؟"

"تم مجھے پی آئی ڈی سی ہاؤس کے پاس اتار دینا۔ اس کے بعد سوچوں گا کہ مجھے کہاں جانا چاہیے" میں نے کہا۔ حقیقت یہ تھی کہ میں نے اس وقت تک اس بارے میں کچھ نہیں سوچا تھا۔

"مجھے کیسے پتا چلے گا کہ تم کہاں ہو؟" اس نے فوری طور پر سوال داغ دیا۔

"میں دو گھنٹے بعد تمہیں فون کروں گا تو یہ بات بھی بتادوں گا" میرے جواب نے اسے مطمئن کردیا۔

Downloaded from https://paksociety.com

اول خان مجھے میری کسی متوقع منزل پر اتارنے کے لیے مصر تھا مگر میں اپنے ابتدائی فیصلے پر قائم رہا۔ آخر اس نے ریلوے پل عبور کرنے کے بعد مجھے پی آئی ڈی سی ہاؤس کے سامنے اتار دیا۔ مجھ سے رخصت ہوتے ہوئے اس نے پرتپاک انداز میں مجھے ڈھیروں دعائیں دیں اور آگے روانہ ہوگیا۔

میرے پاس میرے مختصر سے سامان پر مشتمل تھیلا تھا جسے میں نے کندھے پر لٹکالیا۔ میں نے ایک ہوٹل پر بیٹھ کر گرماگرم چائے کی ایک پیالی پی، سگریٹ سلگائی اور وہاں سے چل کھڑا ہوا۔ میں نے سوچ لیا تھا کہ مجھے روپوشی کے نئے تجربے کے لیے سول اسپتال کا رخ کرنا چاہیے۔

پی آئی ڈی سی ہاؤس سے سول اسپتال کا فاصلہ اتنا کم نہیں تھا کہ اسے آسانی سے پیدل طے کیا جاسکے مگر میں اپنی رو میں مگن پیدل چلتا رہا۔ پرل کانٹی نینٹل ہوٹل سے چند ریگر روڈ کے چوراہے تک سیدھا چلتا ہوا میں شاہین کمپلیکس تک پہنچا۔ وہاں سے سڑک عبور کرکے ایس ایم لا کالج والے نکڑ سے داہنی طرف گھوم کر برنس روڈ کی سمت میں چل دیا۔ اتنی دور تک پیدل چلنے کی وجہ سے میرے بدن میں خاصی حرارت پیدا ہوچکی تھی۔

ایم اے جناح روڈ پر جامع کلاتھ مارکیٹ کے سامنے والی سڑک اختیار کرکے میں ذرا سی دیر میں سول اسپتال کے ایمرجنسی کے شعبے میں پہنچ گیا۔

غنیمت تھا کہ ان دنوں شہر میں قتل وغارت گری کا دور دورہ نہیں تھا ورنہ اسپتال زخمیوں اور جاں بہ لب مریضوں سے بھرے ہوئے نظر آتے تھے۔ ایمرجنسی اور حادثات کے شعبے میں اس وقت صرف چند مریض تھے۔ کچھ دیر کے انتظار کے بعد میری بھی باری آگئی۔

اسپتالوں اور بیماریوں سے کبھی میرا کوئی واسطہ نہیں رہا تھا۔ ڈاکٹر نے باری آنے پر مجھ سے مرض کے بارے میں دریافت کیا تو میں نے بے اختیار اپینڈکس کا نام لے دیا۔

نوجوان ڈاکٹر میرا جواب سن کر مسکرانے لگا "تم کو کیسے معلوم ہوا کہ تمہیں اپینڈکس کی شکایت ہے؟"

"پیٹ میں شدید درد ہورہا ہے" میں نے برا سا منہ بناکر جواب دیا۔

"ہاتھ لگاکر بتاؤ کہ کس جگہ درد ہورہا ہے؟" ڈاکٹر نے وہ سوال کرکے مجھے ایک امتحان سے دوچار کردیا۔

مجھے اپینڈکس کے محل وقوع کا پتا نہیں تھا۔ ڈاکٹر کے سوال کا فوری جواب دینا ضروری تھا۔ میں نے اپنے پیٹ پر ایک جگہ ہاتھ رکھ دیا۔

ڈاکٹر نے اپنے نرم ہاتھ سے میری بتائی ہوئی جگہ دبائی اور میں تکلیف ہونے کی اداکاری کرکے کراہنے لگا۔ ڈاکٹر نے میری پتلون میں سے قمیص باہر نکالی اور نرمی سے میرے پیٹ کے مختلف حصوں کو دبانا شروع کردیا۔ اسی کے ساتھ وہ سوالات بھی کرتا جارہا تھا۔ اس نے میری پسلیوں کے نیچے اور پیٹ کے نچلے حصے کو اچھی طرح ٹٹولنے کے بعد مجھے بستر سے اٹھایا اور اپنی مختصر سی میز کے پیچھے کرسی پر جا بیٹھا۔

"تمہیں اپینڈکس کیا، کوئی بھی تکلیف نہیں" نوجوان ڈاکٹر نے اپنی تشخیص کا نچوڑ ایک جملے میں سمیٹ کر مجھے حیران کردیا "ہوسکتا ہے کہ یہ کوئی ریاحی درد وغیرہ ہو۔ بازار سے یہ دو گولیاں لے کر پانی سے نگل لو۔ آرام آجائے گا۔"

اس نے نام اور عمر پوچھ کر نسخے پر اندراج کیا اور نسخہ میری طرف بڑھادیا۔ اس پر پینا ڈول لکھی ہوئی تھی۔

"مگر میں چاہتا ہوں کہ مجھے اسپتال میں داخل کرکے اچھی طرح دیکھ بھال کرلی جائے" میں نے اپنی خواہش ظاہر کی۔

"میں نے اچھی طرح دیکھ بھال کرکے ہی اپنی رائے دی ہے" اس نے خشک نظروں سے مجھے گھورتے ہوئے کہا "اسپتال کے بستر ضرورت مند مریضوں کے لیے ہیں۔ شوق یا خواہش پر کسی کو یہاں داخل نہیں کیا جاسکتا۔"

"میں پھر بھی یہ چاہوں گا کہ مجھے رات بھر کے لیے یہاں رکھ لیا جائے۔ بڑے ڈاکٹر نے بھی یہی رائے دی تو میں گھر چلا جاؤں گا" میں نے اصرار کیا۔

"بڑے ڈاکٹر صاحب اپنی کوئی رائے دینے سے پہلے مجھ سے جواب طلب کریں گے کہ میں نے تمہیں کیوں داخل کیا۔ تمہیں اسپتال میں داخلے کا ایسا ہی شوق ہے تو تم کسی پرائیویٹ اسپتال چلے جاؤ۔ تمہاری جیب میں پیسے ہیں تو وہ تمہیں داخل کرلیں گے۔"

وہ نوجوان ڈاکٹر اچھے اخلاق اور کردار کا مالک تھا۔ اس کی پیشہ ورانہ مہارت بھی شک وشبے سے بالاتر تھی۔ سب سے بڑی بات یہ تھی کہ اس نے پرائیویٹ اسپتال کی راہ سجھاکر میری مشکل آسان کردی تھی۔ یہ میری غلطی تھی کہ میں نے اپنے مسئلے کے حل کے لیے سول اسپتال کا رخ کیا تھا۔

میں وہاں سے نکلا اور خون بیچنے والوں اور ان کے دلالوں کی بھیڑ سے نکل کر قریب سے ایک رکشا پکڑلیا۔ ان دنوں شہر میں ایک بہت بڑے پرائیویٹ اسپتال کے نام کا

Downloaded from https://paksociety.com

ڈنکانچ رہا تھا۔ میں نے رکشا ڈرائیور کو اسی اسپتال کا نام بتادیا۔

شہر کی سڑکوں پر رواں ٹریفک کے ہجوم میں چابک دستی سے اپنا راستہ بناتے ہوئے رکشا ڈرائیور نے بہت جلد مجھے اسپتال کی پرشکوہ عمارت میں پہنچادیا۔

وہاں بھی میں ابتدائی طبی دیکھ بھال کے مرحلے سے گزرا۔ ڈاکٹر اپنی تشخیص سے زیادہ میری شکایت پر دھیان دے رہا تھا۔ اس نے میری مفروضہ تکلیف کے بارے میں اپنی کوئی رائے نہیں دی لیکن میری خواہش کے احترام میں مجھے اسپتال میں داخلے کا مژدہ سنادیا۔ اس کی رائے تھی کہ میرا پیچیدہ مسئلہ تفصیلی جانچ پڑتال کے بعد ہی حل ہوسکتا تھا۔

اسپتال میں داخلے کی باری آئی تو معلوم ہوا کہ وہاں جنرل وارڈ سے وی آئی پی روم تک کمروں کی پوری رینج حاضر تھی۔ میں نے پرائیویٹ روم کو ترجیح دی۔ اسپتال بہت شاندار تھا اور اس کے پرائیویٹ روم کا کرایہ اچھے ہوٹل کے یومیہ کرائے سے ذرا ہی کم تھا۔

اسپتال میں دس ہزار روپے جمع کرانے سے بھی کام چل سکتا تھا مگر میں نے بیس ہزار روپے دے دیے کیونکہ مجھے کئی دنوں تک وہاں رہنا تھا۔ مجھے امید تھی کہ حساب میں وافر رقم موجود ہوئی تو مجھے میری مرضی کے خلاف اسپتال سے رخصت نہیں کیا جائے گا۔ داخلے کے لیے میں نے نئے نام اور پتے کا سہارا لیا تھا۔

نووارد مریضوں کے لیے اسپتال کے آراستہ کمرے ہر وقت تیار رہتے تھے۔ رقم ادا کرنے کے چند منٹ بعد ہی مجھے راہ داری اور پھر لفٹ کے ذریعے میرے پرائیویٹ روم میں پہنچادیا گیا جہاں ایک فرد کی ضرورت اور آسائش کے لیے بہت کچھ دستیاب تھا۔ میرے لیے اس کمرے میں ٹیلی وژن اور فون کی موجودگی زیادہ اہم تھی۔

مجھے حقیقت میں کوئی تکلیف نہیں تھی۔ مجھے یقین تھا کہ سول اسپتال کے نوجوان ڈاکٹر کی طرح اس اسپتال کے ڈاکٹر نے بھی اس رمز کو پالیا ہوگا۔ مجھ سے اسپتال میں داخلے کے پیسے لے لیے گئے تھے لیکن علاج معالجہ اگلی صبح تک التوا میں رہے گا۔

میں بے داغ، سفید چادر والے سرجیکل بیڈ پر آرام سے دراز ہوکر ٹیلی وژن پروگرام دیکھ رہا تھا کہ دروازے پر دستک دے کر ایک پختہ عمر والی خوش شکل نرس اپنے وارڈ بوائے کے ساتھ کمرے میں آگئی۔ ان دونوں کے ہاتھوں میں بہت سا طبّی ساز و سامان موجود تھا۔

وارڈ بوائے سامان لگانے میں مصروف ہوگیا۔ نرس مجھ سے مسکرا مسکرا کر باتیں کرتی رہی۔ اس دوران میں ڈیوٹی ڈاکٹر کمرے میں آگیا۔ اس نے سر سے پیر تک میرا تفصیلی جائزہ لیا، مجھ سے بہت سے سوالات پوچھتا اور میڈیکل فائل پر نوٹ لیتا رہا۔ ڈاکٹر کے جانے کے بعد نرس نے اپنا کام شروع کیا۔

پہلے ایک سرنج میں میری کلائی کی نس سے خون کا نمونہ لیا گیا جو مختلف تجربات کے لیے لیبارٹری میں جانا تھا۔ سفید ٹائلوں سے آراستہ باتھ روم میں موجود شیشی میں یورین کا سیمپل دینے کی ہدایت کی گئی پھر مجھے بستر پر لٹا کر میرے بائیں ہاتھ کی نس میں کینولا اتار دیا گیا۔ اس اثنا میں وارڈ بوائے نے ڈرپ کی بڑی سی تھیلی اسٹینڈ سے لٹکادی تھی۔

"آپ کے ساتھ کمرے میں کوئی مددگار نہیں رہے گا؟" نرس نے ڈرپ کے قطروں کو میرے دورانِ خون میں رواں کرتے ہوئے قدرے حیرت سے پوچھا۔

"آپ جیسے مخلص اور پیشہ ور عملے کی موجودگی میں کسی اور کی کیا ضرورت رہ جاتی ہے؟" میں نے مسکرا کر کہا۔

اپنا کام مکمل کرکے اس نے مجھے کچھ ہدایات دیں، عملے کو طلب کرنے والی گھنٹی کے بارے میں بتایا اور وارڈ بوائے کے ساتھ کمرے سے چلی گئی۔ میں نے اندازہ لگایا کہ مرد مریضوں کے کمروں میں ہر نرس کسی وارڈ بوائے کو اپنے محافظ کے طور پر ساتھ لے جاتی ہوگی تاکہ کوئی مریض اس سے ضروری یا غیر ضروری چھیڑ چھاڑ نہ کرسکے۔

میری خواہش پوری ہوچکی تھی۔ میں مریض بن کر امریکیوں کے کسی نئے عتاب اور نگاہوں سے محفوظ ہوچکا تھا۔ کمرے میں تنہائی میسر آنے پر میں نے اپنی رسٹ واچ پر نظر ڈالی تو سوا گیارہ بج رہے تھے۔ جان کو سمندری کھاڑی میں پھینکنے کے بعد سوا دو گھنٹے کا وقت بہت تیزی سے گزر گیا تھا۔

میں نے اپنے سرہانے تپائی پر رکھا ہوا فون بستر پر اٹھالیا۔ بایاں ہاتھ ناگہانی ڈرپ کی گرفت میں آیا ہوا تھا۔ میں نے ریسیور گردن اور شانے کے درمیان دبا کر دہنے ہاتھ سے اول خان کے گھر کا نمبر ملالیا۔

اول خان فوراً ہی میری آواز پہچان گیا۔ اس وقت وہ بہت خوش تھا۔ "یہ بتاؤ کہ اس وقت کہاں اور کس حال میں ہو؟"

میں نے اسپتال کا نام اور اپنے کمرے کا نمبر بتانے کے بعد کہا "میں باقاعدہ مریض بنادیا گیا ہوں۔ اس وقت ڈرپ کا

Downloaded from https://paksociety.com

قیدی ہوں اس لیے سی ایس ڈی نہیں لگا سکا۔"

اول خان میرا اشارہ بھانپ گیا "لگا لو تو مجھے ضرور بتانا ..... تم اچھے خاصے تھے۔ تمہیں ڈرپ کی کیا ضرورت پیش آگئی؟"

"مجھے نہیں' اسپتال والوں کو اس کی ضرورت تھی۔ یہ مریض کو مرعوب کرتی ہے اور بل بڑھانے میں قطرہ قطرہ مدد دیتی ہے۔ مجھے ذرا بھی شبہ ہوتا کہ مجھے یوں باندھ کر بستر پر ڈال دیا جائے گا تو میں ہرگز ادھر کا رخ نہ کرتا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ ڈرپ میں کچھ دوائیں بھی ملائی گئی ہیں۔"

"یہ سب کیا ہو رہا ہے' ایسا نہ ہو کہ تم واقعی بیمار پڑ جاؤ۔ یہاں تم نے اپنا پورا نام درج کرایا ہوگا۔"

وہ اول خان کا ڈھکا چھپا سوال تھا۔ وہ جاننا چاہ رہا تھا کہ میں اسپتال میں کس نام سے مقیم ہوں۔ میں نے جواب میں اپنا مفروضہ نام دہرا دیا "یہاں میرا وقت تو سکون سے گزر جائے گا لیکن یہ علاج معالجہ خطرناک ہے۔ کھانے پینے کی دوائیں ہوں تو آدمی نظر بچا کر تلف کر دے۔ یہ براہِ راست ڈرپ اور اور انجکشنوں پر اتر آئے ہیں۔"

"تم نے یہاں کس مرض کے سلسلے میں رجوع کیا تھا؟" اول خان نے سوال کیا۔

"ایپنڈکس کی شکایت کی تھی۔ اب وہی گلے پڑتی نظر آرہی ہے" میں نے گہرا سانس لے کر کہا۔

"تم کو معلوم ہونا چاہیے کہ ایپنڈکس کو ڈاکٹر غیر ضروری بند آنت قرار دیتے ہیں جو کسی بھی وقت اچانک مسئلہ بن جاتی ہے۔ بہت سے لوگ کسی تکلیف کے ہونے سے پہلے اس کو نکلوا دیتے ہیں۔ ایسا نہ ہو کہ اس تھیوری کے تحت تمہارا آپریشن بھی کر دیا جائے" اول خان یکایک فکرمند ہوگیا۔

"یہ مجھے ہاتھ بھی نہیں لگا سکیں گے۔ میں سوچنے کے لیے دو چار دن کی مہلت لے لوں گا۔ اس وقت تک نصاب بدل جائے گی۔ یہ بتاؤ کہ اس قصے کا کیا رہا؟"

ٹھنڈے پانی میں ڈبکیاں کھا کر اس کی طبیعت صاف ہوگئی تھی۔ اس نے پولیس کو ماجد کے فون سے لے کر آخر تک کی کہانی بلا کم و کاست سنا دی۔ وہ باتیں بھی دہرا دیں جو تم نے اس سے ماجد اور اس کے گروہ کے بارے میں کہی تھیں۔ اب پولیس ماجد یمنی کی تلاش میں ہے۔"

"اس خادم کے بارے میں موصوف نے کیا زہر اگلا ہے؟" میں نے پوچھا۔

"تم کو ماجد کا خطرناک مقامی ساتھی کہا ہے۔ وہ تمہیں دوبارہ دیکھے گا تو پہچان لے گا۔"

"پھر تو اس نے ان دو لاکھ روپوں کے بارے میں بھی بتا دیا ہوگا جو اس کی جیب میں تھے۔"

"بتایا ہے لیکن یہ شکایت کی ہے کہ اسے بچانے والوں میں سے کسی نے لاکھ کی ایک گیلی گڈی اس کی جیب سے نکال لی۔"

"وہ بہت چالاک آدمی ہے۔ پولیس کو دیکھتے ہی اسے لمبی گڑبڑ کا اندازہ ہوگیا ہوگا۔ وہ جھوٹ بولتا تو کہیں نہ کہیں پکڑا جاتا۔ اس نے سچ بول کر اپنی جان بچائی ہے۔"

"دوسرا فائدہ یہ ہوا ہے کہ اب پولیس کو ماجد کو بھی تلاش کرنا ہوگا" اول خان کی آواز آئی۔

"یہ تازہ اور اہم واقعہ ہے۔ اچھا ہے کہ ان کی توجہ اس کی طرف مبذول رہے" میں نے امید ظاہر کی۔

"ناک سوجنے کی وجہ سے اس کا چہرہ بہت کریہہ ہوگیا ہے۔ مجھے بتایا گیا ہے کہ چہرے پر پڑنے والی ٹکر نے اس کی ناک کی ہڈی توڑی ہے۔"

"اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ ہونا چاہیے تھا۔ اگر اس کا ساتھی اتنا پھرتیلا نہ ہوتا تو میں اس کا چہرہ مزید بگاڑ دیتا۔"

"زیادہ اونچی پرواز مت کرو" اول خان کی آواز دھیمی اور سخت ہوگئی "وہ لوگ فون کے ساتھ ایسے آلات استعمال کر رہے ہیں کہ انہیں فون کرنے والے کا نمبر تک معلوم ہو جاتا ہے۔ وہ اسے کالر لائن آئڈنٹی فیکیشن کہتے ہیں۔ اس نے پولیس کو گلشن اقبال کے اس پبلک بوتھ کا فون نمبر دینے کا وعدہ کیا ہے جہاں سے اس کے بقول ماجد نے اسے فون کیا تھا۔"

"پبلک بوتھ کا بھی کوئی فون نمبر ہوتا ہے؟" میں نے حیرت سے کہا "یہ بات میں پہلی بار سن رہا ہوں۔"

"ہر فون کا کوئی نہ کوئی نمبر ہوتا ہے۔ پبلک بوتھ کے نمبر پوشیدہ رکھے جاتے ہیں تاکہ ان کا غلط استعمال نہ ہو سکے لیکن ان کے سی ایل آئی سسٹم پر اس پبلک بوتھ کا فون نمبر آگیا ہوگا۔ یہ اچھا ہی ہوا کہ اس سے باہر سے رابطہ کیا گیا تھا۔"

"سی ایس ڈی کے بغیر یہ باتیں خطرناک ہیں۔ تم کب تک جاگ رہے ہو؟" میں نے چونک کر کہا۔

"آج سونے والی رات نہیں ہے۔ ابھی مجھے اسلام آباد کے ردِعمل کا انتظار ہے۔" اول خان نے بتایا۔

"پتا نہیں جلال کراچی میں ہے یا اسلام آباد واپس لوٹ گیا۔ اس سے تمہارا رابطہ ہو جائے تو بہت سی خبریں مل سکتی ہیں۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"اس وقت میں اسے چھیڑنا نہیں چاہتا۔ وہ بے حد مصروف آدمی ہے۔ اگر گھر پر آرام کر رہا ہے تو مجھے دخل انداز نہیں ہونا چاہیے۔ صبح میں اس کے دفتر میں بات کروں گا تاکہ اندر کی کوئی سن گن مل سکے۔ وہ بہت زیادہ باخبر آدمی ہے۔"

"اپنی طرف سے آج والے واقعے کا ذکر نہ چھیڑنا۔ اسے شبہ ہو جائے گا کہ ہم نے اس کی درخواست کو نظر انداز کر دیا اور جان سے الجھ گئے۔"

"اس کا انحصار اخبارات پر ہے۔ اگر اس واقعے کو نہیں دبایا جاتا اور اخبارات میں خبریں لگ جاتی ہیں تو بات کرنے میں کوئی حرج نہیں۔ شہر میں رونما ہونے والے واقعات سے پوری طرح باخبر رہنا میری پیشہ ورانہ ذمے داریوں میں شامل ہے۔ دوسری صورت میں میں محتاط رہوں گا۔"

"فی الحال خدا حافظ۔ میں ڈرپ کے جنجال سے اپنی جان چھڑا کے سی ایس ڈی لگانے کا بندوبست کرتا ہوں۔ صبح ہونے سے پہلے تم سے دوبارہ رابطہ کروں گا۔"

"تمہارا دوبارہ فون نہ آیا تو صبح میں تم سے ملنے کے لیے اسپتال آؤں گا۔"

"مجھے ایک اٹینڈنٹ کو دن رات اپنے ساتھ رکھنے کی اجازت ہے۔ اگر تم گھر کا سکون چھوڑ کر یہاں کچھ وقت گزارنا چاہو تو اس وقت بھی یہاں آسکتے ہو۔ ہوٹل کے بجائے اسپتال میں روپوشی کا تجربہ میرے لیے خوشگوار نہیں رہا۔ مجھے ابھی سے وحشت ہونے لگی ہے۔"

"رات کو میرا آنا ممکن نہیں ہے۔ ہو سکتا ہے کہ اندرونِ خانہ واقعات کوئی اور رخ اختیار کرلیں۔ ایسی صورت میں چیف کسی بھی وقت مجھ سے بات کرنے کی ضرورت محسوس کر سکتا ہے۔ میں رات کو گھر سے غائب رہا تو اسے خاصی کوفت ہوگی۔"

وہ اپنی مجبوریوں کو مجھ سے زیادہ سمجھتا تھا۔ میں نے اس کی آمد کے لیے اصرار نہیں کیا اور فون کا سلسلہ منقطع کر دیا۔

فون پر اول خان سے بات کرنے کے بعد مجھے خاصا سکون محسوس ہوا۔ ایسا لگ رہا تھا جیسے میرے سینے سے ایک بوجھ سا اتر گیا ہو۔ میرے لیے یہ احساس بھی طمانیت کا باعث تھا کہ جان کو زک دینے کے بعد میں تنہا نہیں رہا تھا۔ میرے ساتھیوں میں سے کم از کم اول خان کو یہ معلوم ہو چکا تھا کہ میں نے شہر کے کس اسپتال میں پناہ لی تھی۔

گھٹن کے اندرونی احساس سے نجات حاصل کرنے کے بعد میں کچھ دیر تک بستر پر دراز کچھ سوچتا رہا پھر میں نے اسپتال کے عملے میں سے کسی کو بلانے کے لیے اپنے سرہانے لگی ہوئی گھنٹی بجا دی۔ اس اسپتال میں طبّی علاج اور پیشہ ورانہ دیانت کا جو بھی معیار رہا ہو' ذاتی دیکھ بھال کا معیار بہت اعلیٰ تھا۔ مجھے زیادہ دیر تک انتظار نہیں کرنا پڑا۔ ذرا سی دیر کے بعد ایک نیا مردانہ چہرہ میرے کمرے میں آموجود ہوا۔ وہ اپنے طور طریقوں سے میل نرس کے بجائے وارڈ بوائے نظر آرہا تھا۔

"سسٹر کو بلاؤ۔ مجھے سخت الجھن اور وحشت ہو رہی ہے۔" میں نے اس سے کہا اور وہ الٹے قدموں لوٹ گیا۔

تھوڑی دیر بعد وہ ہرانی نرس کے ساتھ آگیا۔ نرس کے ہونٹوں پر نرم اور مہربان مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔

"سسٹر! مجھے ڈرپ سے سخت وحشت اور گھبراہٹ ہو رہی ہے۔ اسے نکال دو!" میں نے اس کی صورت دیکھتے ہی احتجاج کیا۔

وہ میرے بستر کے قریب آگئی اور ڈرپ کی نلکی کو چھیڑتے ہوئے بولی "اس میں ایسی کوئی دوا نہیں ہے جس سے آپ کو گھبراہٹ ہو۔ صبح تک آپ کو کھانے پینے کے لیے کچھ نہیں دیا جائے گا۔ طاقت کے لیے رات بھر یہ ڈرپ چلے گی۔ ہو سکتا ہے کہ صبح ڈاکٹر صاحب معائنہ کرنے کے بعد آپ کے آپریشن کا فیصلہ کرلیں۔"

اس کے آخری فقرے نے میرے اوسان خطا کر دیے

"میں آپریشن نہیں کرواؤں گا۔ ڈاکٹر صاحب جو فیصلہ چاہیں' کرلیں مگر وہ مجھے میری مرضی کے خلاف آپریشن تھیٹر میں نہیں لے جاسکیں گے' میں کسی کو اپنے بدن پر نشتر زنی کی اجازت نہیں دے سکتا۔"

"یہ صرف میرا خیال ہے۔" وہ جلدی سے بولی "ہو سکتا ہے کہ سرے سے آپریشن کی ضرورت ہی نہ پڑے۔ آپریشن کے لیے مریض کی رضامندی ضروری ہوتی ہے۔ میں آپ کو صرف یہ بتانا چاہ رہی تھی کہ اس وقت آپ کی بہتری کے لیے ڈرپ دی جا رہی ہے۔"

"ڈرپ میں سرنج سے کچھ دوائیں بھی شامل کی گئی تھیں۔" میں نے اشتباہ آمیز لہجے میں کہا "وہ کیا تھیں؟"

"ایک درد ختم کرنے والی دوا تھی۔ دوسری دوا سے آپ کو آرام سے نیند آجائے گی۔" اس نے مسکراتے ہوئے انکشاف کیا۔

"میرا سارا درد ختم ہو چکا ہے۔" خواہش کے باوجود میں اسے یہ نہ بتا سکا کہ میرے پیٹ میں کہیں کوئی درد نہیں تھا

Downloaded from https://paksociety.com

"مجھے مسکن دوا کی بھی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تھوڑی دیر بعد میں خود ہی سوجاؤں گا۔ تم یہ ڈرپ نکال دو۔ اس نے مجھے مریض بنادیا ہے۔ اس کام میں دیر نہ کرو۔"

اس نے لمحے بھر کے لیے سوچا پھر بولی "میں ڈاکٹر کی ہدایت کے بغیر کچھ نہیں کرتی۔ آپ ذرا سا صبر کریں۔ میں ڈیوٹی ڈاکٹر کو بلاتی ہوں۔"

وہ کمرے سے چلی گئی اور میں فکرمند ہوگیا۔ جس طرح سمندر میں رہ کر مگرمچھ سے بیر نہیں پالا جاسکتا تھا اسی طرح اسپتال میں رہ کر ڈاکٹر سے الجھنا ممکن نہیں تھا۔ وہ مصیبت میری اپنی لائی ہوئی تھی اور میں جانتا تھا کہ اپنے کیے ہوئے کا کوئی علاج ممکن نہیں تھا۔ میرے پاس صبر اور انتظار کے سوا کوئی چارہ نہیں تھا۔

مریضوں کی ذاتی دیکھ بھال کی اعلیٰ روایت کو برقرار رکھتے ہوئے وہ نرس جلد ہی ڈاکٹر کو ساتھ لے کر دوبارہ میرے کمرے میں آگئی اور میرا بلڈ پریشر اور نبض چیک کرنے لگی۔

ڈاکٹر مجھے ڈرپ اور اس میں ملی ہوئی دواؤں کی افادیت سمجھانے پر مصر رہا اور میں کسی پیچیدہ نفسیاتی مریض کی طرح اپنی الجھن، وحشت اور کھسیاہٹ کے اظہار پر زور دیتا رہا۔ اسپتال کے عملے کا کچھ نہیں بگڑ رہا تھا۔ سیل ٹوٹنے کے بعد ڈرپ اور دواؤں کی پوری قیمت میرے بل کا حصہ بن چکی تھی۔ ڈرپ اور دواؤں کے ہلکے برے اور بھلے اثرات کا شکار میں ہو رہا تھا۔ میری بڑھتی ہوئی بحث سے ڈاکٹر کا منہ بن گیا اور اس نے نرس کو ڈرپ نکالنے کا ناخوشگوار حکم دے دیا۔

"آپ یوں ہی من مانی کریں گے تو علاج اور افاقہ کیسے ہوگا؟" ڈاکٹر نے ناگواری سے پوچھا۔

"مجھے کھانے اور پینے کی دوائیں دے دیں۔ ان پر میں کوئی اعتراض نہیں کروں گا۔"

"ڈرپ آپ کی خواہش پر روکی گئی ہے۔ اب آپ سونے کی کوشش کریں۔ صبح ڈاکٹر امجد آپ کے بارے میں فیصلہ کریں گے۔" اس نے روکھے لہجے میں کہا۔

"آپ مجھے متبادل دوائیں دے دیں۔ وہ میں استعمال کرلوں گا۔" میں نے اسے یقین دلایا۔

"میں نے بہترین علاج تجویز کیا تھا۔ میں اس سے کم پر سمجھوتا نہیں کرسکتا۔ یہ میرے پیشہ ورانہ اصول کے خلاف ہے۔ آپ صبح تک درد وغیرہ برداشت کریں۔ ڈاکٹر امجد آپ کو دیکھ کر اپنی رائے دیں گے۔ درد بڑھنے لگے تو بلا تکلف مجھے دوبارہ بلالیں۔"

وہ میرے جواب کا انتظار کیے بغیر کمرے سے چلا گیا۔ اس دوران میں نرس ڈرپ بند کرکے اس کی نلکی کو کینولا سے الگ کرچکی تھی۔ ڈاکٹر کے پیچھے پیچھے وہ بھی کمرے سے باہر چلی گئی۔ اس نے ڈاکٹر کے پیچھے رک کر مجھ سے کوئی بات کرنے کی کوشش نہیں کی تھی۔

میرے بدن کے کسی حصے میں دور دور تک کسی قسم کے درد یا تکلیف کا وجود نہیں تھا جسے برداشت کرنا پڑتا۔ میری ایک شکایت کو مفت کے سول اسپتال میں سرے سے مسترد کردیا گیا تھا اور اس مہنگے اسپتال میں اسی شکایت کو من و عن تسلیم کرکے پیچیدہ علاج کے داغ بیل ڈال دی گئی تھی۔ وہ ہمارے معاشرے کا ایک بھیانک اور تکلیف دہ رخ تھا جو جان ایشکوف کی بدولت میری نظروں میں آگیا تھا۔ یہ ہوس زر کی انتہا تھی کہ طب کے مقدس پیشے میں بھی پیسے کے حصول کی ہوس رکھنے والی کالی بھیڑیں در آئی تھیں۔

کپڑے کے مضبوط ٹیپ کے نیچے کینولا کی نرم اور لچک دار سوئی' میرے بائیں ہاتھ کی ایک نس میں بدستور اتری ہوئی تھی۔ میں کچھ دیر تک مسہری پر پڑا اپنی اس گھائل نس کو دھیرے دھیرے سہلاتا رہا پھر میں نے بستر چھوڑ دیا۔

میں نے آہستگی سے اپنے کمرے کا دروازہ اندر سے بولٹ کیا' سگریٹ سلگائی اور اپنے مختصر تھیلے کی طرف متوجہ ہوگیا جس میں سی ایس ڈی موجود تھی۔

میں نے سی ایس ڈی پر اپنی تجربات کے بعد اسے ٹیلی فون لائن سے جوڑنے کا سہل اور ریڈی میڈ طریقہ دریافت کرلیا تھا۔ چند لمحوں میں سی ایس ڈی والی ڈبیا تاروں کے ذریعے لائن سے منسلک ہوکر میرے تکیے کے نیچے پہنچ چکی تھی۔ اس کا ہر وقت میری دسترس میں رہنا ضروری تھا تاکہ میں ضرورت پیش آنے پر بلا تاخیر اسے آن یا آف کرسکوں۔ شہر میں اپنے ساتھیوں سے محفوظ رابطے کے لیے اس آلے کا استعمال میرے لیے ناگزیر تھا۔

امریکا کی سرزمین پر میرے ہاتھوں موت کے گھاٹ اترنے والے بدری ناتھ کی ہڈیاں تک اس وقت تک گل سڑ کر ناپید ہوچکی ہوں گی۔ را کا وہ کھاگ ایجنٹ اپنی ساری چالاکیوں سمیت نیست و نابود ہوچکا تھا مگر اس کی دی ہوئی سی ایس ڈی اس وقت بھی کارآمد تھی۔ بدری کے کرتوت ایسے نہیں تھے کہ اسے زیادہ دنوں تک یاد رکھا جاتا لیکن سی ایس ڈی کے حوالے سے وہ مردود اکثر مجھے یاد آتا رہتا تھا جس کے ساتھیوں نے ایک عرصے سے میرا جینا اجیرن کیا ہوا تھا۔

مجھے کھانے کی قطعی کوئی حاجت نہیں تھی۔ اسپتال کی

Downloaded from https://paksociety.com

نرس اپنی گفتگو کے دوران مجھے یہ اشارہ دے چکی تھی کہ اگلی صبح میری متوقع سرجری کی وجہ سے میرا کھانا پینا بند کرکے مجھے صرف ڈرپ پر رکھنے کا فیصلہ کیا گیا تھا۔ ویسے بھی اس وقت رات کے بارہ بجنے والے تھے۔ کمرے میں عملے کے کسی فرد کی رضاکارانہ آمد کے امکانات نہ ہونے کے برابر تھے۔ میں نے دروازہ بولٹ رہنے دیا اور نائٹ لیمپ روشن کرکے کمرے کی دونوں ٹیوب لائٹس گل کردیں۔

وہ بندوبست کرکے میں نے اپنی دانست میں ہر بیرونی مداخلت کے خلاف باڑ کھڑی کردی تھی۔ کمرے میں کوئی ایش ٹرے موجود نہیں تھی۔ صاف ظاہر تھا کہ کمرے میں تمباکو نوشی کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی تھی۔ میں نے کمرے میں ٹہل ٹہل کر سگریٹ ختم کی اور اس کا سلگتا ہوا آخری سرا باتھ روم کے کموڈ میں تلف کرکے دوبارہ بستر پر پہنچ گیا۔

میں نے اول خان سے دوبارہ رابطہ کرنے کے ارادے سے ریسیور اٹھایا ہی تھا کہ میرے ذہن میں غزالہ کا معصوم اور فکرمند چہرہ مجسم ہوگیا۔ مجھے احساس تھا کہ وہ میرے بارے میں فکرمند ہوگی۔ میں نے فوری طور پر گلشن اقبال میں اپنے گھر کا نمبر ملالیا۔

گھنٹی بجنے پر دوسری طرف سے غزالہ نے ریسیور اٹھایا اور میری آواز سن کر اس کے لب و لہجے میں عجیب والہانہ سی مسرت سمٹ آئی۔ وہ کہہ رہی تھی "میرا دل کہہ رہا تھا کہ اتنی دیر سے آنے والی یہ کال آپ ہی کی ہوسکتی ہے۔ آپ کہاں ہیں اور کس حال میں ہیں؟"

"سی ایس ڈی کو فعال کرتے ہی میں نے سب سے پہلے تمہیں فون کیا ہے۔ میں بالکل خیریت سے ہوں اور ایک اسپتال میں ہوں۔" میں نے خوش دلی سے کہا۔

"اسپتال میں! مگر کیوں؟" میرے انکشاف پر شاید اسے گہرا جھٹکا لگا تھا۔ پل بھر میں ہی اس کی آواز سے ساری بشاشت رخصت ہوگئی تھی۔ گھر میں کسی کو یہ علم نہیں تھا میں نے اس مرتبہ روپوش ہونے کے لیے کس قسم کے ٹھکانے کا انتخاب کیا تھا اس لیے غزالہ کا اسپتال کا نام سن کر چونکنا فطری تھا۔ وہ سوچ بھی نہیں سکتی تھی کہ میں نے اسپتال کے کمرے کو اپنی خفیہ کمین گاہ کے طور پر منتخب کیا ہوگا۔ میری زبان سے اسپتال کا ذکر سن کر اسے اندیشہ ہوا ہوگا کہ میں جان اسٹکوف سے تصادم میں مجروح ہوگیا تھا۔

"فکرمند ہونے کی ضرورت نہیں" میں نے اسے دلاسا دیا "میں ہر قسم کی ٹوٹ پھوٹ سے محفوظ ہوں۔ اپنے دشمنوں کی نگاہوں سے بچنے کے لیے ہوٹل کے بجائے اسپتال کے کمرے میں آگیا ہوں۔ میری تلاش میں کوئی ادھر کا رخ نہیں کرسکے گا۔"

"خدا کا شکر ہے کہ آپ بالکل ٹھیک ٹھاک ہیں" اطمینان کے ایک گہرے سانس کے بعد غزالہ کی پرسکون آواز آئی "میں کوشش کے باوجود سونے میں کامیاب نہیں ہوسکی۔ میرا خیال مسلسل آپ کی طرف لگا ہوا تھا۔ آپ کے نو بجے والے کام کا کیا رہا؟"

سوال کرنے کے بارے میں وہ محتاط تھی مگر میں لائن پر سی ایس ڈی کے استعمال کی وجہ سے بے خوف تھا۔ میں نے کھل کر کہا "اس کی ٹھکائی کرکے میں نے اسے بحیرہ عرب کے گندے ساحلی پانی میں پھینک دیا۔ وہ اپنی اس ہزیمت کو زندگی بھر نہیں بھلا سکے گا۔ اس پوری کارروائی میں اول خان اور اس کے آدمیوں کا کردار بے مثال تھا۔ ان لوگوں کے بغیر جان کو گھیرنا ممکن نہیں تھا۔ وہ خبیث امکانی خطرات کا اندازہ لگاکر اپنی پوری تیاری کے ساتھ آیا تھا۔"

"شاید کچھ گڑبڑ شروع ہوگئی ہے۔ ابھی پندرہ منٹ پہلے آپ کے لیے جلال کا فون آیا تھا۔"

"تم نے اسے کیا جواب دیا؟" میں نے عجلت میں غزالہ کی بات درمیان سے اچک لی۔

"میں نے کہہ دیا کہ آپ نے اس سے ملاقات کے بعد گھر کو خیرباد کہہ دیا تھا۔ میں آپ کے پتے ٹھکانے سے بے خبر ہوں۔"

"شاباش!" میں نے اس کی تعریف کی "اس وقت تمہارا بیان سو فیصد درست تھا۔ یہ یاد رکھنا کہ مرد کے ساتھ اچھی عورتوں کی بھی ایک زبان ہوتی ہے۔ اب بھی اپنے اسی بیان پر قائم رہنا' اسے یہ ہوا نہ لگنے دینا کہ میں نے فون پر تم سے بات کی ہے۔ میں جانتا ہوں کہ وہ جان کے بارے میں ناخوشگوار جرح کرے گا کیونکہ وہ اپنی سرکاری مجبوریوں کا قیدی ہے۔ میں نہیں چاہتا کہ اس کی کڑوی کسیلی باتوں کے جواب میں میری زبان سے کوئی تلخ بات نکلے۔ ہم دونوں کا ایک دوسرے سے چند روز تک دور رہنا ہی بہتر ہے۔"

"آپ کے لیے وہ بہت کام کا آدمی ہے اور آپ کی عزت کرتا ہے۔ آپ کے اور اس کے درمیان کوئی بدگمانی نہیں ہونی چاہیے۔"

"کوئی بدگمانی پیدا نہیں ہوگی۔ دو چار دن میں جان کا قصہ دب جائے گا تو اس کے ذہن میں کھلی ہوئی تلخیاں خود بہ خود کم ہوجائیں گی۔ اس وقت میں اس کے سارے گلے شکوے دور کردوں گا مگر ابھی معاملہ تازہ ہے۔ وہ مجھ پر برس پڑے گا۔"

Downloaded from https://paksociety.com

"بہتر تو یہی ہے کہ آپ اس سے دور رہیں۔ اتفاق سے کوئی رابطہ ہو جاتا ہے تو آپ صاف انکار کردیں کہ آپ کا اور جان کا آمنا سامنا ہوا تھا۔"

"اول تو میں اس سے جھوٹ نہیں بول سکتا پھر وہ یہ بات بھی جانتا ہے کہ یہاں کسی میں اتنا دل گردہ نہیں ہے کہ جان کے رتبے کے کسی امریکی کو جال میں گھیر کر اس کی ناک کی ہڈی توڑ سکے۔ کسی نہ کسی وقت اسے دوسرے ذرائع سے پتا چل جائے گا کہ میں نے ایس ٹی ایف کے تعاون سے یہ کام کیا تھا۔ اس کی نظروں میں میری ساکھ گر جائے گی۔"

"آپ بالکل صحت مند آدمی ہیں۔ آپ کو اسپتال میں کس احمق نے لے لیا؟" غزالہ کی چونکی ہوئی آواز آئی۔

"بعض پرائیویٹ اسپتالوں میں مریض کے مرض کے بجائے اس کی جیب دیکھی جاتی ہے۔ ان لوگوں نے اللہ شافی کہہ کر میرا باضابطہ علاج شروع کردیا ہے۔ بڑی مشکل سے میں نے ان کی لگائی ہوئی ڈرپ سے نجات حاصل کی ہے تاکہ فون لائن سے سی ایس ڈی جوڑ سکوں۔"

"آپ کس پرائیویٹ اسپتال میں ہیں؟" غزالہ کا لہجہ تجسس آمیز ہو گیا۔

"میں نام نہیں لوں گا۔ وہ بڑے لوگ ہیں۔ مجھ پر ازالہ حیثیت عرفی کا بھاری دعویٰ دائر کردیں گے" میں نے کہا "اصولاً تم کو ان باتوں سے بے خبر رہنا چاہیے تاکہ تمہیں دوسروں کے سامنے جھوٹ بولنے کا ارتکاب نہ کرنا پڑے۔"

"سلطان شاہ میرے سامنے بیٹھا ہوا بہت توجہ سے ہماری باتیں سن رہا ہے۔ اس سے میں کچھ بھی نہیں چھپا سکتی۔"

"اس سے کہو کہ ہماری باتوں کے بجائے ویرا پر توجہ دے۔ وہ کسی کنوارے مرد کی طرف مشکل سے راغب ہوگی۔ جو کچھ تمہارے علم میں ہے وہ سلطان شاہ کو بھی بتایا جاسکتا ہے۔"

"یہ کنوارے مرد کی بات کہاں سے نکل آئی" غزالہ نے تحیر زدہ آواز میں پوچھا۔ وہ میرے اور ویرا کے درمیان تخلیے میں ہونے والی باتوں سے بے خبر تھی اس لیے اس کا وہ سوال فطری تھا۔

"یہ میری رائے تھی۔ اسے سلطان شاہ تک نہ پہنچا دینا۔ میرا مشاہدہ ہے کہ شادی شدہ اور وجیہہ مرد ویرا کی کمزوری ہیں۔ اس وقت وہ کہاں ہے؟"

"اپنے کمرے میں مدہوش پڑی ہوئی ہوگی۔ آج اس نے کچھ زیادہ ہی پی ہوئی ہے۔ جب بھی نشے کی جھونک سے ذرا باہر نکلتی ہے، جھومتی جھامتی کمرے سے باہر آتی ہے اور آپ کی خیر خبر لینے کے بعد دوبارہ اپنے کمرے میں لوٹ جاتی ہے۔ وہ آج زیادہ خوش ہے یا پھر ٹینشن دور کرنے کی ناکام کوشش کررہی ہے۔ نارمل بہرحال نہیں ہے۔"

"یہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئی تو کسی دن شراب نوشی سے اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا" میں نے دکھ سے کہا۔

"مشکل یہ ہے کہ اسے کوئی نہیں روک سکتا۔ وہ آپ کی بات بھی نہیں مانتی۔"

"اسے بھی میرے بارے میں بریف کردینا اور یہ بتا دینا کہ میں اس کی لاتعلقی سے ناراض ہوں۔"

"میں ضرور بتا دوں گی مگر اس پر کوئی اثر نہیں ہوگا۔ پتا نہیں وہ کس مٹی کی بنی ہوئی ہے؟"

وہ جو بھی مٹی رہی ہو، بہت زرخیز، خوشبودار اور دل آویز تھی مگر میں وہ باتیں غزالہ سے نہیں کہہ سکتا تھا۔

"جلال کا دوبارہ فون آجائے تو میں اسے کیا بتاؤں؟" غزالہ نے گفتگو کا اختتام قریب محسوس کرتے ہوئے پوچھا۔

"ابھی ذرا سی دیر پہلے بتایا ہے کہ زبان نہ بدلنا، جو کہہ چکی ہو، اسی پر قائم رہنا۔ اسے یہ بھی بتانے کی ضرورت نہیں کہ میں کسی گھریا ہوٹل کے بجائے اسپتال میں پناہ گزین ہوں۔ وہ اپنے تمام وسائل بروئے کار لا کر مجھ تک پہنچ جائے گا۔" میں نے اسے تاکید کی۔

"آپس کے معاملات آپ دونوں جانیں۔ میں آپ کی ہدایت پر پوری طرح عمل کروں گی۔"

کچھ دیر بعد غزالہ سے گفتگو ختم ہوگئی۔ لاہور سے ہماری کراچی آمد کے بعد جو کچھ ہوا، وہ بس ہوتا ہی چلا گیا۔ ہمارا اس دن کا ابتدائی حصہ نارمل انداز میں گزرا تھا مگر جان کے ساتھ ایجنسیوں کے نمائندوں کے مشترکہ اجلاس کے بعد جلال نے براہِ راست ہمارے پاس پہنچ کر حالات کا رخ یکسر بدل دیا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ امریکی دباؤ کے تحت متوقع طور پر شروع ہونے والی میری تلاش کی مہم سے محفوظ رہنے کے لیے میری روپوشی ناگزیر ہوگئی تھی۔ میں نے بھی وہ فیصلہ اسی بنا پر کیا تھا لیکن جلال کے چلے جانے کے بعد ہم نے جان کے خلاف جو منصوبہ بنایا اس پر عمل پیرا ہونے کے بعد میرا جلال سے بچنا بھی ضروری ہو گیا تھا۔

میں کچھ دیر تک بستر پر پڑا یہی سب سوچتا رہا، مجھے معلوم تھا کہ اول خان مجھے از خود فون نہیں کرے گا۔ وہ اس انتظار میں بیٹھا رہے گا کہ میں اپنی ڈرپ سے نجات حاصل کرکے فون سے سی ایس ڈی جوڑوں اور پھر اس سے رابطہ کروں۔

Downloaded from https://paksociety.com

بدیسی حساب سے رات کے بارہ بجے دن اور تاریخ کی تبدیلی عمل میں آگئی۔ اپنی رسٹ واچ کے ڈائل پر نگاہ پڑتے ہی مجھے اول خان کا خیال آگیا اور میں نے اس کا فون نمبر ملالیا۔

"میں بہت بے چینی سے تمہاری کال کا انتظار کر رہا تھا" اول خان مجھے ہیجان آمیز لہجے میں بتا رہا تھا "کیا تم نے سی ایس ڈی لگالی ہے؟"

"اسے لگائے بغیر میں تمہیں ہرگز فون نہ کرتا۔ ہماری آپس کی باتیں خطرناک ہوتی ہیں جو کسی دشمن کے کانوں میں پڑ جائیں تو ہمارے لیے مہلک ثابت ہو سکتی ہیں۔"

"جلال بہت سرگرمی سے تمہیں تلاش کر رہا ہے۔ میں نے اس بارے میں اپنی لاعلمی ظاہر کی ہے۔"

"وہ مجھ سے کیا چاہ رہا ہے؟" میں نے پر تشویش لہجے میں پوچھا۔

"میں اسے زیادہ نہیں کرید سکا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے بات کرتے ہیں تو ہماری افسرانہ انا آڑے آنے لگتی ہے۔ میں پوچھتے ہوئے ہچکچاتا ہوں۔ وہ از خود کچھ بتانے سے گریز کرتا ہے۔ ویسے وہ اس وقت بہت خوش اور اچھے موڈ میں تھا۔" اول خان بھی وہ بات بتاتے ہوئے خاصا خوش تھا۔

اس کی پہلی بات قابل فہم تھی۔ وہ دونوں اپنی اپنی تنظیموں کے ذمے دار افسر تھے۔ فرق یہ تھا کہ جلال ایک دستوری ایجنسی سے وابستہ تھا جب کہ اسپیشل ٹاسک فورس کا وجود ہر قانون سے ماورا تھا۔ دونوں کی جداگانہ ذمے داریاں تھیں۔ ان کے درمیان کھلی گفتگو میں یہ جھجک مانع رہتی تھی کہ وہ کہیں اپنی حدود سے تجاوز کر کے دوسرے کے محکمہ جاتی رازوں کے بارے میں نہ پوچھ بیٹھیں اور دوسری طرف سے جواب دینے سے انکار کر دیا جائے۔ اس کی دوسری بات حیران کن تھی۔ اگر وہ جان ایشکوف والے معاملے سے واقف ہو چکا تھا تو اس کا موڈ خراب ہونا چاہیے تھا۔ موڈ کی بہتری سے یہ ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ اس واقعے سے بے خبر تھا۔

انٹیلی جنس بیورو کا شمار ملک کے حساس ترین خفیہ اداروں میں ہوتا تھا۔ یہ ناممکن سمجھا جاتا تھا کہ ملک کے داخلی یا خارجی محاذ پر کوئی اہم واقعہ رونما ہوا ہو اور آئی بی کے اہم کارپردازان اس سے بے خبر رہے ہوں۔

"تم نے اس کی مسرت کے سبب کے بارے میں کوئی اندازہ تو لگایا ہوگا؟" میں نے شہ دی۔

"اندازے اسی وقت لگائے جا سکتے ہیں جب کھلی باتیں ہوں۔ اس کی جگہ تم سے بات ہو رہی ہوتی تو میں جھٹ پوچھ لیتا کہ اس وقت کیوں چہک رہے ہو؟"

"اس نے گھر پر بھی فون کیا تھا۔ میں نے غزالہ کو سختی سے منع کر دیا ہے کہ اسے کچھ نہ بتائے۔ اس سے دو چار دن بعد ہی ملنا بہتر ہوگا۔"

"اس نے کہا ہے کہ تم جہاں بھی ہو' اس سے رابطہ کرو۔ اس نے تم تک یہ پیغام پہنچانے کی ذمے داری مجھے سونپی ہے۔"

"پھر مجھے پورا یقین ہے کہ جان کی ناک ٹوٹنے کا اہم عالمی واقعہ اس کے علم میں نہیں ہے" میں نے پورے وثوق سے کہا۔

"یہ نہ ماننے والا مفروضہ ہے" اول خان نے بے تکلفی سے میری رائے مسترد کر دی "آئی بی اور آئی ایس آئی کو حکومت کی نگراں آنکھیں کہا جاتا ہے۔ جان جب سے کراچی پہنچا ہے' سب سے بڑا موضوع سخن بنا ہوا ہے۔ آج کا واقعہ پولیس کے ریکارڈ پر آچکا ہے۔ یہ ناممکن ہے کہ جلال اس سے بے خبر ہو۔"

"اگر اس نے مجھ سے ذرا سی بھی تلخی سے بات کی تو میں پھٹ پڑوں گا اور ہمارے مراسم میں ہمیشہ کے لیے دراڑ پڑ جائے گی" میں نے محتاط لب و لہجے میں کہا "میں اسی لیے اس سے سامنا یا کوئی رابطہ کرنے سے گریز کر رہا ہوں۔"

"اس کے برعکس وہ ہر قیمت پر جلد از جلد تم سے بات کرنے کا خواہاں ہے" اول خان نے زور دے کر کہا۔

"وہ اس وقت کہاں ملے گا۔ میرے پاس اس کے اسلام آباد کے نمبر نہیں ہیں" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

"وہ اسلام آباد نہیں گیا۔ ابھی کراچی میں ہے اور رات کے دو بجے تک صدف مینشن کے نمبروں پر دستیاب رہے گا۔"

وہ ایک نیا انکشاف تھا۔ اگر وہ کراچی میں تھا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ اتنا بے خبر ہوتا۔

"مجھے صدف مینشن کے نمبر لکھوا دو۔ میں اس کے بارے میں غور کروں گا۔ اگر مناسب ہوا تو اس سے بات کروں گا" میں نے پر تشویش لہجے میں کہا۔

اول خان میرے فون کا منتظر تھا اس لیے صدف مینشن کے تین فون نمبر اپنے ساتھ لیے بیٹھا تھا۔ اس نے فوری طور پر وہ نمبر مجھے نوٹ کرا دیے۔

"اس سے تمہیں اسلام آباد کے ردعمل کے بارے میں بھی کچھ معلوم نہیں ہوا ہوگا" میں نے اول خان سے پوچھا۔

Downloaded from https://paksociety.com

"اس کا اسلام آباد جانا ہی نہیں ہوا تو کچھ پوچھنا بے سود تھا۔ وہاں سے خبریں لیک ہونے میں ذرا دیر ہوتی ہے لیکن ایک بار یہ سلسلہ چل نکلے تو ہر طرف سے خبروں' افواہوں اور بھنوں کا ایک ریلا چل پڑتا ہے۔ اس کے لیے شاید ہمیں صبح تک انتظار کرنا ہوگا۔"

اول خان کی وہ بات منطقی تھی۔ رات کو آنے والی بڑی خبریں متعلقہ اہم افسروں کو ان کے گھروں یا دفتروں میں ملتی تھی جہاں بیشتر نچلا عملہ موجود نہیں ہوتا تھا۔ دن کے اجالے میں بھرپور دفتری سرگرمیوں میں چپراسی اور چوکیدار تک کھلے کانوں سے اپنے افسروں کی بہت سی خفیہ باتیں سن لیتے تھے اور دوسروں پر اپنی اہمیت جتانے کے لیے یا پھر فطری تجسس سے مجبور ہوکر ان خبروں کو کچھ مسالے کے ساتھ آگے بڑھادیتے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ خبروں اور افواہوں کا طوفان دفتری اوقات میں زیادہ زور پکڑتا تھا۔ ان کو پھیلانے کے لیے کلرکوں اور بابوؤں کے پاس مفت سرکاری ٹیلی فون کی سہولت بھی دستیاب ہوتی تھی جس پر پسندیدہ رابطے کیے جاسکتے تھے۔

"وہ اسلام آباد نہیں گیا لیکن اس کا اپنے دفتر سے رابطہ تو برقرار ہوگا" میں نے کہا۔

"یار' کچھ ہوتا تو وہ خود ہی اگل دیتا۔ مجھے بلاوجہ اسے چھیڑنے کی کیا ضرورت تھی!" میری مسلسل جرح سے اول خان کچھ چڑ گیا "میں تمہیں بتاچکا ہوں کہ میں اس سے ایسی کوئی بات نہیں کرتا جس کا جواب نفی میں ملنے کا امکان ہو۔ تمہاری اور اس کی بات اور ہے۔ تم سے اس کی یاری ہوگئی ہے۔"

"اس کا مطلب یہ ہوا کہ تمہارا انتظار جاری ہے" میں نے اس کی طبیعت کی بدمزگی کا اندازہ لگاتے ہی موضوع بدل دیا۔

"میں جاگ رہا ہوں۔ اگر تم جلال سے بات کرنے کا فیصلہ کرلو تو بعد میں مجھے بھی گفتگو سے آگاہ کردینا۔" وہ بولا۔

"یہ ٹھیک رہے گا۔ مجھے کسی صحیح فیصلے پر پہنچنے کے لیے وقت درکار ہوگا۔ میں اس مرحلے پر جلال جیسے ہمدرد دوست سے محروم ہونا نہیں چاہتا۔"

اسپتال کے ٹیلی فون کے ذریعے رابطے قائم ہوتے ہی خبریں ملنے کا سلسلہ شروع ہوگیا تھا۔ غزالہ اور اول خان سے ہونے والی باتوں کا نچوڑ یہ تھا کہ جلال خوشگوار موڈ کے ساتھ کراچی میں موجود تھا اور مجھ سے بات کرنے کا خواہاں تھا۔ اس کی پراسرار خوشی کے بارے میں' میں نے دو مفروضے قائم کرلیے تھے۔ اول یہ کہ دہلی کے حکمرانوں کی گرفت میں آئے ہوئے عبداللہ کو کسی نہ کسی طرح آزادی مل چکی تھی۔ دوسرا امکان یہ تھا کہ وہ جان والے واقعے سے بے خبر ہو۔

وہ میرے ساتھ اس قدر مخلص تھا کہ میں اپنے اندر اس کی آرزو کو مسترد کرنے کی ہمت نہیں پارہا تھا۔ سوچتے سوچتے میں نے ایک صحیح فیصلہ کرہی لیا۔ جلال میری تلاش میں سرگرداں تھا تو مجھے اس کو فون کرلینا چاہیے تھا۔ جب تک وہ ڈھنگ سے بات کرتا' گفتگو جاری رہتی اور جوں ہی وہ جان کے حوالے سے کسی ناپسندیدگی کا اظہار کرتا' میں اس سے بحث کرنے یا الجھنے کے بجائے فون بند کردیتا۔ اسے میرے ٹھکانے کا علم نہیں تھا۔ وہ مجھے نہیں پکڑ سکتا تھا۔ اس سے اگلا رابطہ اسی وقت ہوتا جب میری خواہش ہوتی۔

نشتر روڈ پر واقع صیدف مینشن کی پرہول اور آسیبی عمارت میری دیکھی بھالی تھی۔ اس کے اندرونی حصے کا ماحول پراسرار' نیم تاریک اور اس قدر اجاڑ رکھا گیا تھا کہ اندر قدم رکھتے ہی وحشت اور ڈراؤنے پن کے آسیبی سائے اعصاب پر مسلط ہوجاتے تھے۔ مجھے توقع تھی کہ جلال اس عمارت کے گراؤنڈ فلور کے اس دفتر میں بیٹھا ہوا ہوگا جہاں مناسب دفتری ماحول اور سازوسامان دستیاب تھا۔

کچھ دیر تک سوچ بچار کے بعد میں نے اپنے اس فیصلے کو عملی جامہ پہنا ڈالا۔ اس پر عمل کرنے کی صورت میں کسی خرابی کا امکان نہیں تھا۔

پہلی گھنٹی پر فون اٹھالیا گیا۔ بولنے والا جلال تھا۔ اس کی آواز سے واقعی شگفتگی جھلک رہی تھی۔

"خیریت تو ہے؟ اس وقت تم کچھ سرور میں معلوم ہورہے ہو ورنہ دن بھر کی تھکن آواز کی ساری تازگی نچوڑ لیتی ہے" میں نے کہا۔

"اوہو.... تو آخرکار تمہارا سراغ مل ہی گیا" میری آواز پہچان کر وہ شاید حیرت اور خوشی سے اچھل پڑا تھا "اس وقت تم کہاں ہو؟"

"تمہارے مشورے کے مطابق منصور ہوں اور ایک خفیہ ٹھکانے پر مقیم ہوں" میں نے خوش دلی سے کہا "تمہیں میری کیا ضرورت پیش آگئی۔"

"بس' میں کراچی میں ہی رک گیا ہوں اور تم سے ملنا چاہ رہا ہوں۔ تم کتنی دیر میں اپنے گھر پہنچ سکتے ہو۔"

"گھر!" میں نے حیرت سے دہرایا "کیا جان ایشکوف والا قصہ اتنی جلدی نمٹ گیا؟"

"فی الحال اسے بھول جاؤ" ہلکے سے قہقہے کے ساتھ

Downloaded from https://paksociety.com

جلال کی آواز آئی "سیانا کوا ہمیشہ گو کھاتا ہے۔ اس نے یہاں آتے ہی زبردست دوڑ لگانے کی کوشش کی تھی اور ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرا ہے۔ اب ان لوگوں کی توجہ تمہاری ذات سے ہٹ کر کہیں اور مرکوز ہوگئی ہے۔"

"وہ خاصا سنجیدہ اور متین نظر آتا ہے۔ اسے دیکھے بھالے بغیر اتنی تیز دوڑ لگانے کی کیا ضرورت تھی؟" میں روانی میں کہہ گیا۔

"سنجیدہ اور متین!" اس بار جلال کے حیران ہونے کی باری تھی "اس خبیث کو تم نے کب اور کہاں دیکھ لیا؟"

مجھے فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوگیا اور میں نے بوکھلا کر اپنی تصحیح کرتے ہوئے کہا "میں اسے کہاں دیکھتا۔ میں تو تم سے سنی سنائی باتیں دہرا رہا تھا۔"

"وہ حقیقت میں نہیں، محاورتاً دوڑا تھا" جلال نے مطمئن ہوکر کہا "اس کا خیال تھا کہ وہ ایک ہی زقند میں آسمان سے تارے توڑ لے گا۔"

وہ جان سے بے خبر نہیں تھا۔ اس کی ناکامی کی کوئی تازہ ترین خبر سنا رہا تھا لیکن اس نے ٹینٹی جینٹی والے واقعے کا کوئی حوالہ نہیں دیا تھا۔ ادھر میں خود چند گھنٹوں میں اسپتال کے خشک ماحول سے بیزار ہوگیا تھا۔ میں نے محتاط لہجے میں کہا "میں گھر پہنچ کر تمہیں فون کردوں گا لیکن تم کو وعدہ کرنا ہوگا کہ کسی بات پر مجھ سے جھگڑا نہیں کرو گے۔"

"کیا میں نے پہلے کبھی تم سے جھگڑا کیا ہے؟" اس نے افسردہ آواز میں پوچھا۔ شاید میری شرط سن کر اسے رنج ہوا تھا۔

"پہلے نہیں کیا مگر اب امکان نظر آرہا ہے۔ تم..."

اس نے مجھے اپنی بات پوری کرنے کا موقع نہیں دیا۔ بیچ میں بول پڑا "بس تم گھر پہنچو۔ وہاں آمنے سامنے بات ہوگی۔ کتنی دیر میں پہنچو گے؟"

"کچھ دیر ہوگی۔ میرے میزبان کچھ مختلف قسم کے ہیں۔ اپنے چنگل میں پھنسے ہوئے مہمان کو کھال اتارے بغیر گھر نہیں جانے دیتے۔"

"یہ کون بدمعاش ہیں۔ مجھے بتاؤ، میں ابھی آکر تمہیں لے جاتا ہوں" میری بات پر وہ برہم ہوگیا۔

"نن.... نہیں" میں نے جلدی سے اسے منع کردیا "تمہیں دخل اندازی کرنے کی ضرورت نہیں۔ میں آئندہ کے لیے ان سے مراسم استوار رکھنا چاہتا ہوں۔"

وہ زبردستی میرے مدد کے لیے آنے پر تلا ہوا تھا۔ میں نے بہت مشکل سے اسے سمجھا بجھا کر ٹھنڈا کیا اور فون بند کردیا۔

کریڈل دبا کر میں نے اول خان کا نمبر ڈائل کیا تاکہ اسے اپنی نجات کی خوش خبری سناؤں مگر اس کی لائن مصروف تھی۔ میں نے سگریٹ سلگا کر کچھ دیر تک انتظار کیا اور دوبارہ نمبر ملایا۔ اول خان کا فون بدستور مصروف تھا۔ شاید وہ کسی سے ضروری گفتگو میں مصروف تھا۔ میں بستر پر دراز سگریٹ کے کش لیتا رہا۔ پوری سگریٹ پھونک کر میں نے تیسری کوشش کی تو رابطہ ہوگیا۔

"ابھی جلال کا فون آیا ہوا تھا" اس نے مجھے ایک لفظ سے زیادہ بولنے کا موقع نہیں دیا۔ میری آواز پہچانتے ہی اپنی بات شروع کردی "اس نے مجھے اسی وقت تمہارے گھر بلایا ہے۔ وہ کہہ رہا تھا کہ تم بھی تھوڑی دیر میں وہیں پہنچ رہے ہو؟"

"میں نے بھی تمہیں یہی بتانے کے لیے فون کیا تھا۔ سمجھ میں نہیں آرہا کہ جلال نے کیا گورکھ دھندا شروع کردیا ہے" میں نے کہا۔

"تھوڑی دیر کی بات ہے پھر سب سامنے آجائے گا۔ تم اس اسپتال سے کیسے جان چھڑاؤ گے؟"

"کوشش کرتا ہوں۔ وہ زبردستی مجھے نہیں روک سکتے" میں نے سوچتے ہوئے کہا۔

رات گہری ہوچکی تھی۔ میں اپنے کمرے سے باہر نکلا تو اسپتال کے صاف ستھرے کاریڈور میں خوابناک روشنیوں کا راج تھا۔ کاریڈور کے آخری سرے پر کاؤنٹر کے پیچھے بیٹھی ہوئی دو وردی پوش نرسیں سفید پریوں کی طرح نظر آرہی تھیں۔ میں اسی طرف چل پڑا۔ اسپتال میں آتے ہوئے میں نے دیکھ لیا تھا کہ ڈیوٹی ڈاکٹر کا کمرا اسی طرف تھا۔

میں نے ڈاکٹر کے دروازے پر ہلکی سی دستک دی اور ہینڈل گھما کر دروازہ کھول دیا۔ ڈاکٹر ایک صوفے پر نیم دراز ٹیلی وژن دیکھنے میں مصروف تھا۔ اسکرین کا رخ مخالف سمت میں ہونے کی وجہ سے میں یہ نہیں دیکھ سکا کہ اسکرین پر کیا پروگرام چل رہا تھا۔ ڈاکٹر میری صورت دیکھتے ہی سنبھل کر صوفے پر سیدھا ہوگیا اور ریموٹ کنٹرول دبا کر ٹیلی وژن آف کردیا۔ میں اس کی آنکھوں میں اپنے لیے ناپسندیدگی کے تاثرات دور سے پڑھ سکتا تھا۔

"میں اسپتال سے چھٹی چاہتا ہوں" میں نے اس کی پیش کش کا انتظار کیے بغیر اس کی میز کے پاس پڑی ہوئی کرسی سنبھال لی۔

"کیوں؟" اس کی نگاہیں میرے چہرے پر مرکوز ہوگئیں

Downloaded from https://paksociety.com

"کیا آپ صبح تک ڈاکٹر امجد کا انتظار نہیں کریں گے۔"

"صبح میں شہر کے کسی بہتر اسپتال سے رجوع کروں گا" میں نے بہتر پر زور دے کر کہا۔

"کیا یہاں آپ کو کوئی شکایت ہے؟" میرے تیور دیکھ کر وہ سنبھل کر بیٹھ گیا۔

"یا تو مجھے ڈرپ میں ملا کر دوائیں دی جارہی تھیں۔ ڈرپ نکالنے کے بعد مجھے لاوارث چھوڑ دیا گیا ہے۔ یوں ہی پڑے رہنا ہے تو میں اپنے گھر پر زیادہ آرام سے رہوں گا۔"

"آپ کو صبح تک تو ہر حال میں انتظار کرنا ہوگا۔ ہمارا اکاؤنٹس آفس صبح نو بجے کھل کر پانچ بجے بند ہو جاتا ہے۔"

"مگر میں نے رات کے دس بجے کے قریب بیس ہزار روپے جمع کرائے تھے" میں نے تلخی سے کہا۔

"مریضوں کی سہولت کے لیے کیشیر چوبیس گھنٹے موجود رہتا ہے۔ یہاں ہر وقت مریض آتے رہتے ہیں۔"

"آنے والے مریضوں کی سہولت کا اتنا خیال رکھا جاتا ہے تو جانے والے مریضوں کے لیے بھی کوئی بہتر بندوبست ہونا چاہیے۔"

"دیکھئے! میں ڈاکٹر ہوں۔ مریضوں کو دیکھنا اور علاج تجویز کرتا ہوں۔ ان انتظامی امور سے میرا کوئی تعلق نہیں ہے۔ اسپتال کا انتظامی عملہ بھی صبح نو بجے آتا ہے۔ آپ کی شکایت کا جواب وہی لوگ دے سکیں گے۔ یہ رات آپ یہاں بسر کرلیں کیونکہ آپ ابھی جائیں یا صبح جائیں، آپ کو ایک رات کے روم چارجز ادا کرنے ہوں گے" میری باتوں پر ڈاکٹر کی پیشانی شکن آلود ہوگئی مگر وہ پڑھا لکھا ڈاکٹر تھا۔ اس کی گفتگو تہذیب اور شائستگی کی حدود میں رہی۔

اپنی محدود ذمے داریوں کے بارے میں اس کا بیان درست تھا۔ میں نے اس سے الجھنے کا ارادہ ترک کردیا اور نرمی سے کہا "میں یہاں بہت مضطرب اور بے آرام ہوں۔ فی الحال میرا آپریشن کروانے کا ارادہ نہیں ہے۔ میں اسی وقت گھر جانا چاہتا ہوں۔"

"آپ ڈسچارج فارم پر دستخط کرکے اپنے رسک پر واپس جاسکتے ہیں" ڈاکٹر نے سپاٹ لہجے میں خوش خبری سنائی "ڈیازنی کی رسید احتیاط سے رکھیں۔ صبح آپ کا حساب بن جائے گا۔ پانچ بجے سے پہلے کسی بھی وقت آئیں اور رسید دکھا کر بقیہ رقم واپس لے لیں۔"

"میں یہی چاہ رہا تھا" میں نے ممنونیت سے کہا "مجھے اپنا آرام پیسوں سے زیادہ عزیز ہے۔"

دس منٹ بعد میں اسپتال سے نکل کر باہر سڑک پر پہنچ چکا تھا جہاں ٹیکسیاں اور رکشے موجود تھے۔ اسپتال کا کمرا چھوڑنے سے پہلے... میں ٹیلی فون لائن سے سی ایس ڈی نکال کر محفوظ کرنا نہیں بھولا تھا۔ اسپتال سے ہمارے گھر کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ موسم خوشگوار ہوتا تو رات کے سکون آور سناٹے میں وہ راستہ پیدل بھی طے کیا جاسکتا تھا مگر وہ رات خنک تھی۔ میں نے ٹیکسی لی اور گھر کی طرف روانہ ہوگیا۔

میری بائیں ہتھیلی کی پشت پر کینولا کی سوئی سے چھیدی جانے والی جس پر لگا ہوا ٹیپ اسپتال کی اکلوتی نشانی کے طور پر میرے ساتھ تھا۔

میں نے اول خان کو اپنی واپسی کے پروگرام سے آگاہ کیا تھا، غزالہ کو خبر نہیں دی تھی مگر جب ٹیکسی گھر کے سامنے رکی تو میں اپنے گھر کی مکمل روشنیاں دیکھ کر حیران رہ گیا۔ خوابیدہ آبادی میں ہمارا گھر روشنیوں کے ایک جزیرے کی طرح جگمگا رہا تھا۔ رات کے سناٹے میں ٹیکسی کا انجن بند ہونے کی آواز سن کر سلطان شاہ دروازے پر آگیا۔ میں ڈرائیور کو کرایہ ادا کرکے پلٹا تو وہ تینوں ہی پھاٹک کے پاس میرے منتظر تھے۔

ویرا کی آنکھیں سرخ اور متورم تھیں۔ اس کے ہونٹوں پر پھیلی ہوئی باوقار مسکراہٹ سے ظاہر ہو رہا تھا کہ مے نوشی کی کثرت کے باوجود اس نے اس وقت اپنے اعصاب پر قابو پایا ہوا تھا "ویری گڈ! لوٹ کے بدھو گھر کو آئے" مجھے دیکھ کر اس نے برمحل تبصرہ کیا۔ اس کی آواز میں ہلکی سی لڑکھڑاہٹ تھی۔

"جلال کا فون آیا تھا۔ وہ بھی پہنچنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ میں اسے فون کردوں کہ آپ آگئے ہیں" غزالہ یہ کہہ کر دوڑتی ہوئی اندر چلی گئی۔

"یہ سب کیا ہو رہا ہے" سلطان شاہ نے کچھ نہ سمجھنے والے انداز میں کہا "پہلے تمہیں بھگا دیا گیا۔ اب تم لوٹ آئے ہو، جلال بھی آرہا ہے..."

"جلال ہی اس راز پر سے پردہ اٹھائے گا" میں نے اسے جواب دیا پھر ویرا کی طرف متوجہ ہوگیا "آج تم نے پھر کم وقت میں بہت زیادہ پی ہے۔ آئینے میں صورت دیکھی ہے اپنی؟"

"تم آگئے ہو تو تمہاری آنکھوں کے آئینوں میں اپنی تصویر دیکھوں گی" وہ کھری مسکراہٹ کے ساتھ بولی "اس سے پہلے میں خود فراموشی کی دنیا میں کھوئی ہوئی تھی۔"

"اس میں سب سے بڑی خرابی یہ ہے کہ یہ زیادہ پی کر نثر میں شاعری کرنے لگتی ہے" سلطان شاہ چڑ کر بولا "میری اور

Downloaded from https://paksociety.com